وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

۲۲ : ۷۸

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد
کرنے کا حق ہے

جملہ حقوق بحقِ مصنف
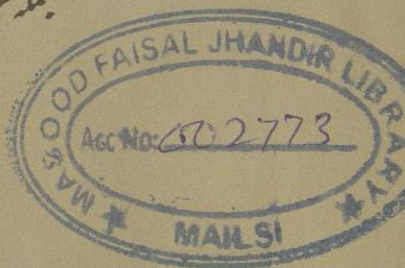
اشاعتِ اوّل ۶ر ستمبر ۱۹۷۰ء
(تعداد ۱۰۰۰)

قیمت ۱۲ روپے پچاس پیسے

مکتبہ المختار

۴- الف- گلستان کالونی، راولپنڈی

ترتیب مضامین

پیش لفظ

از ابوالاعلیٰ مودودی

بریگیڈیر گلزار احمد صاحب ہماری فوج کے ان چند لوگوں میں سے ہیں جو صرف یہی نہیں کہ نہایت گہرے اور صحیح اسلامی جذبات رکھتے ہیں۔ بلکہ اس مقصد کے لئے اپنے قلم سے بھی بہت مفید کام لے رہے ہیں۔ اس سے پہلے "دفاع پاکستان کی لازوال داستان" کے نام سے ایک بڑی اچھی کتاب ۱۹۶۵ء کی جنگ کے متعلق ان کے قلم سے نکل چکی ہے۔ جس میں ایک سچے مسلمان سپاہی کا ذہن نمایاں نظر آتا ہے۔ اور اب ان کی یہ تازہ کتاب "جہاد" پر شائع ہو رہی ہے جو امید ہے کہ اس سے بھی زیادہ مفید ثابت ہو گی۔ اس میں انہوں نے اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ فنِ جنگ کے نقطۂ نظر سے قرآنِ پاک ہمیں کیا رہنمائی دیتا ہے۔ یہ ایک ایسے آدمی ہی کے کرنے کا کام تھا جو قرآن کو بھی سمجھتا ہو اور اس کے ساتھ فنِ جنگ اور اس سے تعلق رکھنے والے مسائل سے بھی بخوبی واقف ہو۔ میں نے اس کتاب کا اچھا خاصا حصّہ غور سے پڑھا ہے۔ میں محسوس

کرتا ہوں کہ ہمارے محکمہ دفاع کے لوگوں کو اسے ضرور پڑھنا چاہیئے۔ اور ہماری فوج کے افسروں کی تربیت کے نصاب میں بھی اسے شامل ہونا چاہیئے تاکہ ہم دنیا کی عام فوجوں کی طرح ایک فوج نہیں بلکہ مسلم ملت کے مجاہد تیار کر سکیں۔

یہ ایک ابتدائی بنیادی کتاب ہے جس میں صرف اُن اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جو فنِ جنگ کے متعلق ہمیں قرآنِ مجید میں ملتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ہماری تمام ضروریات کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر ہمیں ایک ایسے سلسلۂ کتب کی ضرورت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قریبی دَور کے مجاہدینِ اسلام تک کی جہادی زندگی، ان کے کارنامے ان کی جنگی تدبیرات، اور ان کے بڑے بڑے معرکوں کی تفصیلات پر فنِ حرب کے نقطۂ نظر سے بحث کی جائے۔ اب تک تو ہم ہر علم و فن کی طرح اس فن کے معاملہ میں بھی زیادہ تر اہلِ مغرب ہی کو امام سمجھتے رہے ہیں۔ اُنہی کے اقوال سے اصولی رہنمائی اخذ کرتے رہے ہیں اور اُن کی جنگی تدبیرات کے مطالعہ پر اکتفا کرتے رہے ہیں۔ دوسرے فنون کی طرح یہ بات ہماری نگاہ سے اوجھل رہی ہے کہ جنگ کے فن میں بھی ہمارے ہاں علم اور عمل کے وہ نمونے موجود ہیں جن کی طرف ہم رہنمائی کے لیے رجوع کر سکتے ہیں۔ خود ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم ترین قائد تھے اور ان کی تعلیم و تربیت سے وہ زبردست فوج تیار ہوئی تھی جس کے لیڈروں نے اپنی بہترین قیادت سے۔ اور جس کی فوجوں نے اپنی حیرت انگیز تنظیم اور عسکری اخلاقی انضباط سے چند سال کے اندر دُنیا

کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا تھا۔ پھر ہماری تاریخ کے دوران میں پے در پے ایسے جنرل پیدا ہوتے رہے جو اپنی قیادت کے کمالات اور اپنی جنگی مہارت میں دُنیا کے بڑے بڑے فاتحین سے کسی طرح کم نہ تھے۔ ہمیں اتنا فراخدل ضرور ہونا چاہیئے کہ ہم دوسروں سے سبق سیکھنے میں تامل نہ کریں مگر اس احساس کمتری میں بھی ہم کو مبتلا نہ ہونا چاہیئے کہ سبق سیکھنے کے قابل جو کچھ بھی ہے وہ دوسروں ہی کے پاس ہے۔ ہماری اپنی روایات اور اپنے اکابر میں کوئی نمونہ ایسا نہیں ہے جس سے ہم سبق لے سکیں۔ اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ احادیث اور سیرت پاک اور خلفائے اسلام کے حالات سے اُن ہدایات کو جمع کیا جائے جو جہاد کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشینوں نے وقتاً فوقتاً دی ہیں، اور حضور کے غزوات اور عہدِ خلافت کی لڑائیوں کے اُن واقعات کو بھی اس مجموعہ میں شامل کیا جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ جنگ اور فتح" اور غیر جانبداری، اور عارضی جنگ بندی، اور صلح اور مفتوح علاقوں کی آبادیوں کے ساتھ برتاؤ کے معاملات میں عملاً ہمارے رسُولِ پاک اور آپ کے تربیت یافتہ لوگوں کا اسوۂ حسنہ کیا تھا۔ فنِ جنگ کے سلسلے میں مطالعہ کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جو انشاء اللہ ہمارے سپاہیوں کے لئے فکر و نظر کی بالکل ایک نئی راہ کھول دے گا۔ اس معاملہ میں ہمیں اسلامی لٹریچر کے سوا کوئی صحیح رہنمائی کہیں نہیں مل سکتی۔ دوسروں کی حربی تاریخ اگر کوئی رہنمائی کرتی بھی ہے تو وہ گمراہ کن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں فتح، اور فتح بھی پائیدار فتح کا بہت بڑا انحصار اُس اخلاقی رویے پر ہے جو جنگ کے دوران میں ایک فوج مقابل کی فوج کے ساتھ اور

غنیم کے علاقے میں داخل ہو کر اس کی آبادی کے ساتھ اور فتح پانے کے بعد مفتوح قوم کے ساتھ اختیار کرتی ہے۔ اسلامی فوجوں کی فتوحات صرف جنگی طاقت اور اسلحہ کے بل پر نہ تھیں بلکہ ہتھیاروں سے زیادہ مسلمانوں کے اخلاق نے عین حالت جنگ میں بھی دشمنوں کے دلوں کو مسخر کیا تھا اور فتح پانے کے بعد مسلمانوں نے مفتوحوں کے ساتھ جس شرافت، فیاضی اور حُسنِ سلوک کا معاملہ کیا اُسی کا نتیجہ یہ تھا کہ مفتوح ملکوں کی پوری پوری آبادیاں مسلمان ہوتی چلی گئیں۔ اور ان کی تہذیب بدل گئی۔ ان میں سے اکثر کی زبان تک بدل گئی۔ اور آج ان قوموں کے دلوں میں اس قدر گہرے اسلامی جذبات پائے جاتے ہیں کہ خود عربوں کے اندر بھی وہ اتنے گہرے نہیں ہیں۔ اِن مسلمان قوموں کو اسلام جن عربوں کے ذریعے سے پہنچا تھا آج یہ قومیں اُن سے بڑھ کر اسلام کے شیدائی ہیں۔ کوئی انہیں اسلام سے باغی کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔ آسان فتح اور پائیدار فتح کا یہ گُر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے نمونے کے سوا ہمیں اور کہیں سے ہاتھ نہیں آ سکتا۔ دوسروں کے ہاں اگر ہمیں نمونے ملتے ہیں تو ایسی سفاکانہ لڑائیوں، اور ظالمانہ فتوحات کے ملتے ہیں جن کی بدولت قوموں میں مستقل دشمنیاں پڑ گئیں۔ اور ہر جنگ کے بعد فاتح کے ظلم وستم اور زیادتیوں نے ایک اور جنگ اور پہلے سے بدتر سفاکانہ جنگ کی بنا ڈال دی۔ خصوصیت کے ساتھ اہلِ مغرب کو تو کبھی شریفوں کی طرح لڑنا آیا ہی نہیں۔ فتح کے بعد مفتوح کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کا خیال تک انہیں چھو نہیں گیا ہے۔ ان کی فتح اگر کہیں پائیدار ہوئی

ہے تو صرف اس جگہ جہاں مفتوح قوم کو نیست و نابود کر کے وہ خود اس کے ملک میں بس گئے ہیں، ورنہ ان کی ہر فتح اپنے پیچھے نفرت کا ایک لاوا پکا کر چھوڑ گئی ہے جو کبھی دبتا اور کبھی ابھلتا رہا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے اِن قوموں کے جنگی کارنامے ہمیں وحشیانہ طاقت کا استعمال تو سکھا سکتے ہیں مگر دل جیتنے اور روحوں کو مسخر کرنے کا فن نہیں سکھا سکتے یہ فن صرف حدیث اور سیرت پاک اور سیرت خلفائے راشدین کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور مغربی فنونِ حرب کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ ہی ہمیں یہ بتا سکتا ہے کہ ایک بلند نصب العین اور پاکیزہ سیرت و کردار رکھنے والے شریف اور بہادر ہاتھوں میں آکر تلوار کیا کرامت دکھاتی ہے۔ اور اس کے برعکس ایک قوم پرست یا نسل پرست یا مادہ پرست ہاتھ میں تلوار کا آنا کتنی بڑی لعنت ہے۔

مسلمان مجاہدین کے اندر مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنی اخلاقی برتری کا احساس پیدا کرنے کے لئے ایک اور پہلو سے بھی تاریخی مطالعہ ضروری ہے۔ اور وہ پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب ایک طرف برصغیر ہند اور ترکستان تک اور دوسری طرف مشرقی یورپ۔ سسلی۔ شمالی افریقہ اور اسپین تک بہت سے موقعوں پر غلبہ حاصل کیا تھا تو ان قوموں کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا تھا اور جب غیر مسلموں کو مسلمانوں پر غلبہ نصیب ہوا تو وہ کیسے فاتح ثابت ہوئے۔ اسپین اور سسلی میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا۔ صلیبی لڑائیوں میں اُن کا کیا کردار رہا۔ مشرقی یورپ

اور شمالی افریقہ میں انہوں نے مفتوح مسلمانوں سے کیا سلوک کیا۔ ہندوستان میں ہندو آج کیا کر رہے ہیں۔ یہودیوں کے ساتھ ان کی پوری تاریخ میں مسلمانوں نے کس شرافت کا برتاؤ کیا اور اُس کے مقابلے میں عیسائی اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے رہے، مگر آخر کار یہودیوں نے فلسطین میں گھس کر مسلمانوں کی شرافت کا کیا بدلہ دیا۔ یہ تاریخ اگر ہمارے مسلمان مجاہدین کو معلوم ہو تو دوسروں سے شرمانے کی بجائے ان پر فخر محسوس ہوگا کہ اسلام نے ان کو انسانیت کے کس بلند مقام پر پہنچایا ہے جس کے مقابلہ میں دُنیا کی ساری نام نہاد مہذب قوموں کا مقام نہایت پست ہے۔

(ابو الاعلیٰ)

لاہور

۱۴ رمئی ۱۹۶۹ء

ابتدائیہ

مسئلہ جہاد ہو یا اجتہاد، مسئلہ سود ہو یا زکوٰۃ۔ اس پر روشنی حاصل کرنے سے قبل ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس دورانِ نبوت دور میں اسلام کے چند بنیادی مسائل کے متعلق ہم اپنا موقف قائم کر لیں تاکہ جس اجتماعی یا انفرادی مسئلے پر ہم ہدایت چاہتے ہوں اس کو ہم صحیح اسلامی اصولوں کی روشنی میں دیکھ سکیں۔ گزشتہ چند صدیاں مسلمانوں کے لئے گراں بار رہی ہیں۔ سیاسی اور اقتصادی زنجیروں کے عقب میں ان پر نظریاتی حملوں کی یلغار اس شدت سے رہی ہے، کہ اب جبکہ مغرب کی سیاسی زنجیروں کی کڑیاں ڈھیلی پڑ چکی ہیں اور اُمید کی جا سکتی ہے کہ ان کے عقب میں جو اقتصادی مجبوریاں آئی تھیں وہ بھی آئندہ کمتر ہوتی جائیں گی۔ اس کے باوجود ہمارے ذہنوں پر اغیار کے نظریاتی حملوں کی جو گرفت پڑ چکی تھی۔ اس کے ڈھیلے ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ بلکہ بعض سیاسی اور اقتصادی قیود کے اُٹھ جانے کے بعد ہم یہ چاہتے ہیں کہ کم از کم ہم اپنے اوپر اغیار کے نظریات کی پیدا کردہ قیود قائم رکھیں تاکہ جو قبلۂ ثالث ہم نے اپنے لئے چن رکھا تھا اس سے اپنے تعلقات منسلک رکھ سکیں ممکن ہے کہ یہ خواہش شعوری طور پر نہ پیدا کی گئی ہو اور غلامی کی چند صدیوں کی تاریخ نے ہمیں ایک طرف تو اسلام کی تعلیمات سے بیگانہ کر دیا ہو اور

دوسری طرف غیروں کی دنیوی کامیابی نے ہمیں ان کے نظریات کی طرف مائل کر لیا ہو۔

بہرکیف ہماری گزشتہ کوتاہیوں کی وجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اگر ہمیں قرآن و سنّت پر اعتقاد ہے اور ہم نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ تو پھر ہم اپنے مسائل کے حل کرنے کے لئے ایک بار پھر قرآن و سنّت کی طرف رجوع کریں۔ ملت کے تحفظ اور اس کی بقا کو باقی تمام مسائل پر فوقیت حاصل ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ اگر ملت کا وجود ہی نہ رہ سکا تو پھر مسلمان کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔ ملت کی بقا کے متعلق احکام اور اس کے طور طریقوں کو اسلام جہاد یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کا نام اور مقام عطا کرتا ہے۔ ان اوراق میں جہاد فی سبیل اللہ کو قرآن و سنّت کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس سے قبل کہ ہم جہاد کے متعلق احکامِ الٰہی پر نظر ڈالیں یا ان احکام پر حضورؐ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے عمل کا مطالعہ کریں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم صدق دل سے چند بنیادی سوالوں کا جواب خود اپنے آپ کو دے لیں۔ ہمارے ذہنوں پر جو غیراللہ کی جانب سے آئی ہوئی نظریاتی دھندسی چھا چکی ہے اس کی وجہ سے ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم خود اپنے آپ سے فیصلہ کر لیں کہ:۔

اوّلاً ہم مسلمان سے کیا مراد لیتے ہیں۔

دوئم اللہ تبارک و تعالےٰ کے متعلق ہمارا نظریہ کیا ہے

سوم، کلام ربانی یعنے قرآنِ حکیم کا کیا مقام ہے اور ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسے کس حد تک احکام اور ہدایت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔

ان سوالوں کا جواب کسی دوسرے کو دینے کی ضرورت نہیں۔ انفرادی طور پر ہم میں سے ہر ایک ان سوالوں کا جواب اپنے آپ کو نہایت آسانی سے دے سکتا ہے اور جہاں تک ہماری اجتماعی زندگی کا تعلق ہے تو وہ قوانینِ اسلام کے مطابق اسی وقت ڈھالی جا سکتی ہے جب اس قوم کے افراد کی اکثریت اپنے انفرادی اعمال کو قرآن و سنّت کی روشنی میں حل کرنے پر پوری طرح پابند ہو جائے برائے نام مسلم یا منافق افراد کے اجتماع سے من حیث القوم مسلمان ملّت کے سے اعمال کی توقع رکھنا کسی طرح بھی ممکن قرار نہیں دیا جا سکتا اور چونکہ جہاد ایک اجتماعی فعل ہے اس لئے جہاد پر عمل قرآن و سنّت کی روشنی میں اسی وقت پوری طرح ممکن ہو سکے گا جب قوم کی اکثریت قرآن و سنت کی تابع ہو چکی ہو گی ورنہ جہاد جیسا اہم فریضہ صحیح طور پر ادا نہ ہو سکے گا اور ملّت کی بقا و تحفظ کا مسئلہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ کون جانتا ہے کہ ماضی میں ملّت اسلامیہ کو جو مصائب پیش آتے رہے ہیں ان کی وجہ بھی یہی ہو کہ ملّت من حیث الجماعت احکامِ جہاد سے پوری طرح عہدہ برآنہ ہو سکی ہو اور اس کوتاہی کی تہہ میں افراد کی جانب سے احکامِ الٰہی کی نافرمانی اس صورت حال کا باعث بنتی رہی ہو۔

ان مندرجہ بالا تین سوالات کے جوابات پر مختصر سی روشنی ڈالتے وقت ہم صرف قرآنِ حکیم کی طرف رجوع کریں گے۔ ملّت اسلامیہ میں پہلے بھی مختلف فرقے پائے جاتے تھے البتہ مغرب کی ذہنی یلغار کے بعد سے تو

عجیب و غریب اعتقادات وجود میں آگئے ہیں اور سب سے خطرناک فرقہ منتظمہ کے ان افراد پر مشتمل ہے جو قرآن و سنت سے اپنے قوانین وضع نہ کرنے کا جواز بتاتے ہیں کہ اتنے فرقوں میں سے کون سے فرقے کے اصولوں کو سامنے رکھا جائے۔ اس کے باوجود ابھی تک ان مختلف النوع خیالات کے دعویداروں نے قرآن سے یکسر انکار نہیں کیا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو قرآن کے مقام کو کمتر دکھانا چاہتے ہیں اور اسے کلامِ الٰہی کی بجائے کلام نبی ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اپنے دلائل کا ثبوت خود قرآنِ حکیم سے ڈھونڈ نکالنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں اور اس مکتب کے خیال کے لوگ جب قرآن کو غیر دائمی ثابت کرنا چاہتے ہیں تب بھی اس کوشش میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ قوانینِ قرآنی سے دوامی مقام چھیننے کا جواز خود قرآن ہی سے پیش کریں۔ اگر ہمیں اللہ پر یقین ہے اور ہم قرآنِ حکیم کو اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس سوال کا جواب کہ آیا یہ نظریات صحیح ہیں یا غلط ہیں اس کا جواب صرف قرآن ہی دے سکتا ہے۔ جہاں تک ہمارے تین سوالوں کا تعلق ہے ان کے جوابات کے متعلق تو قرآنِ حکیم کے علاوہ کسی اور جانب رخ کرنا لاحاصل ہوگا۔

مسلمان کون ہیں؟ قرآنِ حکیم کا اس سوال کے متعلق ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ	مومن تو وہی ہیں جو
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے۔
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا	اور پھر کوئی شبہ نہ کیا۔

وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	جان کے ساتھ جہاد کیا
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○	ایسے ہی لوگ سچے ہیں

۴۹ : ۱۵

اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے کے لئے ایک سادہ مگر دُور رس کلمہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ کلمہ یہ ہے:-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	سوائے اللہ کے کوئی عبودیت کے قابل نہیں
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ	محمدؐ اللہ کے رسول ہیں

یہ کلمۂ طیبہ نہایت سادہ ہے مگر جب انسان مقام عبودیت صرف اللہ کو دے دیتا ہے تو اس کے یہ معنے ہو جاتے ہیں کہ انسان تمام دنیوی کششوں، ماں، باپ، بیوی، بچوں، دولت اور دوسری پسندیدہ و محبوب اشیاء سے وابستگی ہٹا کر اللہ کے ساتھ وابستگی قائم کر لیتا ہے جہاں کہیں ان اشخاص یا اشیاء کی محبت اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں حائل ہوتی ہے یا کسی دنیوی شخصیت کا خوف اللہ کے قائم کردہ راستے سے انسان کو ہٹانے کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مسلمان اس محبت اور اس خوف سے بے نیاز ہو کر اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ..... الخ (۴۹ : ۱۵)

آیۂ کریمہ کا مفہوم بھی ان ہی معانی کا حامل ہے یعنے مسلمان وہ ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد اس پر قائم

رہتے ہیں اور اپنے اس فیصلے کی صداقت کے متعلق شک و شبہ نہیں کرتے۔
ان کے اس ایمان لانے اور اس پر صدق دل سے قائم رہنے کا ثبوت وہ جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہو کر پیش کرتے ہیں۔ جو انسان کفر و ظلمت کے خلاف اپنے مال اور اپنی جان قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں وہ اپنے ایمان کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں اور جو اپنے ایمان کا عملی ثبوت اپنی جان حاضر کرنے کی شکل میں دیتے ہیں یعنے شہید ہو جاتے ہیں۔ ان کی صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہوتی ہے

ان کا یہ ایمان لانا بغیر دیکھے ہوتا ہے۔ وہ اللہ پر ایمان لانے کے لئے اللہ کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ قرآن کے الفاظ ہیں :۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ — جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں

۲ : ۳

جہاد اجتماعی فعل ہے اور وہ ہر روز واقع نہیں ہوتا۔ البتہ جہاد کے علاوہ بھی اسلام کے چند انضباط (ڈسپلن) ہیں۔ ان انضباطوں کا مقصد طہارتِ نفس ہے جس کے بغیر دُنیا کی آلائشوں سے بے نیاز ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ان انضباطوں کی تفصیل قرآن میں مختلف مقامات پر دی گئی ہے البتہ جن دو انضباطوں کا ذکر کثرت سے آتا ہے وہ نماز اور زکوٰۃ ہیں۔ ایک مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں :۔

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ — نماز قائم کرتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ — اور جو مال ہم نے انہیں دیا ہے اسے خرچ کرتے ہیں

۲ : ۳

اس خرچ کرنے کا اشارہ زکوٰۃ اور اخراجات جہاد کی طرف ہے جو معاشرے کی معاشی صحت کے ضامن ہوتے ہیں۔ ملک کے حفظ و بقا اور سالمیت کے لئے یہ خرچ یعنے ملک کے ناداروں کی مشکلات کو دُور کرنا اور جہاد کے لئے سامان تیار کرنا نہایت اہمیت کے قابل ہیں۔ جہاد کے ذکر سے یہ سوال ایک بار پھر ذہن کے سامنے آجاتا ہے کہ مسلمان کا عملی ثبوت جہاد ہی ہے۔ ورنہ زبان سے یہ کہہ دینا کہ "میں ایمان لے آیا" تو بہت آسان ہے۔ ایسی صورتِ حال کا ذکر بھی قرآن میں ہے کہ ایسے لوگ نام نہاد مسلمانوں میں موجود ہوں گے جو کہیں گے کہ وہ ایمان لائے اور مسلمان ہیں مگر حقیقت میں وہ ایمان نہیں لاتے ہونگے۔

قرآن کے الفاظ ہیں:۔

وَمِنَ النَّاسِ — اور لوگوں میں (ایسے بھی ہیں)

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ — جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ — مگر وہ درحقیقت مومن نہیں ہیں۔

۲ : ۸

اگر مسلمان اللہ پر ایمان لاتا ہے تو وہ اللہ پر احسان نہیں کرتا مسلمان کا ایمان تو اس کے اپنے لئے ہے۔ اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ اس کا اپنا درجہ اللہ کے ہاں بلند ہوتا ہے اور وہ دنیا میں کامیاب رہتا ہے۔ ممکن ہے دوسرے نظاموں میں شمولیت کے بعد لوگ کہتے ہوں کہ اُنہوں نے اس نظام میں شامل ہو کر کسی پر احسان کیا۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے مسلمان

مسلمان بن کر کسی دوسرے پر احسان نہیں کرتا - قرآنِ حکیم کے الفاظ ملاحظہ ہوں :-

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ ج	تو کہہ کر مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت رکھو
بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ	بلکہ یہ تو تم پر اللہ کا احسان ہے
اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ	کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت دی
اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ہ	اگر تم سچے ہو تو اس بات کو تسلیم کرو گے)

۱۷ : ۴۹

ایک اور جگہ اسی موضوع پر ارشاد ہوتا ہے :-

مَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ ج	جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے لئے پائی -
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا	اور جو بھٹک گیا تو اس کے بھٹکنے کا نقصان اسی پر ہے -
وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی	اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا -

۱۵ : ۱۷

مسلمان کا ایمان اللہ تبارک و تعالےٰ کے متعلق نہایت سادہ ہے یعنی اللہ کے سوا سب کچھ اس کی ہی مخلوق ہے - وہی ان کا پالنے والا اور ان کو مارنے والا ہے - جہاں تک مسلمان کا اللہ کے متعلق تصور کا تعلق ہے سورۂ اخلاص اسے بہترین طور پر واضح کرتی ہے :-

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ہ ج	تو کہہ کہ وہ اللہ ایک ہے

۱ : ۱۱۲

اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ ‏ اللہ بے نیاز ہے

۱۱۲ : ۲

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ‏ نہ (اس نے) کسی کو جنا نہ وہ (کسی سے) جنا گیا

۱۱۲ : ۳

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ ‏ اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی بھی ۔

۱۱۲ : ۴

ایک اللہ جو کائنات میں صفاتِ الٰہیہ رکھنے والی واحد ذات ہے۔ کائنات کو تخلیق کرنے سنوارنے اور قائم رکھنے والی یہ ہستیٔ باری تعالیٰ لاثانی ولاشریک ہے۔ اس کا تصور کیا جا سکتا، سمجھا جا سکتا ہے سمجھا یا نہیں جا سکتا ہے اور اسی لئے ایمان بالغیب پر زور دیا گیا ہے ۔ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور بنا کر دنیا میں اپنا خلیفہ تعین کیا۔ اسے عقل دی، علم دیا اور:۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ ‏ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ سب
وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ ‏ تمہارے لئے بنایا گیا ہے ۔

۴۵ : ۱۳

کہہ کے واضح طور پر جتا دیا کہ دورِ خلافت میں انسان جو اعمال کرے گا وہ قیامت کے دن پر کھے جائیں گے اور اس دن شہنشاہیت اللہ کی اپنی ہوگی ۔ اس لئے کردی :۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ‏ یومِ انصاف کا مالک

ہے اور اس روز اس کے مقرر کردہ خلیفہ اور اشرف المخلوقات کی خلافت اور

اشرفیت اختتام کو پہنچ چکی ہو گی اور وہ اپنے اعمال کی روداد اپنے ہاتھوں میں لئے منتظرِ انصاف ہو گا۔ جیسے حکم دیا گیا تھا۔

كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۔ اللہ کے لیے مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہونے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو

۵ : ۸

اور :۔

اِعْدِلُوْا ۔ انصاف کرو

۵ : ۸

اور :۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۔ انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو

۶ : ۱۵۳

اسی انسان کو اس روز دکھایا جائے گا کہ انصاف اور عدل کسے کہتے ہیں۔ مسلمان کا اس روز عدل و انصاف پر محکم ایمان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا وعدہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے کلامِ پاک میں کہا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ اللہ خود کہتا ہے :۔

لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝ ۔ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

۳۹ : ۲۰

ایک اور مقام پر اس سے بھی زیادہ وضاحت کرتا ہے :۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ ۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے ؟

لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ	اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔
وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝	لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

۶ : ۳۰

جب تک انسان ذاتِ باری تعالےٰ پر محکم ایمان نہیں لے آئے گا اور صمیم قلب سے اللہ کے متعلق اپنا تصوّر محکم نہیں کرے گا اس وقت تک اُس کے اعمال کسی خاص نہج پر نہیں چل سکیں گے اور وہ تنکے کی طرح ہر سمت کی ہوا کے سامنے اپنا مقام بدلتا رہے گا۔ یہی حال انسانوں کے اجتماعی مسائل کا ہوا کرتا ہے۔ جن انسانی معاشروں کے سامنے کوئی با اصول نظریہ نہیں ہوتا ان کے اجتماعی مسائل میں ربط پیدا نہیں ہوتا اور وہ نت نئے بدلتے ہوئے حالات کی غیر مرئی طاقتوں کے اثر کے نیچے اپنے فیصلوں کو بدلتے رہتے ہیں اور یوں معاشرے کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ جب انسانوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ من حیث الافراد اور من حیث القوم ان کا خالق و مالک ہی ان کا حامی اور مددگار بن سکتا ہے تو وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے فیصلے اللہ کے احکام کی روشنی میں دیا کرتے ہیں۔ جب ان کا ایمان پختہ ہو جاتا ہے کہ پڑوسی ملک ان کا مالک نہیں بلکہ وحدہٗ لا شریک ان کا مالک ہے اور اس آیۂ کریمہ پر ایمان لے آئے ہیں :-

بَلِ اللّٰہُ مَوۡلٰکُمۡ	بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے
وَھُوَ خَیۡرُ النّٰصِرِیۡنَ ۝	اور اس سے بہتر مددگار کوئی نہیں

۳ : ۱۵۰

جب مسلمان کا ایمان اتنا محکم ہو جاتا ہے تو پھر اللہ بھی اپنے قول کے مطابق :-

سَیَھْدِیْھِمْ	اللہ ان کی ہدایت کرے گا
وَیُصْلِحُ بَالَھُمْ ۝	اور ان کے حالات کو سدھارے گا

۵ : ۴۷

جہاں تک مسلمان کا قرآن کے متعلق نظریہ ہے اس کے متعلق گزشتہ چند سالوں سے قبل کبھی کوئی خاص اختلاف نہ تھا۔ کسی زمانے میں معتزلہ نے قرآن کو مخلوق قرار دے کر اس کی اہمیت کو کسی حد تک کم کرنے کی کوشش کی تھی مگر حکومتِ وقت کی سرپرستی کے باوجود بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ قرآن میں کوئی طاقت تبدیلی نہیں کر سکتی :-

لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ	اس کے کلام کو بدلنے والا کوئی نہیں

اور :-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ	یقیناً ہم نے خود اس کتاب کو نازل کیا ہے
وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝	اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان رہینگے

۹ : ۱۵

اگر ہمیں اللہ پر ایمان ہے اور ہم رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے پیغام کا پیامبر مانتے ہیں تو پھر ہمیں یہ حتمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس قرآن کو اس رسول اللہؐ نے اللہ کے الفاظ بتایا جس پر خود یہ وحی کے ذریعہ نازل ہوا تو پھر اس قرآن کو ہم شاعرانہ الہام کی قسم کا کلام کہنے میں سراسر غلطی پر ہونگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خود قرآن نے اسے کلامِ ربانی کہا ہے اور اگر ہم اس

کے متعلق کوئی اور نظریہ رکھتے ہیں تو ہم اور سبھی کچھ ہو سکتے ہیں مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ قرآن اپنے متعلق جو کچھ کہتا ہے وہی مسلمان کا ایمان ہو سکتا ہے اور قرآن کے احکام کے خلاف جانا یا ان قوانین کو موجودہ دور میں ناقابلِ عمل سمجھنا ہمیں اسلام سے خارج کر دے گا۔ جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اگر انسان کرۂ ارضی سے اڑ کر دوسرے ستاروں پر سکونت اختیار کرتا ہے تو اس منبع رشد و ہدایت پر عمل کئے بغیر انسان کی اجتماعی زندگی وہاں بھی کامیابی سے نہیں چل سکتی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن میں :-

رَحْمَةٌ لِلْعٰلَمِيْنَ عالموں (دنیاؤں) کے لئے رحمت

کا لقب دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حضورؐ کا لایا ہوا پیغام انسان کے توسط سے دوسری دنیاؤں پر پہنچے گا تو حضورؐ ان عالموں کے لئے بھی باعثِ رحمت ثابت ہونگے۔ اگر حضور فخرِ کائنات کے لائے ہوئے پیغام اور ان کی بسر کی ہوئی طرزِ زندگی پر انسان عمل نہ کرتا تو آج وہ چاند ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے قابل نہ ہوتا یہ مسلمان کی بدبختی ہے کہ وہ پورے کرۂ ارض پر ایک ملک بھی ایسا نہیں پیش کر سکتا۔ جہاں وہ یہ کہہ سکے کہ جس قرآن پر ہمیں اللہ کی عطا کردہ کتابِ ہدایت ہونے کا ایمان ہے اس پر عمل کرنے کی مثال یہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اذہان غیر اسلامی تصوراتِ زندگی سے اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ ہم اپنی اجتماعی زندگی کے مسائل کو سلجھانے کے لئے قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ کبھی ہم نے یہ بھی سوچا ہے کہ اس آج کی دنیا سے اگر اسلام کے لائے ہوئے اصول

اور احکام نکال دئے جائیں تو وہ بربریت کا ادنیٰ ترین نمونہ پیش کرے گی۔ یہ موضوع ایک علیحدہ تصنیف چاہتا ہے اس لئے ہم اس موضوع کو ملتوی کرنے کی اجازت چاہیں گے۔

مسلمان قرآنِ حکیم کو اللہ کا کلام مانتا ہے اور اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس کتاب کے متعلق اللہ تعالےٰ نے کہا ہے :۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ	یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں
۲ : ۱	

جو ایمان لانے والوں اور اللہ سے خوف کھانے والوں کے لئے ہدایت ہے :۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ	ہدایت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے
۲ : ۲	لئے (یعنے جو اس پہ عمل کرتے ہوں)

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ	یہ انسانوں کے لئے ایک بیان ہے (وہ اس سے فائدہ اسی وقت اٹھا سکتے ہیں جب اس سے ہدایت کرنے کے لئے رجوع کریں)
وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○	اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے
۴ : ۱۳۸	ہدایت اور نصیحت ہے۔

جب انسان اس کتاب سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ذہنی روحانی اور مادی طور پر ایک بالکل ہی نئی دُنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اس حالت کو خود

قرآن نے ظلمت سے نور میں آنا کہا ہے۔ الفاظ ہیں :-

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ	یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے تم (رسول اللہ) پر نازل کیا۔
لِتُخْرِجَ النَّاسَ	تا کہ تم دُنیا کو نکالو
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۝	ظلمت سے نور کی طرف
۱۴ : ۱	(اور دنیا ظلمت سے نکل کر نور کے قریب ہوتی جا رہی ہے مگر جن کو اس کتاب کے ماننے کا دعویٰ ہے۔ وہ قول و فعل میں تطابق نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔)

انسانیت کے لئے جو کچھ اللہ نے مقدر کر رکھا ہے وہ بالآخر ہو کر رہے گا کب اور کس طرح اللہ تبارک وتعالےٰ تخلیق عالم اور خصوصاً تخلیق انسانی کے مقصد کو پورا کریگے اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ البتہ اللہ اپنے نور کی تکمیل ضرور کریں گے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝	اللہ اپنا نور مکمل کرے گا چاہے کافروں کو بُرا لگے۔
۶۱ : ۸	

انسان کبھی نہ کبھی اپنے اختیار سے راہ راست پر ضرور چلے گا۔ انسان چونکہ صاحب اختیار ہے اس لئے اللہ بھی اس کی ہدایت اس وقت کرتا ہے جب وہ ہدایت کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور انکار و بغاوت سے مُنہ موڑ لیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :-

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اللہ ظالم قوم کی ہرگز ہدایت نہیں کرے گا۔ ۶۱ : ۷

تاریخ بتاتی ہے کہ لاتعداد طاقتور قومیں اس دنیا میں اُٹھیں مگر اپنے مظالم اور اپنے افراد کے فسق و فجور کی وجہ سے تباہ ہوئیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّھْلِکَ قَرْیَۃً جب کبھی ہم نے چاہا کہ کسی بستی کو تباہ کریں (اس کے اعمال کی پاداش میں)

اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا تو اسکے عیش کرنیوالوں کے لئے حکم بھیجا۔

فَفَسَقُوْا فِیْھَا پھر اگر انہوں نے حکم عدولی کی (فسق و فجور جاری رکھا)

فَحَقَّ عَلَیْھَا الْقَوْلُ تو ان کی گمراہی ثابت ہوگئی

فَدَمَّرْنٰھَا تَدْمِیْرًا ۝ تب ہم نے انہیں انتہائی طور پر تباہ کر دیا۔ ۱۷-۱۶

ایسی قوموں کا ظلم و ستم وقتی ہوتا ہے۔ وہ اپنی عیش و عشرت میں اللہ کو بھول جاتے ہیں اور طرح طرح کے ذہنی بُت خود ہی تراش کر ان کی پرستش میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر ان کے ذہنوں کی یہ اختراع ان کی تباہی کو نہیں روک سکتی۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو
لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وہ تمہاری مدد کی طاقت نہیں رکھتے
۱۹۷ : ۷

کتنی ہی بستیاں ہیں کہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کی پاداش میں تباہ ہوئیں۔

ان کو بھی اللہ کی طرف سے ہدایت کا پیغام آیا مگر وہ اپنی طاقت کے زعم میں اللہ کو بھلا بیٹھے تھے۔ قرآن پاک کے الفاظ ہیں :۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
کیا وہ دنیا میں نہیں پھرے تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا تھا۔

كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً
وہ قوت میں ان سے زیادہ تھے

وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا
اور انہوں نے زمین پر ان سے بہتر بستیاں آباد کی ہیں اور ان سے بہتر طور پر انہیں بسایا تھا۔

وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ
اور انکی طرف واضح بیان لے کر رسول پہنچے تھے

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ
اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا۔

وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○
لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔

۳۰ : ۹

اگر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن حکیم ہی اللہ کا تعین کردہ راستہ ہمیں دکھاتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم اس کی طرف رجوع کریں تو ہمیں ہدایت نصیب ہوگی جس کے نتیجے میں ہمارے اعمال اللہ کے احکام کے تابع رہیں گے اور ہمارا شمار ظالموں اور راہ گم کردہ لوگوں میں نہ ہوگا تو پھر ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل میں اللہ کی روشنی حاصل کرنے کے لئے قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع کریں۔ اجتماعی مسائل میں ملک و ملت کے تحفظ اور اس کی بقا کو باقی تمام مسائل پر فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے اس اجتماعی

مسئلے یعنے مسئلہ جہاد کے لئے بھی ہمیں قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ساتھ ہی دیکھنا چاہیئے کہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم اور نازک مسئلے کو کس طرح حل کیا تھا۔ حضورؐ کے دور کے متعلق قرآن پاک کا ارشاد ہے :۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ	اور وہ وقت یاد کرو جب تم کم تعداد تھے
مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ	اور زمین میں ستائے ہوئے تھے
تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ	اور ڈرتے پھرتے تھے کہ لوگ تم لوگوں کو اچک نہ لیں۔
فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ ۝	پھر اس نے تمہیں پناہ دی اور اپنی مدد سے
۸ : ۲۶	طاقت دی اور تمہیں رزق دیا۔

مسلمان کم تعداد تھے اور کمزور تھے اور ساتھ ہی کفار کے مظالم کا نشانہ بنتے رہتے تھے۔ جب انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کی اور اجتماعی طور پر اپنے دفاع کے لئے اپنا مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا تو پھر مسلمان اللہ کی مدد سے طاقتور بن گئے اور ساتھ ہی آسودہ حال بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ	اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں
فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝	اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں کرتا۔
۴۷ : ۴	

یہ حال دورِ نبوی ہی کا نہیں بلکہ اگر ان آیات کے الفاظ کو بغور دیکھا

جائے تو ایسے محسوس ہوا ہے کہ ۱۹۶۵ء کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ اور جب ۱۹۶۵ء میں ہم نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے سے کہیں زیادہ طاقت و دولت رکھنے والے دشمن کا بامردی و استقلال سے مقابلہ کیا تو تھوڑا ہی عرصہ بعد اللہ تبارک و تعالے نے اپنی رحمتوں کی بارش کر دی اور ہمارے اعمال ضائع نہ کئے۔ یعنے ہم اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے علاوہ خوراک میں بھی خود کفیل ہو گئے اور یوں :۔

وَرَزَقَكُم	اور تمہیں رزق دیا

ایک بار پھر درست ثابت ہوا۔ بجا ہے :۔

لا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَه	اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

وہ اللہ جو ہماں کا مالک ہے وہ کیسے اپنے وعدوں سے بدل سکتا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِی	وہ اللہ وہ ہے
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	جس کے سوا الٰہیت (بندگی، محبت اور خوف) کے لائق کوئی نہیں۔
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○	وہی مہربان اور وہی رحم کرنے والا ہے۔
۵۹ : ۲۲	
هُوَ اللّٰهُ الَّذِی	وہ اللہ وہ ہے

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	جس کے سوا الہیت (بندگی، محبت اور خوف) کے لائق کوئی نہیں
اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ	وہی پاک ذات والا بادشاہ ہے
السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ	سلامتی اور امان دینے والا
الْمُهَيْمِنُ	پناہ میں لینے والا
الْعَزِيْزُ	زبردست
الْجَبَّارُ	طاقت اور دباؤ والا
الْمُتَكَبِّرُ	بلند ترین
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝	اللہ ان سے بہت بلند ہے جو اس کے ساتھ شریک کئے جاتے ہیں۔
۵۹ : ۲۳	
هُوَ اللّٰهُ	وہ اللہ ہے
الْخَالِقُ	تخلیق کرنے والا (جہاں کچھ نہ تھا وہاں اس نے سب کچھ پیدا کیا)
الْبَارِئُ	قائم کرنے والا (جہاں کوئی شے موجود نہ تھی وہاں ہر شے کو قائم کیا)
الْمُصَوِّرُ	جو (نفی سے) صورتیں پیدا کرتا ہے
لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى	صرف اسی کے اچھے نام ہیں۔
يُسَبِّحُ لَهٗ	اس کی تسبیح پڑھتا ہے
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝	اور وہی ہے زبردست حکمت والا
۵۹ : ۲۴	

یہ ہے اللہ کا وہ تصور جو حضور سرورِ دو عالم فخرِ کونین نبی آخر الزماں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن میں موجود ہے اور جس پر مسلمان صدقِ دل سے ایمان لے آتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس تصور کے بعد یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مسلمان اس کے احکام سے روگردانی کرے۔ اللہ نے جہاد کے متعلق یعنے دُنیا میں قیامِ عدل و انصاف اور حفظ و بقائے ملّت اسلامیہ کے متعلق قرآنِ حکیم میں جو احکام دئیے ہیں اور جن پر عمل کرنا ملّت اسلامیہ کے ہر فرد اور ہر اجتماعی وحدت یعنے ہر اسلامی مملکت پر فرض عین ہے۔ ان پر آئندہ صفحات میں غور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جہاد فرض ہے

قرآن حکیم جہاد کو فرض قرار دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ — تم (لوگوں) پر جنگ کو فرض کر دیا گیا ہے۔ ۲:۲۱۶

اللہ تبارک و تعالےٰ کا جنگ کو فرض کر دینا نہایت دور رس مطالب رکھتا ہے۔ اوّلاً تو یہ کہ اس طرح ہر مسلمان فرد پر جہاد فرض ہو گیا ہے اور سوائے ان حالات کے جن کا خود قرآنِ حکیم میں ذکر ہے کوئی مسلمان فرد جہاد فرض ہو جانے کے بعد اس سے غیر حاضر اور غافل نہیں رہ سکتا۔ دوسری بات جو فرضیت جنگ کے مندرجہ بالا الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کو من حیث القوم دیا گیا ہے اور وہ ان کی اجتماعی تنظیموں اور قومی اور ملکی وحدتوں پر عائد ہوتا ہے جنگ یوں بھی اجتماعی فعل ہے۔ درست کہ اس میں افراد حصّہ لیتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود جنگ فوجوں کے درمیان ہوتی ہے اور یہ فوجیں قومی، ملکی یا ملّی گروہوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ فرد پر جنگ فرض ہو جانے کے ساتھ ساتھ تنظیمِ ملّت پر بھی یہ فریضہ اسی شدّت سے عائد کیا گیا ہے۔

ہمارے لئے رہبری و ہدایت کے لئے حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے بہتر اور کوئی مثال نہیں حقیقت بھی یہی ہے کہ

قرآن حکیم جن پر نازل ہوا تھا۔ انہی کے اعمال قرآن کے آئینہ دار ہو سکتے ہیں حضورؐ کی جنگوں سے واضح ہوتا ہے کہ ملت کا ہر بالغ مرد جہاد میں شامل ہوا کرتا تھا اور زخمیوں کی دیکھ بھال اور ایسے ہی دوسرے کام انجام دینے کے لئے عورتیں بھی جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور یوں ایک طرف تو انفرادی طور پر ہر مسلمان فریضہ جہاد سے عہدہ برآ ہوتا تھا۔ اور دوسری جانب اجتماعی طور پر ملت اسلامیہ اپنے اس اوّلین اجتماعی فرض یعنے اپنے گرد و پیش میں قیام عدل و انصاف کے علاوہ دفاع ملک و ملت کو پورا کرتی تھی۔ جہاں تک اجتماعی تی فریضہ کا تعلق ہے اس کے اور بھی پہلو ہیں جن کی نگہداشت کرنا ملت کا فرض ہے۔ یہی نہیں بلکہ جہاں تک جہاد کے اجتماعی پہلوؤں کا تعلق ہے وہ مقام اور وقت کے مطابق نئی نئی اشکال پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ملت پہ واجب ہو جاتا ہے کہ وہ جنگ کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق فریضۂ جہاد کو ادا کرنے کے قابل بنی رہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے متعلق فرمایا کہ جس شخص نے زندگی میں "نہ جہاد کیا اور نہ کبھی راہِ خدا میں لڑنے کی نیت کی ہو تو وہ منافقوں کی حالت میں مرا"[1] اس لئے کہ

"فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" کے مصداق جو شخص اپنے نظریات کے لئے قربانی نہیں دے سکتا۔ اس کا ان نظریات پر ایمان محکم نہیں ہو سکتا۔ ایک اور موقع پر جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ "سب لوگوں میں بہتر کون ہے تو

---

[1] سنن نسائی، اردو۔ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی۔ جلد دوم۔ باب جہاد۔ ص ۲۴۵

آپؐ نے فرمایا جو کوئی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرے" [1] حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دو طرح کی آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ اولاً وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوم وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں رات بھر حفاظت کے لئے جاگتی رہے۔" [2]

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسندِ خلافت پر رونق افروز ہونے کے بعد جو خطبہ دیا تھا اس میں انہوں نے جو الفاظ فرمائے تھے اُن الفاظ کی تائید میں مسلمانوں کی تیرہ صدیوں کی تاریخ گواہ ہے۔ آپ نے فرمایا تھا "تم میں سے کوئی جہاد نہ چھوڑے۔ کیونکہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے تو اللہ اسے ذلیل اور خوار کر دیتا ہے" [3] انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو خط میں لکھا تھا "جب تم دشمن سے ملو تو موت کی خواہش کرو تاکہ تمہیں زندگی عطا ہو" [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یوں تو سراپا جہاد تھی مگر مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے کے بعد جب ملت کی منظم اجتماعی زندگی کی قیادت آپؐ نے سنبھالی تو پھر آپؐ نے قیامت تک کے لئے امت کے لئے جہاد فی سبیل اللہ

---

[1] ایضاً۔ ص ۲۴۸

[2] فقہ الاسلام مصنفہ حسن احمد الخطیب۔ مترجمہ سید رشید احمد نفیس اکیڈمی کراچی طبع دوم۔ ۱۹۶۷ء۔ ص ۴۶۱

[3] ایضاً۔ ص ۴۶۸

[4] ایضاً۔ ص ۴۶۸

کے انتظام و انصرام سے لے کر جنگ کے اصولوں، لشکر کی صف بندی اور تزویرات و تدبیرات تک کے اہم نکات میں عملی طور پر رشد و ہدایت کی مثالیں چھوڑی ہیں جنکے مطالعہ اور ان پر فکر و تدبر کے بغیر مسلمانانِ عالم کسی دور میں بھی فلاح و کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں کمیت و کیفیت، یعنے ہر دو اعتبار سے سبق آموز ہیں مگر جو بات سب سے نمایاں ہے وہ فرضیت جہاد کا عالمگیر اصول ہے جس پر پوری طرح عمل کئے بغیر اُمتِ محمدیہ کے لئے آزاد اور اسلامی زندگی گزارنا ناممکن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو قریش مکہ نے اسی وقت سے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی زندہ نہ رہنے دینگے علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سیرت نبوی میں لکھتے ہیں: "قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن اُبی کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کو نکال دو ہم تمہارا استیصال کریں گے، لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی۔۔۔۔ تو بدر کے بعد انہوں نے یہود (مدینہ کے رہنے والوں) کو خط لکھا: تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ جات ہیں تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔"[1]

قریش کے اس فیصلے اور یہودیوں کی مسلمان دشمنی کے واقعات معروف ہیں۔ مسلمان تعداد میں نہایت ہی کم تھے اور دشمن کے مقابلہ میں ان کے وسائلِ جنگ کا تو کہیں شمار نہ تھا۔ اور کسی طرح کے تناسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی حصہ اوّل۔ طبع سوئم۔ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ ص ۳۶۹، ۳۷۰

اس کے باوجود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے عزم و استقلال، آپؐ کی انتظامی قابلیت اور آپؐ کی جنگی مہارت کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان قریش اور یہودیوں کے مقابلے کے قابل بن گئے۔ یہ جنگیں مسلمانوں کی طرف سے شروع نہیں کی گئی تھیں مگر جب ان پر بار بار زیادتی کی گئی اور ہجرت پر مجبور کرنے کے باوجود انہیں مدینہ منورہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا گیا تو مسلمانوں نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے دفاع و تحفظ کے لئے اللہ کی راہ میں قبضۂ شمشیر کو مضبوطی سے تھام لیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ قریش اور یہود تو کجا اس عہد کی دو طاقتور ترین مملکتیں گنتی کے مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ آج کے مسلمان اگر جہاد سے متعلق اللہ کے احکام کا دوبارہ بغور مطالعہ نہ کریں گے تو کوتاہ نظری کے مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ اور:۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے

کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

اقبالؒ

جہاد مسلمانوں پر فرض ہے مگر فرضیت جہاد سے جو بات سب سے پہلے سامنے آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کرۂ ارض کے تمام مسلمانوں کو یہ فرض ادا کرنا ہوتا ہے قرآن کے مخاطب صرف حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہٖ وسلم ہی نہیں تھے بلکہ اس کا مخاطب تو پورا عالمِ انسانی ہے:۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ — یہ بیان تمام انسانوں کے لئے ہے

اور اس بیان کو حضور سرورِ کائنات نے عالمِ انسانی تک بطورِ احسن پہنچا دیا اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ حضور تو بجا طور پر فرما سکتے تھے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ‏ اور ہمارے ذمہ صرف یہ ہے کہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں۔ ۳۶ : ۱۷

اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جہاد جب کبھی فرض ہوتا ہے تو وہ پورے کرۂ ارضی کے مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے تو پھر مسلمانانِ عالم کا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ایک ایسی تنظیم معرضِ وجود میں لائیں جو دنیائے اسلام کے ہر فرد کے لئے اس فرض کی ادائگی کو آسان بنا دے۔ اس کے برعکس اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جس قدر اس فرض کے ادا کرنے سے کوتاہی برتی ہے اتنی کسی اور فرض کے ادا کرنے سے نہیں برتی۔ شاید انسان کی ازلی کمزوری کو جانتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاد کو فرض کرتے وقت اس انسانی کمزوری سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ ارشاد ہوا تھا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ‏ تم پر جنگ کو فرض کر دیا گیا تھا

اور پھر

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ‏ اور وہ تمہیں ناپسند ہے

انسان کا پیدا کرنے والا ہی انسانی کمزوریوں سے پوری طرح واقف تھا اسی لئے اس نے فرضِ جہاد کو واضح الفاظ میں بیان کرنے کے فوراً بعد کہدیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کام انسانوں کو ناپسند ہے مگر ساتھ ہی اس ازلی اصول سے بھی آگاہ کر دیا۔

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ‏ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور تمہارے لئے وہ فائدہ مند ہو۔

وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئاً وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ — اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو۔

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ — اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۲ : ۲۱۶

جماعتوں کی فتنہ انگیزی اور ظلم و ستم کے متعلق مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے الفاظ قابل توجہ ہیں وہ "اجتماعی فتنہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :۔

"یہ قصاص کا قانون جس طرح افراد کے لئے ہے اسی طرح جماعتوں کے لئے بھی ہے جس طرح افراد سرکش ہو جاتے ہیں اسی طرح جماعتیں اور قومیں بھی سرکش ہوتی ہیں جس طرح افراد حرص و طمع سے مغلوب ہو کر اپنی حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اسی طرح جماعتوں اور قوموں میں بھی یہ اخلاقی مرض پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اسی لئے جس طرح افراد کو قابو میں رکھنے اور تعدی سے باز رکھنے کے لئے خونریزی ناگزیر ہوتی ہے اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی بڑھتی ہوئی حرص و طمع اور بڑھتی ہوئی بدکاری کو روکنے کے لئے جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ . . . . . " [1]

گزشتہ دو صدیوں میں جس طرح یورپی اقوام نے رنگ و نسل کی بناء پر افریقہ اور ایشیا کی اقوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا اور انہیں جانوروں سے بھی بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کئے رکھا اور اُدھر اپنے ممالک میں رنگین

---

[1] سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ الجہاد فی الاسلام۔ دفتر ترجمان القرآن، لاہور طبع دوم ۱۹۴۸ - ص ۲۳

قوموں کی محنت سے کمائی ہوئی دولت کے بل بوتے پر جس طرح گناہ وعصیاں اور بدکاری کو فروغ دیا اور یوں عدل و انصاف اور مساواتِ انسانی کے بنیادی اصولوں کو کھلے بندوں توڑا اس کا ایک ہی علاج تھا اور وہ تھا۔ اللہ کی راہ میں جہاد مگر جس امت کے پاس جہاد کا اصول موجود تھا وہ مدتوں سے اس سبق کو بھلا چکی تھی۔ قدرت نے یورپ کو سزا ضرور دی مگر اس میں مسلمانوں کا ہاتھ نہ تھا۔ اس لئے یورپ کی تباہی و بربادی اور اخلاق کے فقدان کے باوجود مسلمان ممالک اپنے نظامِ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل نہ بن سکے۔ اس لئے کہ انہیں اپنے نظامِ حیات کو رائج کرنے کی اہلیت کے پہلے قدم یعنے جہاد پر دل سے یقین مٹ چکا تھا۔

جہاد جس میں قوموں کا رازِ حیات مضمر ہے اس سے گریز کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ افراد تو شاید اس لئے اس سے پہلو تہی برتتے ہوں کہ جہاد (جنگ) میں حصہ لینے سے زخمی ہونے اور مرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ حکومتوں کو بھی جہاد اکثر و بیشتر ناپسند ہوا کرتا ہے۔ افراد کو جنگ کی صعوبتوں اور جنگ میں قتل ہونے کا خوف اس لئے ہوتا ہے کہ ان کا اللہ پر ایمان کمزور ہوتا ہے اور شاید غیر اسلامی معاشرہ جنگ کے دوران ناکارہ ہو جانے والوں اور جنگ کے دوران بیوہ ہو جانے والی عورتوں اور یتیم بچوں کی نگہداشت کے متعلق کوتاہی برتتا ہو۔ جہاں تک جہاد میں قتل ہو جانے کا تعلق ہے۔ اس کا ڈر مسلمان کو نہیں ہونا چاہیئے۔

موت سے کسی فردِ بشر کو مفر نہیں۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ	جہاں کہیں بھی تم ہو گے موت تم کو جا پکڑے گی
وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ	چاہے تم مضبوط برجوں میں ہو۔

۴ : ۷۸

اور جب موت اٹل ہے تو پھر عزت و آبرو کی موت کو ہر حال میں غلامی اور ذلت کی زندگی پر ترجیح ہونی چاہیے۔ اسی طرح جب اللہ کے عطا کردہ قانون پر زندگی ممکن نہ ہو تو پھر اس غیر منصفانہ ماحول کی نسبت جہاد کے ذریعہ زندگیٔ جاوید حاصل کرنا لاکھ درجہ بہتر ہے۔ اسی لئے اس دُنیا کی حیاتِ انسانی کی بے بضاعتی کا بار بار ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :۔

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ	کیا تم آخرت کے مقابلے میں دُنیا سے وابستہ ہو گئے ہو۔
فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ	آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی وقعت ہی کیا ہے سوائے اس کے کہ وہ تھوڑی سی ہے۔
۹ : ۳۸	

اسی مختصر سی زندگی کو ظلم و ستم روا رکھنے والے متاعِ عظیم سمجھنے لگ جاتے ہیں وہ استبداد کے ذریعہ ہر انسان کو اپنا مطیع بنانا چاہتے ہیں۔ یہ کمزوری افراد ہی نہیں پائی جاتی بلکہ قوموں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جب ظالم قومیں دوسری کمزور قوموں پر مسلط ہو جاتی ہیں تو ان کے ظلم و ستم کی انتہا نہیں رہتی اور وہ غرور و تکبر کی تمام حدود طے کر جاتی ہیں۔ ان ہی لوگوں سے کمزور انسان پناہ مانگا کرتے

ہیں اور ان ہی کے لئے آخرت میں عذاب بتایا گیا ہے :۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ — اور یقیناً الزام ان لوگوں پر ہے جنہوں نے انسانیت پر ظلم کیا۔

وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۴۲ : ۴۲ — اور دنیا میں شور اٹھائے ہوئے ناجائز پھرتے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن میں ذکر آیا ہے

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۲۷ : ۳۴ — جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تہہ وبالا کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں اور ایسی قوموں کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم پوری دنیائے اسلام کے لئے ہے۔ موجودہ زمانے میں ایک خطرناک غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں مسلمان مصنفوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جہاد دفاعی جنگ کو کہتے ہیں [1] ہمیں اس سے اختلاف ہے جہاد

---

[1] جیسا کہ مولانا مودودی لکھتے ہیں "اسلام کے وکلاء مخالفین سے مرعوب ہو کر خود بخود ملزموں کے کٹہرے میں جا کھڑے ہوتے ہیں اور مجرموں کی طرح صفائی پیش کرنے لگتے ہیں۔ بعض حضرات نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے مقدمے کو مضبوط بنانے کے لیے سرے سے اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین ہی میں ترمیم کر ڈالی اور شدت مرعوبیت میں جن جن چیزوں کو انہوں نے اپنے نزدیک خوفناک سمجھا۔ انہیں ریکارڈ پر سے بالکل غائب کر دیا تاکہ مخالفین کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔" الجہاد فی الاسلام۔ طبع دوم ۱۹۴۸ء۔ ص۔ ۹

کو کسی اور نام سے یاد کرنا بنیادی غلطی ہے خصوصاً جب یہ دوسرے نام اور یہ اصطلاحات غیر اسلامی ماحول اور دُور از اسلام معاشرے کی پیداوار ہوں۔ جہاد کی حقیقت، اس کا "فی سبیل اللہ" ہونا اور اس کے بنیادی اصولوں کے متعلق بعد کے صفحات میں روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ :-

جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اور اسی لئے

ہر مسلمان حکومت کا جہاد میں شرکت کرنا فرض ہے۔

یعنے جہاد انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں میں مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ فرض وہ اس وقت تک پورا نہیں کر سکتے جب تک وہ ایام امن میں ایسی تنظیم وجود میں نہ لے آئیں جس سے جہاد کا وقت آنے پر ہر فرد اور ہر اجتماعی وحدت یعنے ہر مسلمان ملک یا حکومت کو اس کا جائز حصہ نہ دیا جا سکے۔

پوری قوم کا دفاع ملک و ملت میں حصہ لینے کا خیال صدیوں بعد نئی دُنیا میں اس طرح پیش کیا گیا گویا یہ ان کی اپنی اختراع تھی اور جیسے پوری قوم پر انفرادی اور اجتماعی طور پر دفاع اور جنگ کی ذمہ داریاں ڈالنا ان کا اپنا پیدا کردہ نظریہ تھا۔[1]

---

[1] ایک یورپی مؤرخ اعتراف کرتا ہے کہ اہل یورپ مسلمانوں کے پیش کردہ خیالات کو اپنی تصانیف اور ایجادات کے طور پر دُنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ لکھتا ہے "وسطی دَور کا خاصا رہا ہے کہ جس کسی یورپی مصنف نے کسی عرب ایجاد کا ذکر کیا تو اس ایجاد کو اسی کے نام پر بتایا گیا"۔ رابرٹ بریفالٹ انسانیت کی تکمیل۔ ص ۱۲۸۔ بحوالہ احمد دین ازہر۔ تاریخ میں عیسائیت۔ مطبوعہ محمد اشرف۔ لاہور۔ ۱۹۶۸ء

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ایک قانون مجریہ ۱۷۹۰ء کے الفاظ قابلِ ملاحظہ ہیں "ہر سفید فام تندرست آزاد مرد . . . . . اٹھارہ سال سے زیادہ عمر اور پینتالیس سے کم عمر . . . . . انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں ملیشیا میں بھرتی کیا جائے گا . . . . . . " [۱]

ان چند الفاظ میں ایک سے زائد نکات قابل غور ہیں۔ اسلام نے ہر بالغ مرد پر جہاد فرض کیا تھا مگر یورپ سے گئے ہوئے امریکی ارباب فکر و نظر نے قومی جنگ میں شرکت کے لئے آزاد ہونا اور سفید فام ہونا شرط قرار دیا اور ملک کے باقیماندہ انسانوں کو اس فضیلت سے محروم رکھا۔ اسی لئے ہم دوسری جگہ اس بات پر زور دے چکے ہیں کہ ہر تہذیب میں قومی دفاع کے لئے شمشیر اُٹھانا، آزاد مردوں کے لئے باعث فخر و افتخار رہا ہے۔ اسلام میں تلوار صرف حق و صداقت کے تحفظ اور اللہ کے احکام کے مطابق اُٹھائی جا سکتی ہے اور یہ فریضہ ہر بالغ مسلمان پر عائد ہوتا ہے۔ دوسری طرف اجتماعی طور پر ہر مسلمان معاشرے پر یہ فرض عائد ہوتا ہے اور یوں انسانیت کے لئے فلاح و بہبود کی زندگی کی ضمانت میسر ہوتی ہے۔ دوسرا خیال جو نئی دُنیا نے اسلام کے فریضۂ جہاد سے مستعار لیا وہ انفرادی اور اجتماعی یعنی دونوں حیثیتوں سے قومی و ملکی دفاع کی ذمہ داری کا خیال ہے۔ اس موضوع پر تھامس جیفرسن کے الفاظ بھی قابل ذکر ہیں۔ اس نے جیمس منرو کو لکھا تھا "ہمیں

---

[۱] میک آرتھر، جنگ کے متعلق، جان مِن، لندن، ص ۱۵

چاہیئے کہ ہم اپنی پوری مردانہ آبادی کو فوجی تربیت دیں اور فوجی تربیت کو کالج کی تعلیم کا اہم جزو بنائیں"۔ [۱]

میک آرتھر خود بھی اس خیال کو اسی طرح کے الفاظ میں ظاہر کرتا ہے وہ کہتا ہے "اگر کسی قوم کو ایک ایسے طبقہ کی ضرورت پڑی ہے تو اب ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری قوم کے کروڑوں تربیت یافتہ اور پُرعزم آزاد مردوں کی قیادت کے لئے ایک طبقہ تیار کیا جائے۔ ہم ایسی کلی جنگ میں شامل ہو چکے ہیں جو انسانی تاریخ میں سخت ترین امتحان کا مقام رکھتی ہے"۔ [۲]

خیال رہے کہ کلی جنگ کا تصور نسل انسانی کو اسلام نے دیا۔ اگر دنیا نے پہلی بار کلی جنگ کا وجود دیکھا تو وہ اوائل اسلام کے جہاد کی شکل میں تھا صدیوں بعد یورپ اور امریکہ نے اسلام کے فیض یافتہ افراد کے خیالات سے استفادہ کرنے کے بعد اور قومی اور عوامی زندگی کا تصور محسوس کرنے کے بعد بادشاہوں اور شہنشاہوں کی جنگوں کو خیرباد کہہ کے قومی اور ملکی دفاع کے تصور کو اپنایا مگر حسب معمول ان خیالات کو اپنے مفکروں کے فکر و تدبر کی پیداوار بتایا۔

گوئٹے نے بھی انقلاب فرانس کے متعلق والمی کی لڑائی کے بعد کہا تھا "میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اس مقام اور اس روز سے دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب

---

[۱] ایضاً ص - ۱۶

[۲] ایضاً ص - ۱۹

کا اضافہ ہوتا ہے"۔[۱]

یہ اس نے صرف اس لئے کہا تھا کہ یورپ میں پہلی بار عوامی فوج وجود میں آرہی تھی اور قومی جنگوں کا آغاز ہو رہا تھا۔ عین اسی طرح کی قومی جنگوں کا آغاز جن کی مثال ساڑھے بارہ سو سال قبل اسلام نے پیش کی تھی مگر یورپ بارہ صدیوں کے عرصہ کے بعد بھی اپنی جنگوں میں عدل و انصاف اور عزت نفس کے وہ عناصر شامل نہ کر سکا جو مسلمانوں نے مثال کے طور پر ورثے میں چھوڑے تھے۔ فاش اس نئے باب کی تفصیل پیش کرتے ہوئے اور فرانس کے انقلاب کے اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے "بادشاہوں کی جنگیں ختم ہو چکی تھیں اور اب عوام کی جنگوں کا آغاز ہو رہا تھا"۔[۲] اگر فاش نے تاریخ کا مطالعہ مقامی دینی اور قومی تعصبات سے بلند ہو کر کیا ہوتا تو وہ عوامی اور قومی جنگوں کا نکتۂ آغاز انقلاب فرانس کو نہ بتاتا بلکہ فوجی اور عوامی جنگوں کے علاوہ قومی اور عوامی زندگی کے ہر پہلو کا نکتۂ آغاز اسلام کو بتاتا۔

یہ غلطی فاش سے پہلے کلازوٹز بھی کر چکا تھا۔ اس نے بھی کہا تھا۔ "انقلاب فرانس نے سیاست اور جنگ کو ایک نیا رنگ دیا تھا۔[۳] کلازوٹز ایک اور جگہ کہتا ہے۔"یورپ میں عوامی جنگ بیسویں صدی کی پیداوار

---

[۱] فاش ص ۱۰

[۲] فاش ایضاً ص ۱۰

[۳] فاش ایضاً ص ۱۰

ہے "[1] یہاں لفظ یورپ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلامی جنگوں سے واقف تھا کلازوٹز اور فاش بھول چکے تھے کہ ترکوں نے مشرقی یورپ کے راستے اور عربوں نے ہسپانیہ، اٹلی اور فرانس کے راستے یورپ کو علم و فن کے علاوہ آزاد زندگی کے اصولوں سے روشناس کرایا تھا۔ اگر ترکوں کے ذریعہ مشرقی یورپ تاریکی وگمرہی سے آزادی حاصل نہ کرتا تو دُنیا لوتھر کے نام سے آشنا نہ ہوئی ہوتی اور نہ ہی یورپ نشاۃ ثانیہ کے روشنی سے فیض حاصل کر سکتا۔

یورپ کے اس نئے تصور میں بھی عالم انسانی کا تصور پیدا نہ ہو سکا اور نہ ہی قیام عدل و انصاف کا عنصر شامل ہوا۔ اس لئے کہ وہ اسلام کا نظریہ نہ سمجھ سکے۔ جہاد جن موقعوں پر عالم اسلامی پر فرض ہو جاتا ہے۔ ان کا ذکر اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن حکیم میں پوری تفصیل سے کر دیا ہے ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:-

قَاتِلُوْا   جنگ کرو

خیال رہے کہ جہاد کا حکم ہے۔ اجازت کا شائبہ تک نہیں۔ اجازت اور حکم میں بعد مشرقین ہے۔ نہ معلوم عصر حاضرہ کے مسلمانوں نے یہ خیال کہاں سے لیا ہے کہ جب مسلمانوں پر حملہ ہو تو انہیں ہتھیار بند ہونے کی اجازت ہے۔ قرآن حکیم تو حکم دیتا ہے کہ جنگ کرو اور اس جنگ کی نوعیت بھی اللہ تعالےٰ واضح فرما دیتے ہیں۔

---

[1] کلاوٹز، جنگ کے متعلق۔ انگریزی ترجمہ کرنل گراہم مطبوعہ روٹلیج اور کیگن پال، لندن ۱۹۴۹ء جلد دوم ص ۱۴۳ (پہلی بار ۱۸۳۲ء جرمنی میں طبع کی گئی)

فِی سَبِیلِ اللّٰہِ — اللہ کی راہ میں

اَلَّذِینَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ — ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

۲ : ۱۹۰

یعنے اے مسلمانو! اے دُنیائے اسلام، اے اللہ پر ایمان لانے والو اور اللہ کو خالق، مالک اور رازق کہنے والو جو کوئی اور جب کوئی تم پر یعنے مسلمانوں پر حملہ کرے تو ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم یعنے کرۂ ارضی کے مسلمان اس کے ساتھ جنگ کرو۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب متحدہ یورپ ارضِ مقدس پر پے بہ پے حملے کر رہا تھا تو ارضِ مقدس کے چند حکمرانوں کے سوا باقی دُنیائے اسلام سو رہی تھی۔ انہیں یہ احساس تک نہ تھا کہ جس جہاد میں ارضِ مقدس کے چند مسلمان متحدہ یورپ کے حملوں کا مقابلہ کر رہے تھے وہ جہاد ان پر بھی فرض تھا۔ صلیبی جنگیں جن کی ایک طرف پاپائے روم اپنی پوری طاقت سے طرفداری کر رہا تھا۔ اور جن میں شرکت پر پورا یورپ فخر کر رہا تھا۔ ان کے متعلق دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پوری دُنیائے اسلام غیر جانبداری سے کام لے رہی تھی۔ یورپ کا مصنف صلیبی جنگوں کے متعلق لکھتا ہے: "صرف پوپ کے لئے ہی یہ ممکن تھا کہ ان دیوریپی) جنگجو اور خود غرض امراء کو باہمی تنازعات ختم کرنے پر رضامند کر سکتا اور انہیں متحد ہو کر حضرت عیسٰی کے مدفن کی سرزمین کو کافروں سے آزاد کرواتا۔"[1] مگر دنیائے اسلام کو اپنی عیاشانہ زندگی سے فرصت ہی نہ مل سکی کہ وہ اپنے فرائض کی طرف توجہ کرتی۔ حالانکہ عیسائی دُنیا کے لئے ارضِ مقدس کو حاصل

---

[1] صلیبی جنگوں کی کہانی۔ عربوں اور ان کے تمدن کی تاریخ مؤلفہ رستم اور زریک امریکی یونیورسٹی۔ بیروت امریکی پریس، بیروت ۱۹۴۰ء ص ۲۶۸

کرنے کے لئے کوئی جواز موجود نہ تھا اس کے باوجود اُنھوں نے متحد ہونے کے لئے پاپائے روم کی دعوت پر لبیک کہا اور جنگ کی صعوبتوں کے مقابلے کے لئے نِکل کھڑے ہوئے۔ حالانکہ یہی مصنّف کہتا ہے[1] "یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ صلیبی جنگوں میں شمولیت کا مقصد دین کی نسبت دنیوی فوائد کا حصول زیادہ تھا"[1]

۱۰۹۶ء کے موسم گرما میں صلیبی فوج نے ارض مقدس کا رخ کیا۔ اس فوج میں یورپ کے اکثر ممالک کے افراد شامل تھے۔ ۱۰۹۸ء میں شام کے بہت سے مقامات صلیبیوں کے ہاتھ میں آچکے تھے اور بالآخر ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو بیت المقدس بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا گیا۔ اسی یورپی عیسائی مصنّف کے الفاظ میں "کشت و خون کا غیر معمولی بازار گرم ہوا۔ مرد عورتیں اور بچے نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کئے گئے۔ گلیوں میں ہر طرف خون بہہ رہا تھا اور جب ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہا تو ان بے رحم سپاہیوں نے اپنے کپڑوں سے گرد اور خون کو جھاڑا اور عیسیٰ کے گرجا میں شکرانہ بجالانے کے لئے دوزانو ہو گئے۔"[2]

یہ وہی بیت المقدس تھا جس کی فتح کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اہالیانِ کو امن و امان دیا تھا۔ قتل و غارت اور خون کی ندیاں تو کجا حضرت عمرؓ نے بطریق کے کہنے کے باوجود کلیسا میں نماز اس لئے ادا نہ کی

---

[1] صلیبی جنگوں کی کہانی۔ عربوں اور ان کے تمدن کی تاریخ۔ مؤلفہ رستم اور زریک۔ امریکی یونیورسٹی۔ بیروت امریکی پریس۔ بیروت ۱۹۴۰ء ص ۲۸۷

[2] ایضاً ص ۲۷۳

کہ کہیں بعد کے مسلمان کلیسا کو عیسائیوں سے لے کر مسجد میں نہ تبدیل کر دیں۔ مگر جب دینِ عیسیٰ کے پیروؤں نے پاپائے رُوم کی دعوت پر اسے واپس لیا تو اسی بیت المقدس کی گلیوں میں مسلمانوں کے خون سے دلدل بن گئی۔ یہ خون ہرگز نہ بہایا جا سکتا اگر مسلمان ممالک کے فرمانروا فریضۂ جہاد کو ادا کرنے کا ارادہ کر لیتے۔ ان کو کافی مہلت تھی کہ وہ ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف مراکش اور اندلس سے چل کر ارضِ مقدس پہنچتے اور جس خُدا کی بندگی کا انہیں دعویٰ تھا۔ اس خُدا کے احکام پر دست شمشیر زن کو حرکت میں لاتے۔ جب فرانس، پرتگال اور انگلستان کے باشندے اس مسافت کو طے کر کے ارضِ مقدس میں ظلم و ستم ڈھا سکتے تھے تو ہمیں یقین ہے کہ اگر مسلمان چاہتے تو وہ بھی ہندوستان افغانستان، ماورالنہر، ایران، مصر، اور مراکش سے چل کر عدل و انصاف کے قیام کے لئے اپنا فرضِ منصبی پورا کر سکتے تھے۔ مگر یہ اس لئے نہ ہو سکا کہ ہم فریضۂ جہاد کی اہمیت اور نوعیت کو نہ سمجھ سکے یا اسے سمجھنے سے کسی وجہ سے اغماض برتا۔

جب اندلس سے مسلمان نکالے جا رہے تھے اس وقت باقی دنیائے اسلام کو شاید یہ علم ہی نہ تھا کہ اندلس کے مسلمانوں پر کون سی مصیبت آئی ہوئی تھی۔ وہ مصیبت جو صرف اس لئے آئی تھی کہ وہ اللہ کو ماننے کا اقرار تو کرتے تھے مگر اللہ کے احکام سے روگردانی کرنے میں تامل نہ ہوتا تھا۔

جب اندلس مسلمانوں کے ہاتھوں سے جا رہا تھا اس وقت مسلمان نادار نہ تھے مگر فتح و شکست دنیوی طاقت یا ناداری پر موقوف نہیں ہوتی بلکہ عوام ان میں

کے کردار واخلاق پر منحصر ہوتی ہے۔ اندلس کے آخری ایام میں اخلاق و کردار کی یہ حالت تھی کہ "سلطان یوسف کے چار بیٹے یوسف، محمدؐ، علی اور احمد نامی تھے ان سب میں محمد لائق اور ہوشیار لیکن نافرمان تھا۔ ہوس سلطنت نے اس کو ایسا بیقرار کیا کہ اپنے باپ اور بھائی دونوں سے باغی ہوگیا اور مشہور کیا کہ سلطان نے جو یہ صلح کل برتاؤ دشمنانِ اسلام سے رکھا ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب کی طرف دل سے راغب ہے اور اس کے اختیار کرنے کے لئے صرف وقت کا منتظر ہے . . . . نوبت بایںجا رسید کہ ایک روز باغیوں نے قصر الحمراء کو گھیر لیا . . . . "[1]

جن قوموں کے عوام الناس تو کجا خواص کا یہ کردار ہو تو ان کی آزاد زندگی کے دن اختتام کے قریب پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں ایک ملک کی مدد کے لئے دوسرے ملک کا آنا تو کجا بھائی اپنے بھائی کی مدد کو نہیں پہنچتا۔ دنیائے اسلام جہاد کے فرائض اس لئے انجام دینے کے قابل نہ تھی کہ وہ احکام الٰہی پر کاربند نہ تھی۔ جہاد کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا بھی جذباتی عمل نہیں بلکہ ایک خاص ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ یہ ماحول اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک ملت کا سوادِ اعظم اسلام کے عطا کردہ نظامِ حیات کے مطابق پوری طرح زندگی نہ بسر کرے۔

---

[1] نواب ذوالقدر جنگ، خلافت اندلس، مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی۔ حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء۔ ص ۔ ۲۷۵

اندلس کے چلے جانے سے یوں سمجھئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک براعظم بلکہ ایک دنیا چلی گئی۔ مسلمانوں کے جن اعمال نے انہیں اندلس سے نکالا تھا ان اعمال نے انہیں دُنیا کے باقی ماندہ حصوں میں بھی کمزور کر دیا تھا۔ بہت جلد وہ زمانہ آگیا جب مسلمان آپس کی جنگوں کی وجہ سے کمزور ہونا شروع ہو گئے۔ اس دَور میں ان کے ہاتھ سے سبھی کچھ جاتا رہا۔ کریمیا، شمالی آفریقہ۔ وسطی و غربی افریقہ، مشرقی آفریقہ، ماوراالنہر اور بالآخر ہندوستان، ملایا اور جاوا سماٹرا غرضیکہ پوری دنیائے اسلام غیر مسلموں کے احکام کے تحت آگئی۔ وہ مسلمان جو اپنی فقہ سے باہر کے مسلمانوں کو بعض اوقات دائرہِ اسلام سے بھی خارج کرنے پر اتر آتا تھا اور اتر آتا ہے اس نے غیر اسلامی قوانین کی تابعداری کی بلکہ ایسے مسلمان بھی پیدا ہوئے جنہوں نے

وَ اُولِی الامرِ مِنکُم — اور اپنے میں سے اصحاب امر (کا حکم مانو)

کی تفسیر میں عیسائی بادشاہوں اور حکومتوں کو بھی شامل کیا۔ اور ان غیر مسلم حاکموں کے احکام کو ماننا عین اسلامی فرض قرار دیا۔

اگر دنیائے اسلام کے مسلمان مختلف ادوار میں

قَاتِلُوا — (تم سب) جنگ کرو

فِی سَبِیلِ اللہِ — اللہ کی راہ میں

الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُم — اُن سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں

کے خطاب میں تمام ایمان لانے والوں کو شامل رکھتے تو انہیں یہ دن دیکھنے نہ آتے۔ دُنیائے اسلام نے اس صدی میں وہ منحوس جنگ بھی دیکھی جب برِصغیر

ہندوستان کے مسلمان تو کجا خود عرب کے رہنے والوں نے خلیفۂ وقت کے خلاف صلیبی علَم کے سائے میں جنگ کی[۱] مورخ لکھتا ہے :-

"غروب آفتاب کے وقت عودہ نے پچاس سوار اکٹھے کئے اور دو سو گز سے ترکوں پر ہلہ بول دیا۔ ترک بھاگ کھڑے ہوئے اور باقی عرب بھی اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر شامل ہو گئے۔ پانچ ہی منٹ میں لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ کپتان لارنس نے میدان میں تین سو ترکوں کی لاشیں گنیں . . . . [۲] مگر مسلمان عربوں کا مسلمان ترکوں کے خلاف صلیبی علَم کے نیچے رزم آرا ہونے کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا نتیجہ کیا نکلنا تھا۔ اپنے آپ کو مارنے کا فعل خودکشی کہلاتا ہے۔ عربوں نے بھی ترکوں کے خلاف بغاوت کے ذریعہ خودکشی کی تھی[۳] اور آج تک اس داغ کو نہیں دھو سکے اور نہ معلوم ابھی کتنا خونبہا باقی ہے تاکہ ترک مقتولین کا قصاص پورا ہو اور عرب سرزمین کو عیسائی اور یہودی طاقتوں کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلایا جا سکے۔

مغربی مورخوں نے جنرل ایلن بی کو کامیاب ترین صلیبی سپہ سالار کہا ہے اگر یہ جنگ دنیا کی صلیبی جنگ تھی تو پھر تعجب اس بات پر ہے کہ حرمین مقدس کا خدمتگار امیر جسے اپنے دین اور اپنے خون پر فخر تھا اس کا بیٹا مسلمان جوانوں

---

[۱] پہلی عالمی جنگ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک

[۲] جنگ کی سرکاری تاریخ (برطانوی) مصر اور فلسطین کی مہمیں۔ جلد اوّل ص ۲۳۰

[۳] پہلی عالمی جس میں شریف مکہ نے انگریزوں کے ساتھ مل کر ترکوں کے خلاف جنگ کی۔

کو رے کر اس عظیم اور کامیاب ترین صلیبی سپہ سالار کے عَلَم کے سائے میں اس عہد کی واحد آزاد اسلامی حکومت کے خلاف جنگ آزما ہوا اور اسے شکست دلوا کر عیسائی بادشاہوں سے امارت کی بھیک مانگنے میں فخر محسوس کیا۔ ......

.... مگر اس امارت اور بادشاہی کی بھیک جس محنت اور وقت سے اسے ملی اس سے دنیا آگاہ ہے اور اس کا انجام یہ ہوا کہ عیسائی دُنیا نے آج بھی یہودی قوم کو اپنے جانشین کے طور پر ارضِ مقدس پر مسلط کر رکھا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

۱۹۴۷ء میں برصغیر پاکستان وہندوستان کو تقسیم کیا گیا۔ اس وقت جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے گئے ان کی مثال دنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ تقسیم سے کچھ قبل ۱۹۴۶ء میں جب برطانوی حکومت کا مدھم سا سایہ ابھی موجود تھا اور برطانوی سنگینیں ابھی برائے نام موجود تھیں۔ اس وقت ہندو وزراء کے پیدا کردہ حالات کا نقشہ برطانوی جرنیل ان الفاظ میں پیش کرتا ہے "تقریباً ہر مسلمان مرد، عورت اور بچے کو نہایت سفاکانہ طور پر قتل کر دیا گیا۔ ظلم کی انتہا یہ تھی کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دئے گئے تھے، ان کے پیٹ سے بچے نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور ان کے سروں کو دیواروں اور پتھروں سے ٹکرا کر پاش پاش کر دیا تھا۔ عورتوں کی بے عصمتی کے واقعات کی انتہا نہ تھی۔ عورتوں اور بچوں کو یہ شیطان سیرت انسان ٹانگوں سے پکڑ کر چیر رہے تھے اور ان قاتلوں کی عورتیں پاس کھڑی ہوئی قہقہے لگا رہی تھیں۔ بالآخر اس قتل وغارت کا

اس لئے خاتمہ ہوا کہ اب کوئی مسلمان مرد، عورت یا بچہ باقی نہیں بچا تھا۔ اکثر قتل ہو چکے تھے اور چند ایک بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سنیئر سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سبھی ہندو تھے[1]۔ اس وقت دنیا میں دس کے قریب مسلمانوں کی خودمختار حکومتیں قائم تھیں۔ ہمارے علم میں کسی ایک مسلمان حکومت نے بھی ہندو کانگریس حکومت کو شکایت تک نہ کی۔ بلکہ جب دوسرے ہی سال پاکستان کی حکومت وجود میں آئی تو دنیا کی لاتعداد حکومتوں میں ایک مسلمان ملک کو گمرہی کا یہ فخر بھی حاصل ہوا کہ آزاد مسلمان حکومت کے اقوام متحدہ میں شامل ہونے کے سوال پر مخالفت کرے۔

یہ باتیں ہرگز نہ ہوتیں اور مسلمان اقوام دنیا میں ہرگز ذلیل نہ ہوتیں اگر انہوں نے جہاد سے متعلق احکام پر عمل کیا ہوتا۔

تمام عالم اسلامی کے لئے متحد ہو کر جہاد کرنے کے حکم سے متعلق ایک اور آیت کے الفاظ یہ ہیں :-

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً	اور کافروں سے مجموعی طور پر جنگ کرو
كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً	جس طرح وہ مجموعی طور پر تم لوگوں سے جنگ کرتے ہیں۔

---

[1] لفٹننٹ جنرل سر فرانسس ٹکر۔ جب تک یادیں محفوظ ہیں۔ کیسل اینڈ کمپنی لندن ۱۹۵۰ء ص ۱۹۸۔ دفاع پاکستان کی لازوال داستان۔ ص ۵۹ بھی ملاحظہ ہو۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ٥ — اور جان لو کے اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

۹ : ۳۶

(جو اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے میدانِ جہاد میں مل کر شمولیت کرتے ہیں)

تاریخ شاہد ہے کہ کافروں نے ہر دور میں مل کر اور ہر حال میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ کچھ پرانی نہیں اور اگر وقت کے اعتبار سے پرانی بھی ہو تو اہلِ یورپ اور امریکہ نے ابھی صلیبی جنگوں کو نہیں بھلایا۔ حالانکہ ان جنگوں میں اہلِ یورپ حملہ آور ہوا کرتے تھے مگر انہیں پے بہ پے جو شکستیں ہوا کرتی تھیں ان کا رنج آج دنیائے اسلام میں ایک صدی سے زائد عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد بھی ان کے دلوں میں موجود ہے۔ ہندو مذہب کا عیسائی مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے باوجود عیسائی حکومتیں مسلمانوں کے خلاف ہندو قوم کو ہر موقع پر مدد دیتی رہی ہیں۔ اہلِ کلیسا اور اہلِ ہند میں صرف ایک بات مشترک ہے اور وہ اسلام دشمنی ہے۔ یہ آج کی بات نہیں اور نہ صرف پاکستان پر ۱۹۶۵ء کے ہندوستانی حملے تک محدود ہے یہ پرانی بات ہے اللہ کا کلام جب کہتا ہے۔

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً — جس طرح وہ مجموعی طور پر تم لوگوں سے جنگ کرتے ہیں۔

تو وہ صرف اوائل اسلام یا عہدِ نبوی تک کے حالات ہی محدود نہیں۔

قرآن حکیم تا قیامت مسلمانوں کے لئے ہدایت اور مشعل راہ ہے۔ اگر کافروں کا رویہ تا قیامت یوں نہ ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے الفاظ کچھ اور ہوتے۔ پندرہویں صدی عیسوی کے حالات کے مطابق ایک ہندو مصنف کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہ ہندو راجاؤں اور پرتگالی تاجروں کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ وجیا نگر کے شہنشاہوں کا مسلمانوں کے خلاف جذبہ اتنا ہی شدید تھا جتنا کہ پرتگالیوں کا تھا۔ وجیانگر اور پرتگالیوں کے لئے اسلام یکساں طور پر دشمن تھا"[1]

کفار کا مسلمانوں پر مل کر حملہ کرنے کا دستور نیا نہیں پرانا ہے صلیبی جنگوں کی مثال معروف ہے۔ اس دور کی مثالیں بھی کچھ کم اہم نہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندو اور سکھ راجاؤں اور زمینداروں کا انگریز کی مدد کو آنا اسی قسم کا مل کر جنگ کرنا تھا۔ غالب اس دور کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے "فلک مرتبہ مریخ حشم راجہ نرندر سنگھ بہادر فرمانروائے پٹیالہ اس جنگ میں انگریز فاتحین کے ساتھ ہیں"[2] ہندوؤں اور سکھوں کی انگریز دوستی اس طرح رنگ لائی کہ انہیں اسی وقت سے عہدے اور جاگیریں عطا ہونا شروع ہو گئیں۔ غالب نے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتا ہے "جنوری ۱۸۵۸ء

---

[1] پانیکر۔ ایشیا اور مغربی تسلط۔ جارج ایلن اور اَنون لمیٹڈ ۱۹۵۹ء) ص - ۳۱
دفاع پاکستان کی لازوال داستان۔ ص - ۳۵

[2] دستنبو۔ افکار کراچی۔ غالب نمبر ۱۹۶۹۔ ص - ۲۹۳

کے آغاز میں ہندوؤں کو فرمانِ آزادی مل گیا ہے اور شہر میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی ہے۔ یہ لوگ (ہندو) جہاں جہاں تھے شہر کی طرف چل پڑے۔ خانماں برباد مسلمانوں کے گھروں میں (خالی پڑے رہنے کے سبب سے) سبزہ اس قدر اُگ آیا ہے کہ در و دیوار سبز ہیں۔ ہر لمحہ سبزۂ دیوار کی زبان سے یہ صدا آتی ہے کہ مسلمانوں کی جگہ خالی ہے"۔[۱] ایک انگریز مصنّف لکھتا ہے "مہاراجہ جنگ بہادر جو نیپال کا حقیقی حکمران ہے اس نے گورکھا قوم کے عام جنگی وسائل لارڈ کیننگ کے قدموں میں رکھ دیے ہیں۔ اس تاریکی میں جو واحد روشنی کی کرن تھی وہ شمال کی جانب پنجاب میں تھی"۔[۲] حال ہی میں اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا جس کے دوران فرانس اور برطانیہ ظاہرا طور پر شامل نہ تھے۔ البتہ ایک یورپی مصنّف اس لڑائی کے خفیہ راز بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"فرانسیسی بحری جہاز کرسیٹ، جس کی موجودگی کا وہم و گمان بھی نہ تھا اس نے اسرائیل کی پہلی فتح میں حصّہ لیا۔ جس میں مصری جہاز الاوّل، حیفہ کی بندرگاہ کے باہر پکڑا گیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ جونہی اسرائیلی جرنیل موشے دایان نے حملہ کیا فرانس کے ہوائی جہازوں نے اس حملے کے عقب میں آسمان پر حفاظتی چھتری پھیلا دی ۔ ۔ ۔ یہ فرانسیسی بحری جہاز جیارنج گیلس کی توپیں ہی تھیں جنہوں نے رافا

---

[۱] ایضاً ص ۳۰۵

[۲] کپتان ہیڈرک۔ ہندوستان کا غدر ۱۸۵۷ء فاسٹر گرین اینڈ کمپنی۔ لندن۔ ۱۹۲۰ء ص - ۵۱

کے دفاع کے ٹکڑے اڑا دئے ۔۔۔۔۔“[1]

اور پھر

”فرانسیسی مائن سویپر فرانس کے بیڑے سے ۲۴ گھنٹے کی مسافت آگے ہے اور انگریزوں کے بحری بیڑے سے اٹھارہ گھنٹے کی مسافت آگے تھا“

یہ الفاظ ایک فرانسیسی امیرالبحر کے تھے[2]

ان واقعات کی بہتات کے باوجود اگر مسلمان اس آیت کے الفاظ

كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً جیسے وہ مجموعی طور پر تم سے جنگ کرتے ہیں۔

پڑھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ مجوب سے محسوس کرتے ہیں اور طرح طرح کی تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ چونکہ نبویؐ دور میں کفار مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس لئے یہ حکم اس زمانے کے لئے تھا۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور قرآنِ حکیم کے احکام اُس دور کے حالات کے مطابق تھے مگر اس کے یہ معنے تو نہیں کہ احکام قرآنی صرف اُس دَور کے لئے تھے اور پھر یہ احکام منسوخ کر دئے گئے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن کی قانونی حیثیت غیر دائمی ہے۔ وہ حقیقتاً قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان خیالات کی وجہ یہ

---

[1] میری اور سرج برام برگر۔ سویز کے خفیہ راز۔ ترجمہ جیمس کیمرن۔ پین بک لمیٹڈ لندن ۱۹۵۷ء ص۔ ۱۱

[2] ایضاً۔ ص۔ ۷۶

ہے کہ ایسے مسلمان ذہنی طور پر مغرب کی غلامی کو قبول کر چکے ہیں۔

کفار نے ہمیشہ مسلمانوں کے مخالفت کی ہے اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف جنگ آزما ہوتے رہیں گے۔ کفار کے فتنہ سے بچنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ دنیائے اسلام متحد ہو کر کفارِ عالم کے مقابلہ پر اتر آئیں اور احکام خداوندی پر کما حقہٗ عمل کریں۔ اگر انہوں نے یوں نہ کیا تو پھر ان کی جگہ کسی اور قوم کو دیدی جائے گی [۱] جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا — اگر تم (میدان جنگ کی طرف اپنی فوجوں کے ساتھ) کوچ نہیں کروگے۔

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ — تو تم پر بہت بڑا عذاب ڈالا جائے گا

وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ — اور تمہاری جگہ تمہارے علاوہ دوسری قوم کو دے دی جائے گی۔[۱]

(اگر ہم اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم پر واضح ہوگا کہ ہم پر یہ عذاب بار بار نازل ہوا مگر ہم اپنی گمرہی میں اسلام سے ایسے دُور نکل چکے ہیں کہ ہمیں اپنی ذلت تک کا احساس اور اس عذاب کی وجہ کا احساس تک نہیں ہوتا)

---

[۱] اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ واقعاً مسلمانوں کی جگہ دوسری قوموں کو دی جا چکی ہے اگر ہم احساسِ تباہی بھی کھو چکے ہوں تو اس کا کیا علاج

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(اقبالؒ)

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ   اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

۹ : ۳۹

جس جس طرح ہم پر "بہت بڑا عذاب" نازل کیا گیا اس کے نتائج تو ہم آج بھی دیکھ رہے ہیں البتہ اس کی نوعیت اور اس کی تفاصیل ہم سے اکثر و بیشتر پوشیدہ رہی ہیں۔ مثلاً ہم میں کتنے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ جب ہمارے بادشاہوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام یورپ ہمارے سمندروں پر چھا گئیں تو انہوں نے ہم پر کون کون سے مظالم ڈھائے اور کس طرح ہمارے کروڑوں باشندوں کے لئے سفر حج بھی قریب قریب ناممکن بنا دیا۔ ہم صرف ایک کتاب سے چند اقتباسات یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ ہماری حکم عدولیوں کی وجہ سے جو عذاب ہم پر نازل کئے گئے ان کی نوعیت کا اندازہ کیا جا سکے "مشرقی سمندروں میں بحری قزاقی" کا مصنف لکھتا ہے :-

"ان دنوں بحری قزاقی کو جائز پیشہ تصور کیا جاتا تھا[۱] اور خصوصاً اس اصول کے مطابق کہ انجام اگر نیک ہو تو ذرائع بھی نیک بن جاتے ہیں۔ خصوصاً جب مشرقی سمندروں میں کافروں (مسلمانوں) کے خلاف بحری قزاقی کی جاتی تھی تو اسے جائز سمجھا جاتا تھا[۲] ان قزاقوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے :-

---

[۱] یہ خیال [illegible] یورپ اور امریکہ میں رائج تھا۔ اس تحریر کے دوسرے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ [illegible] نیک ہو تو ذرائع بھی نیک بن جاتے ہیں" یہ یورپی عیسائیت کا عقیدہ ہے جسے صداقت سے کوئی تعلق نہیں۔

[۲] چارلس گرے۔ مشرقی سمندروں میں بحری قزاقی۔ سمپسن لو مارسٹن کمپنی۔ لندن ۱۹۳۳ء ص ۹

"قزاقوں کے یہ جہاز دو اقسام کے تھے۔ اولاً وہ جو براہ راست امریکہ سے آتے تھے اور دوم وہ جو تجارتی جہاز ہوتے تھے مگر مڈغاسکر میں مقیم قزاق انہیں پکڑ کر اپنے استعمال میں لے آتے تھے۔ البتہ دونوں اقسام کے جہاز مسلمانوں کے جہازوں کے خلاف استعمال ہوتے تھے جو ہندوستان اور جدہ اور موچا کے درمیان تجارت کرتے تھے۔ سب سے نفع بخش حاجیوں کے جہاز تھے جن سے نہایت سودمند لوٹ حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے کہ تجارتی سامان کے علاوہ ان میں امیر مسافر بھی ہوتے تھے۔۔۔۔۔"

یہ بحری قزاق اتفاقیہ قزاق نہیں بنتے تھے بلکہ مسلمانوں کی تجارت کو تباہ کرنے کے لئے یورپ کے حکمران خاص طور پر قزاق جہاز تیار کرواتے تھے۔ اس مصنف کے الفاظ ہیں :۔

"البتہ باقاعدہ قزاقوں کے دور سے قبل بھی مشرقی سمندر یورپی جہازوں اور آزاد بحری قزاقوں کے لئے نہایت عمدہ شکارگاہ کا مقام رکھتے تھے۔ جو جہاز قزاقی کے لئے بادشاہ چارلس۔ کارڈینیل رچلو، سان مالو اور لاادریان کے فرانسیسی تاجروں اور لندن کے بعض تاجروں نے اس نفع بخش تجارت کے لئے تیار کرواتے تھے ان کو بہت کامیابی حاصل ہوتی تھی۔۔۔۔"[1]

یورپی بادشاہوں، لاٹ پادریوں اور تاجروں نے قزاقی کے لئے جہاز اس لئے بھی روانہ کئے تھے کہ وہ مسلمان تاجروں کے ساتھ آزادانہ تجارت میں مقابلہ

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۲

بکر سکتے تھے۔ قزاقوں کے ذریعہ مسلمانوں کی تجارت کو تباہ کرکے وہ مشرقی سمندروں کی پوری تجارت کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے تھے۔ قزاقی سے جو منافع ہوتا تھا وہ "آم کے آم گٹھلیوں کے دام" کے مطابق مستزاد تھا۔ یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"منافع بہت زیادہ ہوتا تھا۔ ہیوگو لیمبرٹ کے متعلق کچہری کے اندراجات میں مذکور ہے کہ وہ ساڑھے تین ٹن سونا لے کر گیا تھا۔"[۱] پھر کہتا ہے "بعد کے قزاقوں کو بھی کافی منافع ہوتا رہا۔ جہاز کے عملے کے متعلق فی کس ساڑھے تین ہزار پاؤنڈ بانٹنے کا ذکر بھی ہے اور کم سے کم فی آدمی ایک سفر کے لئے پانچ سو پاؤنڈ حصّہ تحریر میں آیا ہے۔ ایک جگہ دو جہازوں کا ذکر ہے کہ جب وہ نیویارک پہنچے تو دونوں کے درمیان دو لاکھ چالیس ہزار پاؤنڈ آمدنی حاصل ہوئی۔۔۔۔"[۲]

قزاقوں کے ایک جہاز کے کپتان کے ذکر کے تحت لکھتا ہے:۔

"اس کے بال مالاباری ہندوستانیوں کی طرح کالے تھے۔ اس وجہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کپتان ایوری (ماقبل کا قزاق کپتان) کا مسلمان لڑکی کے بطن سے بیٹا ہے۔ یہ مسلمان لڑکی عظیم مغل کے جہاز سے لوٹی گئی تھی جس میں بادشاہ کی لڑکی سوار تھی۔ یہ شاید درست بھی ہو گا۔ اس لئے کہ وہ ماں کو بھول چکا تھا البتہ یہ کہتا تھا کہ اس نے ایک کالی عورت کا دودھ پیا ہے۔۔۔۔"[۳]

---

[۱] ایضاً ص ۱۲

[۲] ایضاً ص ۱۳

[۳] ایضاً ص ۶۶

ایک فرانسیسی قزاق مِسَن کے حالات کے تحت یہی مصنّف لکھتا ہے:-

"بحیرہ احمر میں جہاز رانی کے دوران مسلمانوں کے بہت سے جہاز پکڑے گئے۔ ان کے عملے اور مسافروں کے ساتھ نہایت بے رحمی کا سلوک کیا گیا۔ ان کے ناک، کان اور انگلیاں کاٹ دی گئیں تاکہ وہ اپنی چھپائی ہوئی دولت نکال دیں۔ اور اگر وہ ضد کرتے تو انہیں مار ڈالا جاتا" [1]

ایک اور قزاق کے کارناموں کے ذکر کے تحت اس وقت کے کاغذات کے اندراجات یہ ہیں:-

"ان ظالموں نے ناخدا کو اور تاجروں کو سخت ایذا پہنچائی۔ ان کے متعلق ان کا خیال تھا کہ انہوں نے ہیرے جواہرات چھپائے ہوئے ہیں۔ جب وہ ان سے تمام اطلاع لے لیتے تو انہیں گولی سے اڑا دیتے یا سمندر میں پھینک دیتے۔ پھر انہوں نے ۱۵۰ مسافروں کو کشتیوں میں بٹھا کر سمندر میں چھوڑ دیا۔ کشتیوں میں نہ چپو تھے اور نہ بادبان اور نہ ہی ان میں کھانا دانہ یا پانی۔ انہوں نے ساٹھ عورتیں اپنے لئے رکھ لی تھیں ...... جو عورتیں جہاز پر رکھ لی گئی تھیں ان کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا گیا۔ بعض نے تو اپنے آپ کو خنجروں سے ہلاک کر لیا اور بعض نے اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا تاکہ ان وحشیوں سے نجات حاصل کریں ......" [2]

---

[1] ایضاً ص ۷۲

[2] ایضاً ص ۱۴۸

جہاد نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ یہ مظالم ہوا کرتے تھے۔
یوں کہیئے کہ اہم ترین فریضہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے یہ عذاب مسلمانوں پر اللہ کی طرف
سے آیا تھا۔[1] عذاب کی چند مثالیں تو صرف کرۂ ارضی کے ایک حصے سے متعلق
ہیں۔ باقی جگہوں پر مسلمانوں پر کیا ہوا اور ان کی عصمتوں پر کس کس طرح سے
ہاتھ ڈالا گیا یہ ہماری بدبختی کا ایسا پہلو ہے جس پر بہت کم توجہ دی گئی ہے
اور ان تمام مصیبتوں کی تہہ میں ایک طرف خود غرضی اور دوسری طرف موت
کا خوف کارفرما ہے جس نے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے دور رکھا اور
پھر وہ رفتہ رفتہ دین و دنیا یعنے اللہ اور اس کی پیدا کردہ دُنیا کی نعمتوں کے
حصول سے محروم کر دئے گئے۔ اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو حاکم بنا دیا گیا۔
آیۂ کریمہ کے الفاظ ایک بار پھر ملاحظہ ہوں:-

اِلَّا تَنْفِرُوْا — اگر تم لوگ کوچ نہیں کرو گے (میدانِ جنگ کا رُخ نہیں کرو گے)

---

[1] اگر محض دنیوی الفاظ کو نگاہ میں رکھا جائے تو کلاز وٹز کے الفاظ قرآن کے
ان احکام کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں "کوئی ریاست اپنے دشمن کے مقابلے میں کتنی ہی
چھوٹی اور کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ اگر وہ آخری کوشش سے دریغ کرے تو پھر یوں
کہنا چاہیئے کہ اس میں زندگی کی روح ختم ہو گئی ہے۔" جس قوم کی روح ختم
ہو جاتی ہے اس قوم پر دوسری قوم کے مسلط ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ
جاتی۔ کلاز وٹز۔ ج۔ س۔ جلد ۲۔ ص ۳۴۹

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۬ — تو تم پر بہت بڑا عذاب ڈالا جائے گا۔

وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ — تمہاری جگہ تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم

. . . . — کو دے دی جائے گی۔

۹ : ۳۹

ہم جانتے ہیں کہ یہ سزا مختلف مقامات پر ہمیں کئی بار دی گئی۔ کاش کہ ہم اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ چونکہ پورے عالمِ اسلامی کے لئے یہ مشکل ہے کہ ہر جہاد میں تمام مسلمان صف بستہ ہو کر ہتھیار سنبھال لیں اس لئے جہاد کا حکم پورے عالمِ اسلامی کے لئے نہیں ہو سکتا۔ ہم صرف یہی کہ سکتے ہیں کہ اس سوال کا جواب کہ آیا پورے عالمِ اسلامی کے لئے جہاد میں حصّہ لینا ممکن ہے یا نہیں یہ تو اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب اس مقصد کے لئے کوئی کوشش کی جائے دوم یہ کہ جب جہاد سے متعلق تمام احکام کو زیرِ نظر رکھا جائے تو اس طرح کے تمام شبہات ختم ہو جاتے ہیں۔ جو بات قابلِ توجہ ہے وہ قرآنِ پاک کے الفاظ ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا خداوند تعالےٰ مسلمانوں کے مخصوص گروہوں کو مخاطب فرماتے ہیں یا تمام مسلمانوں کو اکٹھے مخاطب کرتے ہیں۔ اس آیت کے الفاظ بہت سے شبہات کو دُور کرنے میں مدد دیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے :-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا — اے ایمان والو

اس میں عرب و عجم کی تمیز میں نہیں، ترک و افغان کا فرق نہیں، پاکستان و ہندوستان یا چین اور روس کی تخصیص نہیں بلکہ دنیا کے ایمان لانے والوں یعنے

مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور نہایت سادہ سے الفاظ میں ایک بنیادی اصول کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے :۔

خُذُوا حِذْرَكُمْ   اپنی خبرداری کر لو

یعنے اپنے دفاع کے انتظامات مکمل کر لو اور یقین کر لو کہ دشمن تم لوگوں پر اگر کسی طرف سے بھی اور کسی وقت بھی حملہ آور ہو اور چاہے اس کے پاس پوری دُنیا کی طاقت بھی کیوں نہ ہو تو تمہیں اس قابل ہونا چاہیئے کہ تم بحیثیت مسلمانان عالم اپنے بچاؤ اور اپنے تحفظ پر خود قادر ہو۔ اور جب اپنے دفاع کے انتظامات مکمل کر لو تو پھر حسبِ ضرورت اور دفاعی منصوبہ کے مطابق :۔

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ○   پھر کوچ کرو علیحدہ علیحدہ یا اکٹھے

۴ : ۷۱

یعنے حملہ آور دشمن کی طاقت کے مطابق اور تیار شدہ تزویراتی وتدبیراتی منصوبوں کے مطابق میدانِ جنگ کا رُخ کرو۔ ہر انسانی جماعت اپنے دفاعی منصوبوں کو مختلف پہلوؤں اور مختلف ضرورتوں کے مطابق تقسیم کرتی ہے اور ماقبل سے فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ اگر دشمن نے اس سمت سے حملہ کیا تو منصوبہ شمارہ ایک پر عمل کیا جائے گا اور اگر دشمن فلاں سمت سے حملہ آور ہوا تو منصوبہ شمارہ دو یا چار پر عمل کیا جائے گا۔ اس طرح کے منصوبے اگر پہلے سے تیار ہوں تو پھر پورے عالمِ اسلامی کو میدانِ جنگ کی جانب رُخ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی البتہ سب کے وسائل بہم کئے جا سکتے ہیں اور اگر دشمن کو معلوم ہو کہ تمام عالمِ اسلامی کے یکجا ہو کر دفاع کرنے کے امکانات قوی ہیں تو پھر وہ حملہ

کرنے سے احتراز برتے گا۔ حسب ضرورت مسلمان جماعتوں کے لئے میدانِ جنگ میں اتر آنے کی اجازت ایک اور جگہ بھی موجود ہے۔ اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس حکم میں ایسی ہی صورتِ حال پیشِ نظر تھی۔ ارشادِ الٰہی کے الفاظ ہیں:۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً — اور یہ ضروری نہیں کہ سب مسلمان اکٹھے کوچ کریں (یعنی ایک ہی وقت روانہ ہو نا ضروری نہیں بلکہ منصوبہ کے مطابق اپنے اپنے متعین وقت پر روانہ ہوں)

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ — کیوں نہ ہر حصے میں سے ایک ٹولی کوچ کرے تاکہ دین کا مقصد پورا سمجھ لیں (جہاد کا فرض پورا ہو جائے)

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ — اور جب وہ اپنی قوم کی جانب لوٹیں تو انہیں آگاہ کریں۔

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ — شاید وہ اس طرح بچتے رہیں

۹ : ۱۲۲

عصرِ حاضرہ کی فوجی اصطلاح میں اس حکم کی وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ:۔

"مسلمان ممالک کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اپنی اپنی پوری افواج لے کر میدانِ جنگ میں بیک وقت اتر آئیں۔ یہ بہتر ہو گا کہ ہر ملک ایک ایک ڈویژن اور اگر ایک ڈویژن نہ روانہ کر سکے تو کم از کم ایک ایک پیادہ پلٹن اور ایک

ایک سالار ڈرن فضائیہ اور حسب ضرورت بحریہ کی وحدتیں کمانڈر اعظم کے زیر کمان دیدے تاکہ عالم اسلامی کی اجتماعی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور یہ افواج جو متحدہ کمان کے تحت جنگ میں شریک ہوں وہ جب اپنے اپنے ملک کو لوٹ کر جائیں تو انہیں جنگ حاضرہ کے تمام پہلوؤں سے آگاہ کریں اور جو سبق انہوں نے سیکھے ہوں وہ اپنی اپنی باقیماندہ افواج تک پہنچائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اس طریقے پر عمل کیا گیا تو آئندہ عالم اسلامی کے دفاع کے مسائل بخیر و خوبی انجام پاتے رہیں گے اور عالم اسلامی کو کسی طرح کی گزند نہ پہنچے گی۔"

ضروری تنظیم ہو جانے کے بعد مندرجہ بالا تحریر کو اسلامی متحدہ کمان کی طرف سے ایک پالیسی مکتوب کی صورت میں روانہ کیا جائے گا اور ساتھ ہی متحدہ جنرل سٹاف کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مختلف ممالک کے وسائل کو نگاہ میں رکھتے ہوئے مختلف دفاعی منصوبوں کے تحت ان کی بری، بحری اور فضائی افواج کی شرکت کا فیصلہ کریں اور متعلقہ ممالک کو اس فیصلے سے آگاہ کریں۔ عالم اسلامی کا دفاعی ضروریات کے لیے متحد ہونا اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب اس سے قبل ایک متحدہ کمان وجود میں لائی جائے۔

جہاد ہو یا جوع الارض و دولت کی جنگ، معمولی معرکہ ہو یا طویل ہمہ وقتی مقام کے لحاظ سے اس کے مسائل قتال تک محدود نہیں ہوتے۔ جنگ دو مسلح طاقتوں کے تصادم کا عملی مظہر ہے۔ ان طاقتوں کو مسلح ہونے تک بہت سے مراحل طے کرنے ہوتے ہیں اور ہر مرحلہ جنگ کا حصہ ہوتا ہے۔ جوں جوں انسانی علوم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جنگ کے ہتھیار کمیت و کیفیت یعنے ہر دو

اعتبار سے پھیلاؤ اور شدت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ سائنس کا ہر شعبہ اور علوم عمرانی کا ہر پہلو جنگ کے میدان تک لے آیا جا رہا ہے اس لئے دُنیائے اسلام کا جہاد کے لئے متحد ہو جانا محض تقریر و تحریر سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ جہاد میں شامل ہونے کے قابل ہونا بھی جہاد کا ایک حصّہ ہے بلکہ جہاد کی طرف پہلا قدم ہے اس لئے زمانۂ جنگ میں صرف انہی ممالک کی مسلح قوتیں صحیح معنوں میں جلیعت بن کر لڑ سکتی ہیں۔ جنہوں نے جنگ شروع ہونے سے قبل اس امر کے لئے تیاری کی ہو اور ہر فریق نے اپنی خود مختاری کا کچھ حصّہ اس متحدہ تنظیم کے سپرد کر دیا ہو۔ کسی ملک کی مسلح قوا اس ملک کی خود مختاری کی ضامن ہوتی ہیں۔ جب کوئی ملک اپنی مسلح قوا کو متحدہ کمان کے تحت رکھنے اور اس کے احکام ماننے پر رضامند ہو جاتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی خود مختاری کا ایک حصّہ اس متحدہ کمان کے سپرد کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے۔

اس سیاسی وقت کو عبور کر لینے کے بعد ان ممالک کے لئے متحدہ سیاسی تنظیم اور پھر متحدہ کمان کا وجود میں لانا ضروری ہوتا ہے۔ دنیائے اسلام کے لئے جو خطرات کسی خاص عہد میں موجود ہوں متحدہ کمان کو ان کی فہرست ترتیب دینی ہوگی اور پھر مختلف مواقع کا پیش خیمہ کرنے کے لئے مختلف منصوبے تیار کرنے ہونگے۔ ان منصوبوں کے تحت بری، بحری اور فضائی قوا کو تیار کرنا اور ان کو تربیت دینے کے بعد مناسب مقامات پر تعین کرنے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ ایک ملک کی قوا کا دوسرے ملک کی سرزمین پر

تعین ہونے کا مسئلہ بہت نازک ہوتا ہے۔ البتہ اس سے بھی نازک تر مسئلہ ہتھیاروں کی ساخت کے کارخانوں کے قیام کا مسئلہ ہوتا ہے۔ کون سے ملک میں کس کس ہتھیار کو تیار کرنے کے کارخانے قائم کیے جائیں گے۔ ان کارخانوں کے قیام پر جو اخراجات آئیں گے وہ کس طرح پورے کیئے جائیں گے اور پھر جب یہ ہتھیار تیار ہو جائیںگے تو کس تناسب میں مختلف ممالک کی فواد میں تقسیم کیئے جائیں گے اور مبادلہ زر کی دقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی قیمتوں کے لینے دینے کا مسئلہ کس طرح حل ہوگا۔

جب ہتھیاروں کی ساخت اور ان کے کارخانوں کے قیام کا ذکر آتا ہے تو فنی اور تکنیکی ضروریات کو پورا کرنے کی مشکلات سامنے آجاتی ہیں۔ ان کارخانوں کو بنانے، لگانے اور چلانے کے لیے سائنس اور تکنیکی ماہروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مسلمان ملک میں ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے افراد موجود ہوں۔ اس طرح کی فنّی ضروریات کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ان ممالک کے لئے ضروری ہوگا کہ" ایک دوسرے کی مدد کریں اور جب ایک ملک کے افراد کا دوسرے ملک میں جانے کا سوال پیدا ہو تو زبان و بیان کی جو دقتیں سامنے آتی ہیں۔ ان کا پیش خیمہ کیا جائے۔ یہ دقتیں اسی صورت رفع ہوسکتی ہیں کہ ایام امن میں مسلمان ممالک ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات استوار رکھیں اور ہر ملک میں دوسرے ممالک کی زبانیں جاننے والے فنّی ماہرین موجود ہوں۔

یہ دقتیں ہر متحدہ کمان کے لئے موجود ہوتی ہیں۔ البتہ اگر غیر مسلمان

قومیں اپنے ہاں متحدہ سیاسی اور فوجی تنظیمیں قائم کر سکتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ممالک کے لئے یہ ممکن نہ ہو سکے۔ جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان صدق دل سے مسلمان ہو جائیں۔ ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو
آمِنُوا	ایمان لے آؤ

۴ : ۱۳۶

ہر انسان ہتھیار بند ہونے کے قابل نہیں ہوتا اور اسی طرح ہر انسانی گروہ یکساں طور پر جنگی ماحول سے نپٹنے کی خصوصیات کا حامل نہیں ہوتا مگر جب جنگ سے متعلق تمام ضروریات کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حالانکہ لڑائی میں ہر انسان حصہ نہیں لے سکتا۔ البتہ جہاد (جنگ) میں ہر انسان حصہ لے سکتا ہے۔ عصر حاضر کی جنگوں کے ماہروں کا کہنا ہے کہ ایک سپاہی کو محاذ پر مصروف رکھنے کے لئے محاذ سے پیچھے آٹھ آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاد کی ضروریات کے تمام پہلو جہاد کا حصہ ہیں۔ ہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اعلیٰ ترین درجہ لڑائی میں شرکت کو دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے :۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ	برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان بجز ان لوگوں کے جو معذور ہوں۔
وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ط	اور لڑنے والے مسلمان جنہوں نے اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کیا ہو۔

یہاں بیٹھنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو محاذ سے پیچھے جنگی ضروریات کے کاموں کو انجام دے رہے ہوں۔

کلی جنگ میں نہ تو ہر ایک آدمی کے لئے ممکن ہے کہ وہ صف میں شریک ہو اور نہ ہی ہر فردِ جنگ کی صفوں کی صعوبتیں بدرجہ احسن برداشت کر سکتا ہے حکومت اور اسلامی متحدہ ممالک کے لئے ضروری ہوگا کہ اس موضوع پر ایسی پالیسی وضع کریں کہ ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق جہاد میں شریک ہو سکے اور یوں اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکے۔ اس آیۂ کریمہ کے باقی الفاظ بھی توجہ طلب ہیں:۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ	اپنے جان اور مال سے جنگ کرنیوالوں کو اللہ نے درجے میں بڑائی عطا کی ہے
عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ	ان پر جو بیٹھے رہیں
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ	مگر سب کو اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔

مسلمان جہاد کے جس پہلو میں بھی حصہ لے اللہ کے فضل و کرم کا امیدوار ہے۔ البتہ "صف جنگاہ" میں شرکت کرنے والوں کا درجہ بلند تر ہے۔ اس بات کو اللہ تبارک و تعالےٰ دوبارہ دہراتے ہیں۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا	اور اللہ نے جنگ میں شامل ہونیوالوں کو بیٹھنے والوں سے بڑے درجے عطا کئے ہیں۔
۴ : ۹۵	

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ممالک کے سربراہ مِل کر دُنیائے اسلام کے خطرات کا اندازہ لگائیں اور پھر مناسب انتظام کریں، ورنہ وہ قرآن حکیم کے صریح اور واضح احکام کے منکر قرار دیئے جائیں گے۔ اور ملّتِ اسلام کے کروڑوں افراد کو فریضہ جہاد سے محروم رکھنے کے مجرم اور سزاوار گردانے جائیں گے۔ جہاد صرف ایک فریضہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک آزاد مسلمان کا حق ہے۔ تلوار مردوں کا گہنا ہے۔ مگر صرف آزاد مردوں کو اجازت ہوتی ہے کہ اس عزیز ترین انسانی زیور کو ہاتھ میں لے سکیں۔ غلاموں سے حقِ جہاد چھین لیا جاتا ہے[۵۱]۔ گزشتہ صدیوں میں ایسے لاتعداد مسلمان حکمراں تھے جنہوں نے یورپی اقوام کے ساتھ معاہدے کئے تھے اور ان یورپی ممالک کی محفوظ ریاستوں میں شمولیت کو فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ ان معاہدوں کے تحت ان کے دفاع کی ذمّہ داری یہ یورپی ممالک لے لیتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ انہوں نے اپنا حقِ جہاد دوسری قوموں کے ہاتھ میں دے دینا کس طرح قرآن وسنت کی روشنی میں جائز سمجھا۔ ہماری نگاہ میں گزشتہ چند صدیوں کے مسلمانوں کی سب سے بڑی خطا یہ ہے کہ انہوں نے فریضہ جہاد سے غفلت برتی۔ حتیٰ کہ وہ اس موضوع کو سمجھنے سے سراسر قاصر ہوگئے اور بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلام دشمن اقوام کے حاکموں نے ان کے ناعاقبت اندیش افراد سے جہاد کے حرام قرار دینے کے فتوے بھی نشر کروا دیئے[۵۲]۔

عالمِ اسلام پر حاوی کُلّی جنگ اور ماقبل سے دفاعی منصوبوں کی تیاری عین

---

[۵۱] ص ۵۰ پر امریکی مجریہ ۱۹۷۰ء کے الفاظ ملاحظہ ہوں

[۵۲] اور پھر مسیح موعود کے وقت جہاد قطعاً موقوف کر دیا گیا۔ اربعین ۴ ص ۱۵ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب۔ آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا۔ خدا کے حکم سے بند کیا گیا۔ ایضاً ص ۴۷ بحوالہ قادیانی مذہب از پروفیسر الیاس برنی۔ محرم ۱۳۷۰ھ ص ۲۲۷۔

قرآنِ حکیم کے مطابق ہے۔ البتہ ایسے مواقع بھی پیش آ سکتے ہیں کہ ان کے لیے عالمِ اسلام کی متحدہ کمان کے لئے منصوبہ تیار نہ ہو یا ایسی کیفیت ہو جو آج کل موجود ہے یعنی ابھی متحدہ کمان وجود میں نہ آئی ہو۔ ایسے مواقع کی پیش بینی بھی کی جا چکی ہے اور قرآنِ حکیم واضح الفاظ میں ایسے مواقع کے لئے مسلمان ممالک کی ذمہ داریوں کو بیان کرتا ہے الفاظ ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو
قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ	اپنے سے قریب والے کافروں سے جنگ کرو
وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ	تاکہ وہ تم میں سختی محسوس کریں
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝	اور جان لو کہ اللہ اپنے سے ڈرنے
۹ : ۱۲۳	والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

جغرافیائی قرب و بعد کے نتیجہ میں ذمہ داری کا تناسب مختلف ہو سکتا ہے البتہ یہ کہنا کہ جو مسلمان محلِ جہاد سے دور ہوں ان کی ذمہ داری ہی نہیں رہتی یہ کسی طرح درست نہیں۔ جہاد کی ذمہ داری اور فرض جہاد کو ادا کرنا پورے عالمِ اسلامی کے لئے یکساں طور پر ہے۔ قرب و بُعد وقت کے لحاظ سے عائد ہوتا ہے اس لئے کہ جو مسلمان ملک محلِ جہاد سے قریب تر ہو اس کے لئے پہلے اور وقت پر پہنچنا آسان تر ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کے لئے یہ حکم صادر کیا گیا ہے۔

اس آیت کے الفاظ میں 'سختی' کے لفظ سے ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جس کے بغیر جنگ بے معنی ہوتی ہے جب تک دشمن کے دل پر دھاک نہ بیٹھے اس وقت تک امن و آرام سے زندگی گذارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کفر و الحاد سے پُر معاشرے

شرو فساد کا گہوارہ ہوتے ہیں۔ ایسے انسانی گروہوں کو شرو فساد سے باز رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُن پر سختی کی جائے۔ اس موضوع پر ایک اور آیت کے الفاظ بھی قابلِ توجہ ہیں، ارشاد ہوتا ہے:۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ	اے نبیؐ کافروں اور منافقوں کے خلاف
وَالْمُنٰفِقِیْنَ	جہاد کر
وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ	اور ان کے ساتھ سختی سے برتاؤ کر

۹ : ۷۳

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سختی ہر حال میں قانونِ ربانی کی حدود کے اندر رہ کر کی جاسکتی ہے کسی صورت بھی قوانینِ قرآن کو توڑ کر سختی روا نہیں البتہ جنگ اور نرمی دو متضاد عمل ہیں، اس لئے رحم و کرم اپنی جگہ ہے اور جنگ کے دوران سختی کرنے کے بغیر دشمن کے عزم اور اس کی قوت ارادی کو ضرب کاری نہیں لگائی جاسکتی اور جب تک دشمن کی قوت ارادی کو تباہ نہ کیا جائے وہ اس وقت تک صلح کرنے کے لئے ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔[ل]

ل ایک مغربی مفکّر اس خیال کو یوں پیش کرتا ہے:۔ "ہتھیار اسی حد تک کارگر سمجھے جائیں گے جس حد تک وہ دشمن کے حوصلے اور ایمان کو متزلزل کرنے میں کامیاب ثابت ہوں۔ لڑائی دو فریقوں کی قوتِ ارادی کے درمیان تصادم ہے"۔

"جنگ" میکاولی سے ہٹلر تک۔ تالیف، ایڈورڈ ارل ۔ ترجمہ :۔ بریگیڈیر گلزار احمد مکتبہ جدید لاہور ۱۹۶۲ء ص ۶۰

اس آیت میں کفار کے علاوہ منافقوں سے بھی جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے بین الاقوامی سطح پر یہ فیصلہ حقیقت پر مبنی ہے، جب جنگ نظریہ کی بنا پر لڑی جا رہی ہو تو منافق اور مشترک کا فرق اُٹھ جاتا ہے۔ اسلام کے نظامِ حیات سے انکار کرنے والا اور اس میں مزاحمت ڈالنے والا چاہے مکمل طور پر منکر ہو یا محض منافقت سے کام لے رہا ہو، نیکی اور عدل و انصاف کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ اس لئے اُسے بھی کفّار کی صف میں شامل کرنے کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ منافق جب مسلمانوں کے سامنے آتے ہیں تو یقین دلاتے ہیں کہ وہ کلمۂ کفر کے مرتکب نہیں اور نہ ہی کفّار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں گے البتہ جب وہ کفار کے روبرو ہوتے ہیں تو انہیں انکارِ خدا اور اس کے دین یعنی اسلام کی مخالفت کا یقین دلاتے ہیں اور تسلّی دیتے ہیں کہ اسلام کے خلاف جنگ میں وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ ایسی قومیں نہایت خطرناک مواقع پیدا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اور جس قدر جلد ان کا قلع قمع کیا جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے اور امنِ عالم میں مدد ملتی ہے۔ حقیقت میں منافق اقوام اور افراد کافروں کی نسبت زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ چونکہ وہ ظاہرا اسلام کے نظامِ حیات کے طرفدار ہوتے ہیں اس لئے اُن کے لئے مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اور یوں وہ بعض اوقات ظاہرا طور پر اسلام کی صفوں میں شامل ہو کر مسلمانوں کو اندرونی خلفشار سے دوچار کر دیتے ہیں عصرِ حاضر میں منافق گروہوں کی کمی نظر نہیں آتی۔ وہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام دشمن نظامِ حیات کی ترویج کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو من حیث الامت ایسے گروہوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔

اگر عہد حاضر کا مسلمان اس غلط فہمی میں ہے کہ موجودہ زمانے کے مسائل ایسے پیچیدہ اور اُلجھے ہوئے ہیں کہ وہ قرآن حکیم کی حکمت سے بالاتر ہیں تو وہ نہایت خطرناک غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ اس کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ اسلام کے متعلق یعنی خدا اور رسول اور خدا کے فرستادہ پیغام کے متعلق اپنے خیالات کو حقیقت کے تابع رکھے۔ اگر اس نے مسئلہ جہاد کو قرآن کی روشنی میں حل نہ کیا تو پھر اس کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔

اجتماعی طور پر مسلمانوں نے جہاد سے احتراز اکثر و بیشتر اس لئے برتا ہے کہ ان کے اُمور کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہے جنہوں نے عنانِ حکومت شخصی اغراض کے لئے سنبھالے رکھی ہے۔ شخصی حکومتیں دین و مذہب سے اکثر بیگانہ رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد سے تقریباً ہر دور میں مسلمان فرمانرواؤں اور مسلمان علماء دین کی آپس میں کشمکش رہی ہے۔ اس ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکی کے عثمانی سلاطین علماء دین کے احکام پر عمل پیرا ہوتے رہتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ عثمانی سلطنت باقی مسلمان خاندانوں کی نسبت زیادہ دیرپا ثابت ہوئی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے آخری دور میں عثمانی سلطنت کی کمزوری کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے اس دور میں شیخ الاسلام کا عہدہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر بانٹنا شروع کر دیا تھا اور اسی لئے اس آخری دور میں انہیں علماء دین کی طرف سے صحیح مشورے ملنے میں دقت ہونے لگ گئی تھی۔ اگر مسلمان ممالک مختلف ادوار میں مسلمان عوام الناس کے مفاد کی نگہداشت کی کوشش کرتے تو لازمی طور پر ان کی حکومتیں اسلامی خطوط پر استوار ہوتیں اور پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ عالم اسلامی کو جب کسی ایک مقام پر بھی خطرہ پیدا ہوتا

تو پورا عالم اسلامی اس کے دفاع کے لئے مستعد نہ ہو جاتا۔ تاریخ تو یہ کہتی ہے کہ جب
ترک متحدہ یورپ کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ اس وقت مختلف یورپی ممالک کے سفیر
ایران میں بیٹھ کر ترکوں کے خلاف حسد کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ ان کی خیر اسی میں تھی کہ
دو مضبوط مسلمان مملکتیں آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں اور یوں یورپ کو دنیا کی قیادت اپنے
ہاتھ میں لینے میں آسانی ہو جائے۔ ہمیں افسوس ہے تو اس بات کا کہ کلام الٰہی کی واضح
آیات کے باوجود مل کر جہاد کرنا تو کیا مسلمان باہم مل کر رہ بھی نہ سکے۔ اور اس کا نتیجہ وہ
غیروں کی غلامی کی صورت میں آج بھی دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالے کے الفاظ
کتنے واضح اور صاف ہیں مگر افسوس کہ جو ان الفاظ کو سینے سے لگائے ہیں انہوں نے
ان پر عمل نہ کیا۔ ارشاد ربانی ہے :۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ
وَلَا تَنَازَعُوْا

اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو (قرآن
وسنت پر عمل کرو) اور آپس میں نہ جھگڑو
(تاریخ شاہد ہے کہ ہم نے اس حکم کو اتنی
بار توڑا کہ آج گنتی بھی نہیں ہو سکتی جھگڑا کرنا
تو کجا ہم نے آپس کی لڑائیوں کو اس قدر
ارزاں بنا دیا کہ اللہ کی راہ میں جنگ کی
طرف ہم توجہ ہی نہ کر سکے۔ خانہ جنگیوں کا
نتیجہ طوائف الملوکی ہوتا ہے اور

طوائف الملوکی کا نتیجہ غیروں کی غلامی ہوا کرتا ہے۔ بالآخر مسلمانوں کو بھی غیروں کی حکومت
قبول کرنی پڑی اور عملاً اسلام کو خیرباد کہنا پڑا۔ اگر اسلام ایک نظریۂ حیات ہے اگر اسلام

کا فلسفہ، اپنا فوجداری اور ملکی قانون ہے تو پھر اس نظریۂ حیات، اس فلسفے اور اس قانون سے انحراف کرنے اور کسی دوسرے نظریۂ حیات اور کسی غیر اسلامی قانون کے تحت زندگی گزار کر مسلمان اپنے آپ کو برائے نام مسلمان کہے تو اور بات ہے۔ عملاً اور واقعتاً وہ مسلمان کیسے کہلا سکتا ہے اور جب یہ سب کچھ ہوا تو پھر جھگڑے، فساد اور باہمی خانہ جنگیوں کا فطری اور لازمی نتیجہ ہو کر رہا۔ یعنی :۔

فَتَفْشَلُوا — ورنہ نامرد ہو جاؤ گے

وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ — اور تمہاری ہوا نکل جائے گی

مردوں کا گہنا تلوار ہے اور جب مردوں سے تلوار چھین لی جاتی ہے اور وہ غلام بنائے جاتے ہیں تو وہ حقیقتاً نامرد ہو جاتے ہیں اور صحیح معنوں میں ان کی ہوا نکل جاتی ہے۔ اس صورتِ حال کا ایک ہی علاج ہے۔ آپس کے معاملات میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اور جلد بازی میں پوری قوم اور پوری ملت کے مفاد کو نقصان پہنچانے کا باعث نہ بننا چاہئے۔ ارشاد ہے :۔

وَاصْبِرُوا — صبر کرو (ٹھہرے رہو)

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ — اور اللہ یقیناً صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

۸ : ۴۶

اللہ تبارک و تعالےٰ نے مسلمانوں کو ماقبل کی اُمتوں کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ذکر میں بتا دیا تھا کہ جب وہ جہاد کے فریضہ سے غافل ہو گئے تو تباہ ہو گئے۔ اہلِ یہود کے ذکر میں اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ — پھر جب اُن پر جنگ کو فرض کر دیا گیا

تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ ط — تو سوائے چند ایک کے باقی نے منہ موڑ لیا (پیٹھ پھیر دی یعنی جنگ سے انکار کیا)

اور جب قومیں اس طرح کرتی ہیں تو دُنیا میں اُن کی کوئی جگہ نہیں رہتی۔ ایسی کوتاہ اندیش قوموں کے لئے خداوند تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ۝ — اور اللہ گمراہوں کو جانتا ہے۔

۲ : ۲۴۶

قوموں کے ظالم ہونے کی انتہا اُس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے ہی وجود کو ختم کرنے کے درپے ہو جاتی ہیں۔ گمرہی اور حکم عدولی کی اس سے بڑھ کر بدبخت مثال کہیں مِل ہی نہیں سکتی کہ کوئی مّلت اپنے اُوپر عائد شدہ اصول و قوانین سے انحراف کرے اور یوں اپنے خاتمے کا باعث بنے۔

جہاد کرنے کا حکم بار بار آتا ہے:۔

وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ — اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو

وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ — اور جان لو اللہ سنتا اور جانتا ہے

۲ : ۲۴۴

تاکید کے بعد یہ بھی جتا دیا گیا ہے کہ ذات باری تعالےٰ سے بہتر نہ کوئی سُنتا ہے اور نہ کوئی حقیقت کا جاننے والا ہے۔ اس لئے راہِ حق میں کسی طرح کے دکھاوے کا خیال نہ کرنا اور نہ ہی برائے نام اس میں شرکت کرنا۔ اس لئے جب جہاد میں شرکت کرو تو قوی دل سے اور عالی ہمّت سے ورنہ اپنے فرائض پورے نہ کر سکو گے۔ جنگ میں خوف کھانے والوں کے متعلق قرآن پاک کے الفاظ بہت سخت ہیں۔ ایک جگہ ارشاد

ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
مَا لَكُمْ	یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے
اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو
اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ	تو زمین سے لپٹ جاتے ہو
اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ	کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی سے اتنے وابستہ ہو گئے ہو۔
فَمَا مَتَاعُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ٥	آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی وقعت ہی کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ بہت ہی تھوڑی ہے۔

۳۸ : ۱۰

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے :-

قُلْ	کہدو
لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ	کہ تمہیں بھاگ کھڑے ہونے سے ہرگز کوئی فائدہ نہ ہوگا
اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ	اگر تم مرنے یا قتل ہونے سے بھاگ بھی جاؤ گے
وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ٥	تو سوائے قلیل مدت کے اس سے ہرگز فائدہ نہ اٹھاؤ گے۔

۱۶ : ۳

اس لئے کہ آخرش موت آجائے گی اور پھر حیات بعد موت میں ابد تک پچھتاتے رہو گے۔ اس دنیا میں غلامی کے طوق پہن کر ذلیل ہو گے اور دوسری دُنیا میں عذابِ جہنم سے

دوچار ہوتے رہو گے۔ کون نہیں جانتا کہ جن قوموں کے افراد میدانِ جنگ سے فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ قومیں اپنا وجود کھو بیٹھتی ہیں انہیں غلام بنا کر ان سے ان کے سیاسی حقوق چھین لئے جاتے ہیں اور پھر اُن کے افراد پر زندگی بوجھل ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی موقعوں کے متعلق موجودہ عصر کے ایک فوجی اور سیاسی رہنما کا قول ہے "سیاسی قوت توپ اور بندوق کی نالی کے راستہ وجود میں آتی ہے۔"[۱]

جو بات انسان کو عدل و انصاف کے قیام یا ملک و ملت کے تحفظ کے لئے میدانِ کارزار میں جانے سے روک سکتی ہے وہ مال و دولت کا نقصان، اقربا کی محبت یا اس ناپائدار دنیا کی وقتی خوشیوں سے دل بستگی کا جذبہ ہو سکتا ہے مگر یہ سب الہ العالمین کے احکام کے سامنے کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:۔

قُلْ	کہدے (اے رسولؐ۔ یہاں مسلمان مخاطب ہیں عام انسانوں سے خطاب نہیں ہے ۔مسلمانوں سے برملا کہدو)
اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ	اگر تمہارے باپ دادا اور تمہاری اولاد
وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ	اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں
وَ عَشِيْرَتُكُمْ	اور تمہارے اقربا اور رشتہ دار
وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا	اور وہ مال تم جو نے کمائے ہیں

---

[۱] ماؤزے تنگ۔ گوریلا لڑائی۔ ترجمہ میجر جنرل سموئل بی گرفتھ مطبوعہ فریڈرک برگیہ نیویارک - ۱۹۶۳ - ص - ۱۲

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا	اور وہ تجارت جس کے مندہ پڑ جانے سے ڈرتے ہو
وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا	اور وہ گھر بار جنہیں تم پسند کرتے ہو
أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ	اگر وہ تمہیں عزیز تر ہیں اللہ اور اللہ کے رسول سے
وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ	اور اس کی راہ میں جہاد (جنگ کے ذریعہ) کرنے سے
فَتَرَبَّصُوا	تو انتظار کرتے رہو
حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ	حتیٰ کہ خدا اپنا فیصلہ نافذ کر دے
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ	اور اللہ گنہگار قوم کو ہدایت نہیں کرتا

۹ : ۲۴

اللہ تبارک وتعالےٰ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے سوا کسی اور الٰہ کی محبت میں اللہ کی راہ میں لڑنے سے گریز کرتے ہو تو پھر اللہ کا حکم اس طرح مکمل ہوگا کہ وہ کسی دوسری قوم کو تم پر مسلط کر دے گا اور تمہارے لئے اس دُنیا میں عزت وآبرو کی زندگی ناممکن ہو جائے گی۔

إِلَّا تَنفِرُوا	اگر تم (میدانِ جنگ کی طرف) کوچ نہ کروگے
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا	تو تم پر بہت بڑا عذاب ڈالا جائے گا
وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ	اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو دے دیجائیگی

۱۰ : ۳۹

عہد نبوی میں جو لوگ جہاد میں شرکت سے کوتاہی برتتے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:-

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَٰفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَّوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ

۸۱ : ۹

(رسول اللہ کے ساتھ نہ جا کر پیچھے بیٹھنے والے خوش ہوتے ہیں اور انہیں ناپسند ہوتا ہے کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جنگ لڑیں اور انہوں نے کہا کہ مت کوچ کرو سخت گرمی میں ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی گرم ہوگی اگر وہ سمجھ بوجھ سے کام لیں (تو انہیں حقیقت معلوم ہو جائے گی)

قوموں میں اتحاد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ کسی واحد مسلمان ملک کا معاملہ ہو یا پوری دنیائے اسلام کا مسئلہ جب تک مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد نہ ہوگا اس وقت تک مسلمانوں کے لئے کامیاب و باآبرو زندگی مشکل رہے گی۔ قومی اتحاد کی کسوٹی ایامِ جنگ ہوا کرتے ہیں جب قوم کے افراد عدم اتحاد، خوف یا تکالیف برداشت کرنے سے گریز کی وجہ سے جنگ سے دور رہنا پسند کریں اس قوم کے افراد کو اگر فوج کی صفوں میں بجبر بھی لے جایا جائے تو وہ فرائض جہاد انجام دینے میں تساہل برتیں گے بلکہ بعض حالات میں قوم کے لئے مزید خطرے کا باعث بن جائیں گے۔ ایسے افراد کا جنگ سے فرار ان کو وقتی فائدہ دے تو دے البتہ نہ انہیں اور نہ اُن کی قوم کو اس فرار سے دیرپا فائدہ

ہو سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا — وہ تھوڑی دیر کے لئے ہنس لیں۔

وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا — اور وہ بہت سا رو دیں گے

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ — جو اعمال انہوں نے کئے ان کے بدلے ہیں

۹ : ۸۲

جنگ سے فرار کرنے کی تہہ میں جو بات ہوتی ہے۔ اس پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جنگ سے خوف کھانے والے انسان کا اللہ پر ایمان مضبوط نہیں ہوتا۔ جنگ سے وہی لوگ اور وہی قومیں خوف کھاتی ہیں۔ جنہیں اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہ ہو۔ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور حیات بعد از موت کے قائل ہوں وہ نہ خود مرنے سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم کے افراد کی موت سے ڈرتے ہیں۔ وہ عدل و انصاف سے عاری ماحول میں زندگی گذارنے اور غلامی کے ذریعہ قوم کی ذہنی و روحانی موت کی نسبت پوری قوم کی مادی موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ موت جسے حقیقتاً موت نہیں کہا جا سکتا۔ قرآنِ حکیم جہاد میں قتل ہونے کو موت ہی نہیں کہتا۔ ارشادِ ربانی کے الفاظ ہیں:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ — جو کوئی اللہ کی راہ میں مارا جائے اسے

أَمْوَاتٌ ط — مُردہ مت کہو

بَلْ أَحْيَاءٌ — بلکہ وہ زندہ ہے

وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ — لیکن تم کو سمجھ نہیں۔

۲ : ۱۵۴

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ — جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں

اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط	انہیں مردہ مت شمار کرو۔
بَلْ اَحْیَآءٌ	بلکہ وہ زندہ ہیں
عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ	وہ اپنے رب سے روزی حاصل کرتے
۳ : ۱۶۹	ہیں۔

ایک لمحہ کی آزاد زندگی اور حق وصداقت کے راستے پر رہتے ہوئے ایک گھڑی غیر اللہ کے راستے اور ظلم وستم کے ماحول کے سالہاسال سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ مگر باعزت وآزاد زندگی بسر کرنے کے لئے قوموں کو اپنے خون کی زکوٰۃ دینی پڑتی ہے اور جب ایک بار آزادی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر خون کی ندیاں بہانے کے لئے ہر وقت تیار ومستعد رہنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ جہاد سے کنارہ کشی وہی اختیار کرتے ہیں جنہیں موت کا خوف ہو اور موت کا خوف ان ہی افراد کو ہوتا ہے جو اللہ پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

اِنَّمَا یَسْتَاذِنُکَ الَّذِیْنَ	(جہاد سے معافی) کی رخصت تم سے وہی مانگتے ہیں جو
لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔
وَارْتَابَتْ قُلُوْبُھُمْ	اور ان کے دلوں میں شک ہے۔
فَھُمْ فِیْ رَیْبِھِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ہ	اور وہ اپنے شک میں ہی بھٹکتے پھرینگے۔
۹ : ۴۵	

قوموں کے اندر مالدار اشخاص کو اکثر اپنی دولت کے کھو جانے کا خطرہ ہوتا ہے دولت کی محبت بھی اکثر قوموں کو جنگ سے دور رکھتی ہے مگر آخرش یہی دولت کی

محبّت انہیں دوسروں کا غلام بنا دیتی ہے۔ قوموں کے امیر اور دولت مند افراد بعض اوقات میدانِ جنگ کی صعوبتوں سے دُور رہنا چاہتے ہیں۔ ایسے مالدار افراد قوم کے لئے بوجھ سے کم نہیں ہوتے۔ ان کی غلط روش سے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ دوسروں کو بھی وہ جہاد کے فرائض سے دُور نہ کر دیں۔ حالانکہ دولتمند اشخاص کو حقیقت آشنا ہونا چاہیے۔ جب قوم کے دولتمند افراد جہاد میں شمولیت سے بچنا چاہیں تو اُن کے لئے قرآن کا حکم ہے:۔

اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاذِنُوْنَکَ وَھُمْ اَغْنِیَآءُ	الزام تو اُن پر ہے جو مالدار ہیں اور تجھ سے معافی کی رخصت چاہتے ہیں
رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ[1]	اور وہ اس پر خوش تھے کہ پیچھے عورتوں کے ساتھ رہ جائیں
وَطَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○	اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے سو وہ نہیں جانتے۔

۹ : ۹۳

جہاد سے عمداً باہر رہنا یا جہاد میں شامل ہونے سے انکار کرنے والوں کو مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قومیں جو من حیث القوم جہاد سے گریز کرتی ہیں

---

[1] خَوَالِف :۔ وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیئے جاتے ہیں انگریزی میں "لفٹ آؤٹ آف بیٹل" کی اصطلاح مستعمل ہے۔ اسلام میں جنگ سے صرف وہی لوگ پیچھے چھوڑے جا سکتے ہیں جو معذور ہوں اور یا پھر عورتوں کی پیچھے رہنے کی اجازت ہے۔

ان کے جرم اور اس کی سزا کے تصور سے ہی قلب مضطرب ہو جاتا ہے ان کے متعلق حکم ربانی کے الفاظ ہیں۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا — ان میں سے اگر کوئی مرجائے تو ہرگز اس کا جنازہ نہ پڑھو

وَلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ — اور نہ ہی اُس کی قبر پر کھڑا ہو

اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ — اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے

وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ — رسول سے انکار کیا اور جب وہ مرے

۹ : ۸۴ — تو وہ حکم عدول تھے۔

جن لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں ایک وہ قسم ہے جو اللہ پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور قیامت کے قائل نہ ہوں اس حکم کے الفاظ ہیں:

قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ — ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہ رکھتے ہوں

وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ — اور نہ ہی قیامت پر ایمان رکھتے ہوں

وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ — اور جو شے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہے اُسے حرام نہ رکھتے ہوں

حرام و حلال کی تمیز نہ رکھنا۔ اللہ اور یوم قیامت کا منکر ہونا معمولی بات نہیں جو قومیں ایسے عقیدے رکھتی ہیں ان کے ہاتھوں کو ظلم اور ستم سے روکنے والی کوئی طاقت نہیں رہ جاتی اور وہ بین الاقوامی سطح پر فتنہ و فساد کا باعث بنتی رہتی ہیں اس لئے اس فتنہ کی روک تھام اسی طرح ہو سکتی ہے کہ جہاد کے ذریعہ

ان کا قلع قمع کیا جائے۔

اس آیت کے آخری الفاظ اہلِ کتاب سے متعلق ہیں۔ ان کے متعلق ارشاد ہے:۔

وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ	وہ جو اہلِ کتاب ہیں وہ اگر سچا دین
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	قبول نہ کریں
حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَ	حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور
هُمْ صَاغِرُونَ	بے قدر ہوں (اس وقت تک ان سے
۹ : ۲۹	جہاد کرو۔

یعنی اگر اس طرح ظلم و ستم کرنے والے ظاہرا طور پر اہلِ کتاب بھی کیوں نہ ہوں مگر عملاً حلال و حرام کی تمیز نہ کریں اور ایسے اعمال کریں جو منکرِ خدا اور منکر قیامت سے سرزد ہوں[1] تو جب تک جزیہ دے کر مسلمانوں کے اقتدار اور حکومت و بالادستی کو قبول نہ کریں اور یوں عدل و انصاف کے قیام کا یقین نہ دلائیں اس وقت تک ان کے ساتھ جہاد کرتے رہنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ جنگ یعنی جہاد کے جاری رکھنے کی حد ہی فتنہ و فساد کا مٹنا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ	اس وقت تک ان سے جنگ کرو
	جب تک فتنہ فرو نہیں ہوتا۔
وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ط	حتیٰ کہ دین صرف اللہ کا رہ جائے

---

[1] جو لوگ قوانینِ قرآن کی ابدی حیثیت کے قائل نہ ہوں۔ ان کو اس زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

(یعنی اللہ کا عطا کردہ قانون رائج ہو جائے

اور اسلامی نظامِ حیات رائج ہو جائے)

دین صرف اللہ کا رہ جانے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کا عطا کردہ قانون ہی نافذ ہو۔ اگر برائے نام مسلمان معاشرے میں اللہ کے قانون کا نفاذ نہ ہو تو یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اس معاشرے میں :-

وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ — حتیٰ کہ دین صرف اللہ کا رہ جائے۔

کے حکم پر عمل کیا جا رہا ہے۔

البتہ جب وہ فتنہ و فساد سے باز آجائیں تو پھر مسلمان کا شمشیر گیر ہاتھ بھی رُک جانا چاہیئے اور اگر نہ رُکے تو گنہگار رہے اور اس کے بعد کا قتال فی سبیل اللہ کی جنگ نہ ہو گی بلکہ جوع ارض و دولت کے لئے ہو گی یا اپنے نام اور غرور کے لئے ہو گی قرآنِ حکیم کے الفاظ ہیں :-

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ — اگر وہ (فتنہ سے) باز آجائیں تو پھر (ہاتھ روک لو اور) ظالموں کے علاوہ کسی پر دست درازی جائز نہیں

۲ : ۱۹۳

یہاں ظالموں پر ہم جبر سے یہ مراد لیتے ہیں کہ جنہوں نے ایامِ جنگ میں بین الاقوامی جنگی قوانین کی خلاف ورزی کی ہو اور شہری آبادی پر یا جنگی قیدیوں پر مظالم روا رکھے ہوں۔ انہیں ان کی فوج اور اُن کی حکومت کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد بھی سزا دی جا سکتی ہے۔ البتہ اس سزا کو قانون اور عدالت کے تحت ہونا چاہیئے اور محض افواج کے افسروں کے شوقِ جبر کو پورا کرنے

کے لئے نہیں ہونا چاہیئے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ جنگ کرنے کے حکم کے ساتھ دو اور باتیں کہتے ہیں جو ملت اسلامیہ کو ابد الآباد تک اپنے سامنے رکھنی چاہیئں۔ ام الکتاب کے الفاظ ہیں :۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ	پس (اے پیغمبر) اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔
لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ	تم پر صرف اپنی ذات کی ذمہ داری ہے

۴ : ۸۴

آج کل کے زمانے میں ہم اس کے یہ معنی لیں گے کہ جو قوم اللہ کے پیغام کو سمجھتی ہو اس پر جہاد فرض ہے مگر اس قوم کا ساتھ اگر باقی مسلمان ممالک نہ دیں تو انہیں بے دل نہیں ہونا چاہیئے۔ ان کی ذمہ داری اپنے فرض کی ادائیگی تک ہے اتنا ضرور ہے کہ ان کو چاہیئے کہ وہ دوسرے مسلمان ممالک کو بھی جہاد کی ترغیب دیں۔

ارشاد ہے :۔

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ	اور مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دو۔

اور پھر اللہ جہاد کرنے والے مسلمانوں کو خوش خبری دیتے ہیں کہ اگر وہ ہمت کر کے اور کفر کی بے پناہ طاقت سے بے پرواہ ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں گے تو :۔

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا	قریب ہے کہ اللہ کافروں کی (جنگی) طاقت کو کم کر دے۔
وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا	اور اللہ کی قوت قوی تر ہے

وَاَشَدُّ تَنْكِيلاً — اور وہ سخت سزا دینے والا ہے

۴ : ۸۴

اللہ تبارک وتعالےٰ مسلمانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ چاہے کفر کی مادی طاقت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اگر مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں گے تو کامیاب ہوں گے اور کافر انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔

لَنْ يَضُرُّوكُمْ اِلَّا اَذًى — ستانے کے علاوہ وہ تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔

وَاِنْ يُقَاتِلُوكُمْ — اور اگر تمہارے ساتھ جنگ کریں گے

يُوَلُّوكُمُ الْاَدْبَارَ — تو وہ تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے۔

ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ٥ — پھر وہ کوئی مدد نہ حاصل کر سکیں گے

۳ : ۱۱۱

جب مسلمانوں کو کوئی فریق دشمن کی طاقت سے ڈرانا چاہتا ہو تو اللہ پر ایمان رکھنے والے مسلمان دشمن کی طاقت کی خبر سن کر ہمت نہیں چھوڑتے بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ارادہ کر لیتے ہیں۔ ایسی ہی صورتِ حال کے متعلق قرآن حکیم میں آیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ — یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے ان سے کہا

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ — کہ لوگوں (دشمن) نے تمہارے خلاف (اسباب جنگ) جمع کر رکھا ہے

فَاخْشَوْهُمْ — اس لئے ان سے ڈرو (خوف کھاؤ)

فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۔ دیگر اس خبر سے) ان کا ایمان اور بڑھ گیا (اللہ نے اُن کا ایمان زیادہ کیا)

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کتنا اچھا کارساز ہے

۳ : ۱۷۳

ایمان وایقان کا جنگ میں بہت بلند مقام ہے۔ البتہ جنگ میں شامل ہونے ہونے سے قبل ہر قوم اپنے دشمن کی قوتِ ارادی کو کمزور کرنے کے لئے طرح طرح کی خبریں پھیلانا شروع کر دیتی ہے۔ایسے پروپیگنڈا کا اثر قلب و نظر رکھنے والی اقوام پر نہیں ہوتا۔

پراپگنڈا آج کل بھی انسانوں پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے اور مغربی ممالک اس فن میں طاق ہیں۔مثال کے طور پر مغربی ممالک رائے عامہ کو اپنے ملک میں بڑی وقعت دیتے ہیں اور بہت سی معاشرتی بُرائیوں کی روک تھام اس لئے ممکن ہوسکتی ہے کہ اُن کے خلاف رائے عامہ کو استوار کیا جاتا ہے مگر جب یہی اہلِ مغرب اپنی اپنی نوآبادیات کے وطن دوست اور پرانی وضع کے خوددار لوگوں کی اولاد کو مشرقی روایات کے خلاف کرنا چاہتے تھے تو اُن کا حملہ اسی رائے عامہ کے خلاف ہوا کرتا تھا۔ان کا طریق کار بھی کچھ عجیب سا ہوتا تھا۔وہ روایات کے حامی نوجوان کو روایات پرست، توہم پرست، رسوم کے غلام، تنگ نظر اور مذہب کے قیدی کہہ کر انہیں ملک و ملت کی رائے عامہ کے خلاف کیا کرتے تھے اور یوں ہمارے معاشرے میں نئی نئی بدعتوں اور لادینیت کے دروازے کھول کر ہماری کئی نسلوں کی تباہی کا باعث بنے تھے اسی طرح کا پراپگنڈا آج بھی اسلام کے خلاف جاری ہے اور کبھی ان یورپی حملہ آوروں

کا ہدف ذات باری ہوتی ہے۔ کبھی ذات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور کبھی عقیدۂ جہاد۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جہاد جس کے لئے بار بار حکم دیا گیا ہے۔ اس کے لئے اجازت کا لفظ استعمال ہونے لگ گیا ہے[۱]۔ ہم اب تک صرف ایک آیہ کریمہ ایسی دیکھ سکے ہیں جس میں جنگ کے ساتھ اجازت یا اذن کا لفظ استعمال ہوا ہے اور باقی ماندہ آیات کی طرح جنگ کا واضح حکم نہیں ہے اس آیت کے الفاظ یہ ہیں:-

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ	ان کو اجازت دی گئی جن کے ساتھ جنگ ہوئی
بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا	اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہوا
وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ	اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے

۲۲ : ۳۹

دراصل یہ آیت پہلی مرتبہ اُن مسلمانوں کو لڑائی کی اجازت دینے کے لئے نازل ہوئی تھی جنہیں مکہ معظمہ میں اور مدینہ کے پہلے سال تک جنگ سے روک رکھا گیا تھا، کیونکہ اس وقت تک مسلمانوں کی طاقت منتشر تھی اور لڑائی کے لئے تیار نہ ہو سکی تھی اس لئے اُن کو صرف ظلم سہنے اور صبر کی تلقین کی جا رہی تھی۔

اس آیت کے ترجمہ میں بھی بعض مترجمین نے اذن کے لفظ کا ترجمہ حکم کے لفظ سے کیا ہے[۲]۔

---

[۱] جی اے پرویز۔ اسلام اے چیلنج ٹو ریلیجن (انگریزی) ادارۂ طلوع اسلام لاہور۔ ۱۹۶۸ء ص ۲۸۸ اگر دشمن مسلمان کی اچھائی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو قرآن طاقت استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صفحہ ۲۹۱ پر بھی اسی طرح کی عبارت ہے [۲] قرآن مجید مع ترجمہ تفسیر موضح القرآن از شاہ عبدالقادر محدث دہلوی۔ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ قرآن منزل لاہور ص ۵۵۷۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کے الفاظ ہیں حکم ہوا اُن کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

ایک اور قسم کا موقع جس میں مسلمانوں پر جہاد فرض کیا گیا ہے اس کا ذکر بھی ازبسکہ ضروری ہے۔ اب تک تو ان ہی مواقع کا ذکر تھا جن میں خود مسلمانوں پر دشمن کی طرف سے حملہ ہوا ہو۔ اس آیہ کریمہ میں کسی حملہ کا ذکر نہیں البتہ جبر و تشدد اور ظلم و ستم کا ذکر ہے اور اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جن پر ظلم ہو رہا ہو ان کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں۔ روحِ اسلام کا تقاضا ہے کہ ہر طرف عدل و انصاف قائم ہو اور چاہے کوئی مسلمان ہو یا کافر اس پر کوئی دنیوی طاقت ظلم روا نہ رکھ سکے۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي	تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں
سَبِيلِ اللّٰهِ	جنگ نہیں کرتے
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ	جب مرد، عورتیں اور بچے مغلوب ہو
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ	(رہیں)
الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا	جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں نکال
مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	اس بستی سے
الظَّالِمِ أَهْلُهَا	جس کے رہنے والے ظالم ہیں
وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا	اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی حمایت کرنے والا پیدا کر
وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا	اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی مددگار پیدا کر
۴ : ۷۵	

یہ ہے غرض و غایت مسلمانوں کے وجود کی کہ وہ کرۂ ارض پر جہاں کہیں بھی

ظلم وستم دیکھیں اس کے خلاف جہاد کا علم بلند کریں چاہے مظلوم کشمیر کے مسلمان ہوں یا ویٹ نام کے غیر مسلم، چاہے قبرص کے مسلمان ہوں یا امریکہ کے حبشی اور یا پھر فلسطین کے نکالے ہوئے در بدر ٹھوکریں کھانے والے مسلمان ہوں یا ہندوستان کے اندر مقید اور مظلوم اچھوت، مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے لوگ، مسلمان کے لئے ظلم وستم دیکھنا اور اس کے خلاف دستِ شمشیر گیر بلند نہ کرنا وجودِ مسلم کو بے معنی بنا دیتا ہے اور مسلمان جب ظالموں کے ساتھ دوستانہ مراسم جاری رکھے اور اس کے مظالم کے خلاف دست شمشیر گیر تو کجا آواز بھی بلند نہ کرے تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان اپنے وجود سے بے خبر ہے اسے جگانے کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کا یہ بہانہ کہ وہ کمزور تھا یا جنگ کے ہتھیاروں سے محروم تھا اور اتنی دولت نہ تھی کہ ہتھیار خریدتا اور اتنی تعداد نہ تھی کہ جنگ کی صفیں درست کرتا اللہ کے حضور قابلِ قبول نظر نہیں آتا۔ جب اللہ کے نام پر تلوار اٹھائی جاتی ہے تو فتحمندی مقصد نہیں۔ مقصد تو ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام اگر جاری نہیں ہو سکتے تو مسلمان کا وجود ہی بے معنی ہے۔ اگر دنیا میں عدل وانصاف عنقا ہو تو مسلمان مسلمان بن کر زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی رہنا چاہتا ہے۔

فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ   وہ مارا جائے یا غالب آجائے

۴ : ۷۴

کہ معنی ہی یہ ہیں کہ مسلمان جب جنگ کا رُخ کرتا ہے تو اُس کے لئے دو ہی راستے ہیں یا فاتح غازی یا پھر شہید، تیسرا راستہ یعنی شکست کا اسلام میں کہیں نظر نہیں آتا جو شکست قبول کرتے ہیں وہ اپنے نظریات سے دست بردار ہونا قبول کرتے ہیں

جب کوئی قوم اپنے فلسفۂ حیات اور مطمح نظر سے ہی دست بردار ہو کر دوسرے کے قوانین و آئین کے تحت زندگی گذارنے پر رضامند ہو جائے وہ نسلی اور جغرافیائی قومیت کی حامل ہو سکتی ہے کسی نظریاتی قومیت میں اُسے شامل ہونے کا حق نہیں رہ جاتا۔اسی لئے تبارک و تعالےٰ نے جب ظلم و ستم کو ختم کرنے کے لئے حکم دیا تو یہ ہرگز نہیں کہا کہ پہلے اپنی برتری کا یقین کر لو اور پھر میدانِ جنگ کا رُخ کرو بلکہ ارشاد باری تعالےٰ تو یہ ہے:۔

اِنفِرُوا	نکل کھڑے ہو (جہاد کے لئے صف بستہ ہو جاؤ اور میدانِ جنگ سنبھال لو (خیال رہے یہاں بھی مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ میدانِ جنگ کا رُخ کریں۔)
خِفَافًا وَثِقَالًا	(چاہے) ہلکے (ہو) یا بوجھل (یعنی ہتھیار کی مقدار، ان کی ساخت، ان کی کمیت و کیفیت اور لشکروں کی تعداد کی طرف ہرگز نہ دیکھو)
وَجَاهِدُوا	اور جہاد کرو
بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ	اپنے مال و متاع اور اپنی جانوں کے ساتھ (جو بھی طاقت ہے اور جتنی بھی طاقت ہے اُسے بروئے کار لاؤ)
فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں (یعنی یہ ہرگز نہ بھولو کہ

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

تم لوگ یہ جنگ اللہ کے لئے اور اسی کے
احکام کے مطابق لڑ رہے ہو۔ اس لئے
کہ اس کی مخلوق کے لئے عدل و انصاف
کے لئے کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے)
تمہارے لئے یہ بہتر ہے
(زندہ قوم کی حیثیت سے اسی صورت قائم
رہ سکتے ہو کہ وقت ضرورت اللہ کے نام
پر صفیں درست کر لو)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اگر تم جانتے ہو
(یعنی اگر تمہیں سمجھ ہے تو جان لوگے کہ
تمہاری حیات کا راز جہاد میں مضمر ہے
اور جہاد میں شرکت کے وقت ترازو کے
تول اور سروں کی گنتی نہیں ہوا کرتی بلکہ
قلب و نظر کی مضبوطی دیکھی جاتی ہے)

ایک یورپی مصنف نے اس خیال کو یوں پیش کیا ہے "لڑائی دو ارادی قوتوں کے درمیان کشمکش کا نام ہے جس میں فتح کے معنی ہیں جیتنے والے کی روحانی برتری اور شکست ماننے والے کی روحانی پستی کا انجام ہے۔"[1]

---

[1] جنگ - بیکادمی سے ہٹلر تک مولفہ ایڈورڈ ارل ترجمہ بریگیڈیئر گلزار احمد مکتبہ جدید لاہور ص ۱۸۲

کون نہیں جانتا ہے کہ اوائل اسلام میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ان کے پاس اسلحہ برائے نام تھا۔ کسے انکار ہے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے کلمہ گو مسلمانوں کی تعداد اپنے حملہ آور دشمن کی ایک چوتھائی سے بھی کم تھی اور ان کے پاس ہتھیاروں کی تعداد اس مناسبت سے بھی کمتر مگر جب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر انہوں نے میدان کارزار کا رُخ کیا تو اُن کے دشمن کو اس کی مادی برتری کسی کام نہ آئی۔ اللہ تبارک وتعالےٰ کا فرمان ہے:-

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بِإِذْنِ اللهِ

کتنی ہی کم تعداد جماعتوں نے بڑی تعداد کی جماعتوں
پر اللہ کے حکم سے غلبہ پایا۔

۲ : ۲۴۹

اور ثبوت کے طور پر یاد دلایا کہ:

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ
مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ

اور یاد کرو جب تم کم تعداد تھے
اور زمین میں کمزوروں کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

اور ڈرتے پھرتے تھے کہ لوگ تم کو اُچک نہ لیں

فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَ
رَزَقَكُمْ

پھر اُس نے تم کو پناہ دی اور اپنی مدد سے
تمہیں زور دیا اور تمہیں رزق دیا۔

۸ : ۲۶

یہ نقشہ صرف اوائل اسلام کے مکی اور نصف مدنی دور کا ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام پر ایسے لاتعداد مواقع آچکے ہیں۔ جب کبھی مسلمانوں نے احکامِ جہاد پر عمل کیا اور اللہ تبارک تعالےٰ کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں اپنا دفاع کیا تو خداوند کریم ان کی مدد کو پہنچا۔ اور انہیں تعداد اور وسائل کے کم ہونے کے باوجود فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔

جنگ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے

وَ قَاتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ — اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو" سے کیا مراد ہے

۲ : ۱۹۲

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا راستہ ہے جو اللہ کا راستہ کہلاتا ہے اور جس کے تحفظ و دفاع کے لئے مسلمانوں پر انفرادی اور اجتماعی یعنی ہر حالت میں جنگ فرض کی گئی ہے۔

اللہ کے راستہ سے یہ ہرگز مراد نہیں ہو سکتا کہ مسلمان اعلان کر دیں کہ جس نے اسلام قبول نہ کیا اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے:۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ — دین میں کسی طرح کی سختی نہیں

۲ : ۲۵۶ — (یعنی دین کے لئے سختی کرنے کی اجازت نہیں)

اس لئے کہ جو شخص قتل سے بچنے کے لئے یا کسی دنیوی فائدے کے لئے مسلمان ہو گا اس کا اسلام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے نہیں ہو سکتا ایسے مسلمان فی سبیل اللہ جان دینے پر کبھی رضامند نہیں ہو سکتے۔ فی سبیل اللہ جنگ تو وہ جنگ ہے جو اللہ کے احکام کے اندر رہ کر لڑی گئی ہو جس میں حقیقی معنوں

میں

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

کو دخل ہو اور اپنے انفرادی و اجتماعی مقاصد کی تکمیل کا شائبہ تک نہ ہو۔

فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی مثالیں اللہ تبارک اللہ قرآن پاک میں اس طرح دیتے ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ
یہ وہ لوگ ہیں

اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ
جو اپنے گھروں سے ناجائز طور پر نکالے گئے

اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط
وہ تو صرف یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے گھروں سے نکالے گئے۔ قریش مکہ نے ہی مسلمان کو شہر بدر نہیں کیا بلکہ فلسطین، اندلس، کریمیا، وسطی ایشیا، کشمیر اور ہندوستان کی مثالیں بھی موجود ہیں)

ان ہی لوگوں کی خاصیتیں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ
یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں قائم (طاقتور) کر دیں

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ
تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ
اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کرینگے

وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ — اور دیگر) کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۲۲ : ۴۱ — (یعنی اگر یہ انسانوں کو نیک بنانے میں کامیاب نہ ہوں تو اُن کی غلطی نہیں انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے)

جہاد کے حکم کی اس آیت پر پہلے ہی غور کیا جا چکا ہے۔ البتہ اُسے ایک اور پہلو سے دیکھنا بھی مفید ہوگا۔

آیت کے الفاظ ہیں :-

قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ — اللہ کی راہ میں جنگ کرو

الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ — ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

۲ : ۱۹۰

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم تو ہے اُن لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا جو اُن کے ساتھ جنگ کرتے ہیں یعنی اُن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ مگر اس جنگ کو اللہ کی راہ میں جنگ یعنی جہاد فی سبیل اللہ" کہا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک اور آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے تو ضرور کوئی خاص وجہ ہو گی کہ مسلمانوں کا اپنا دفاع بھی" فی سبیل اللہ" کا مقام رکھتا ہے۔ اس دوسری آیت کے الفاظ بھی ملاحظہ ہوں :-

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ — اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن کانپ جائیں

۸ : ۶۰ — (یعنی ان پر دھاک بیٹھ جائے)

اگر اللہ کے دشمن اور مسلمانوں کے دشمن ایک ہی واقع ہوئے ہیں تو پھر مسلمانوں کی زندگیاں ضرور ایسی ہوں گی کہ وہ تمامتر اللہ کی خوشنودی میں بسر ہوتی ہوں گی اور اُن پر یہ صادق آتا ہو گا:-

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥ ۶ : ۱۶۲

کہہ کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔

اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس پہلو پر کافی روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں کی وہ خصوصیتیں بیان فرما دی ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کے دشمن اللہ کے دشمن بن جاتے ہیں اور جب مسلمان اپنا دفاع کرتا ہے تو وہ حقیقی معنوں میں اللہ کی کسی بہت ہی پیاری اور عزیز مخلوق کا دفاع کر رہا ہوتا ہے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم وہ بہترین اُمت ہو جو انسانیت (کی قیادت و رہبری) کے لئے لائی گئی ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت آدم علیہ الصلوات والسلام سے لے کر آج تک جتنی نیک اُمتیں بنی نوع انسان کے سواد اعظم کی رہبری اور ہدایت پر مامور کی گئیں ان میں سے اللہ تعالےٰ خود اپنے کلام پاک میں مسلمانوں کو بہترین اُمت قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقام اسی اُمت کو دیا جا سکتا ہے جس کی ذمہ داریاں اور فرائض بھی باقی اُمتوں سے گراں تر اور عظیم تر ہوں مسلمانوں کے لئے فرض جہاد پر جو احکام ہیں اُن پر ہم نظر ڈال چکے ہیں البتہ جس قوم کو حکم جہاد دیا گیا ہے اور وہ مواقع بھی بتائے گئے ہیں کہ کب اور کن حالات

ہیں اس پر جہاد فرض ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے لئے ایام امن کے فرائض بھی ضرور واضح کر دیئے ہوں گے۔ ایام امن کا ایک فرض جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے وہ اللہ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:۔

تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ٥ — تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو

وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ ٥ — اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۳ : ۱۱۰

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھنے کے الفاظ بھی بغیر مصلحت نہیں یعنی یہ نیکی کا حکم اور بدی کی ممانعت بھی اللہ کے حکم کے تحت ہے کسی انعام کے لئے نہیں کسی ذاتی فائدے کے لئے نہیں بلکہ محض اس لئے کہ اللہ نے یہ فرض مسلمانوں پر عائد کیا ہے۔ جب مسلمان من حیث القوم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ظالم قوموں کو ظلم سے روکتا ہے اور انہیں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ افراد محض اپنی ہی قوم کے چند افراد کو نیکی کی تلقین اور بدی سے احتراز کرنے کی ترغیب نہیں دے رہے بلکہ ایک قوم من حیث القوم دوسری قوموں اور دوسرے انسانی گروہوں کو نیکی یعنی انصاف اور عدل کا حکم دیتی ہے اور بے انصافی اور ظلم وستم سے روکتی ہے۔ ذہن میں رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ — دین میں سختی کی اجازت نہیں

۲ : ۲۵۶

کا حکم بھی دے چکے ہیں مسلمان جب ملی حیثیت سے دوسری قوموں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ انہیں مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہتے اور نہ ہی اسلامی شرع کا پابند ہونے پر مجبور کرتے ہیں وہ انہیں اپنے دینی قوانین پر قائم رہتے ہوئے اور دوسرے ادیان کے تابع ہوتے ہوئے نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے انہیں منع کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی جنگ اساسی طور پر غیر مسلموں کے خلاف نہیں بلکہ ظلم وستم کرنے والوں، اللہ کے بندوں کو بجز اللہ کی عبادت کے روکنے والوں، دنیا میں فتنہ وفساد مچانے والوں اور انسانوں کو محکومی و غلامی اور غربت و افلاس میں رکھنے والی قوموں کے خلاف ہوا کرتی ہے۔ ان جور و استبداد کرنے والی قوموں کے خلاف مسلمان اس لئے جہاد کرتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان، اللہ کی عبادت سے روک رہی ہوتی ہیں یا انہوں نے اُن کمزوروں کی زندگی کو دوبھر کر رکھا ہوتا ہے۔ جہاد کے ان مقاصد کی بلندی تک کسی قوم وملت کے مقاصدِ جنگ نہیں پہنچ سکتے۔ عیسائیت کی طرح بعض ادیان تو ایسے ہیں کہ ان میں جنگ کا ذکر تک نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ایسی قومیں میدانِ جنگ کا رُخ کرتی ہیں تو اُن کے افراد بے لگام ہو جاتے ہیں اور "عشق اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے"۔ کے مقولے کے تحت ایسے ایسے مظالم ڈھلائے جاتے ہیں اور خود اپنے ہی ادیان کے اصولوں کو اس طرح پامال کرتے ہیں کہ انہیں کسی دین کا تابع کہنا ہی مشکل نظر آتا ہے۔ صلیبی جنگوں میں حصہ لینے والے یورپی ممالک کے اخلاق سوز اعمال سے تاریخ کے صفحات پر ہیں[1]۔ ہندو مذہب میں

---

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۵۵

جنگ کے متعلق بہت کچھ موجود ہے مگر اس کی سطح کسی طرح بھی قابلِ ستائش نہیں کہی جا سکتی۔ ایک جگہ آیا ہے "اے اندر ہم کو دولت دے جو دشمن کو جنگ میں اس طرح مغلوب کر دے جس طرح آسمان زمین پر غالب ہو[1]۔ یا پھر "اے اندر جب میدانِ جنگ گرم ہو تو ہمارے پاس مال و دولت کے جمع کئے ہوئے خزانے لا، ہمارے حریفوں کے ہتھیار توڑ دے، ہمیں مال و دولت عطا کر[2]" اور ہم تجھ سے خزانوں کی خواہش کرتے ہیں۔ ہم کو زبردست درخشاں مال و زر عطا کر۔ لڑائی اور جلال و جبروت کے ہیرو! ہم کو مویشیوں کے تھان عطا کر۔۔[3]"

اس کے برعکس مسلمان کو جہاد کا حکم صرف اور صرف عدل و انصاف کے قیام اور انسانی بستیوں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کی غرض سے دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایک اور آیت کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح
جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	ہم نے تمہیں عدل پسند اُمت بنایا
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	تاکہ تم انسانیت پر شاہد رہو
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا	اور رسول تم پر شاہد رہے۔

۲ : ۱۴۳

---

[1] رگ وید ۶ : ۲ : ۱ بحوالہ سید واجد رضوی ص ۲۴

[2] 〃 ۷ : ۲۵ : ۲، ۳، ۵، ۶ 〃 〃 〃 ۲۴

[3] شام وید ۴ : ۱ : ۴، ۵، ۶ 〃 〃 ۲۵

جس قوم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض عائد کر دیئے گئے تھے لازمی تھا کہ اس عدل پسند اُمت کو اقوامِ عالم پر شاہد رہنے کے فرائض بھی سونپے جاتے تاکہ یہ بہترین اُمت بتا سکتی کہ اُن کے پہنچائے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مختلف اقوامِ عالم نے کس حد تک پابندی کی ہے اور جب ضرورت ہو تو اُمتوں پر یعنی اپنے وقت کی دوسری قوموں پر شاہد رہیں۔ عین اسی طرح جس طرح حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام اللہ سے لائے تھے اور جو پیغام انہوں نے مسلمانوں تک پہنچایا تھا۔ اس پیغام کے صحیح شاہد حضور اکرمؐ ہی ہیں۔ اس لئے کہ وہی ؐ بتا سکتے ہیں کہ اُنؐ کی اُمت کی مختلف نسلوں نے اپنے اپنے دور میں اُنؐ کے لائے ہوئے پیغام پر کس حد تک عمل کیا۔ چونکہ مسلمان دوسری اقوامِ عالم کے بارے میں پیغمبر کا سا مقام رکھتے ہیں اور انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں اس لئے مسلمان قوم کی مختلف نسلیں ہی اپنے اپنے دور کے وقت کے شاہدوں کے فرائض انجام دے سکتی ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو (اے مسلمان قوم)
کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَاءَ	اللہ کی خاطر راستی پر قائم ہونے والے
بِالْقِسْطِ	اور انصاف سے گواہی دینے والے بنو
وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ	اور کسی قوم کی ناراضگی (دشمنی) تمہیں مجبور نہ کرے۔
اَلَّا تَعْدِلُوْا	کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ

اِعْدِلُوا	عدل کرو
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؏	یہی تقوٰی (اللہ کے خوف کی پیدا کردہ
۵ : ۸	نیک حالت) سے قریب ہے۔

جس قوم کو تاکید سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے درمیان انصاف و عدل کو رائج کرے، قوموں کو نیکی پر رہنے کا حکم دے اور دیکھے کہ قومیں بین الاقوامی سطح پر عدل و انصاف سے کام لیتی ہیں یا نہیں لیتیں اور جب بین قومی مجلس میں ایک قوم دوسری قوم کے خلاف شکایت کرے تو اقوام متحدہ کی اکثریت یا اُس کی طاقتور قوموں کے خوف سے یا اپنے فائدے کی غرض سے انصاف اور صداقت کی گواہی سے کہیں مسلمان ملت ہٹ نہ جائے۔ ان بین الاقوامی مجالس میں محض گواہ کی حیثیت نہ رکھیں بلکہ وہاں اپنا حکم بھی رائج کریں اور اُن کا مقام ایسا ہو کہ اقوام عالم ان کے فیصلے کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی قوم کے احکام سے جب کوئی قوم انحراف کرے گی اور ان کے کہنے کے باوجود اگر وہ قوم ظلم وستم کے راستے پر قائم رہے گی تو پھر مسلمان پر جہاد فرض ہو جائے گا اور

مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ	یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم جنگ نہیں کرتے[1]

کا حکم جاری ہو جائے گا

ملت اسلامی کو ہر دور میں یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ آیا وہ اقوام عالم کی

---

[1] دیکھیں صفحہ ۱۰۲

سطح پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض دینے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر کسی دور میں مسلمان اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ من حیث القوم اس فرض سے سبکدوش ہوسکیں تو ظاہر ہے کہ اُن کے اعمال قابل گرفت ہوں گے اور وہ خود راہ راست سے بھٹک چکے ہوں گے۔ ملّت کو راہ راست سے قریب ترین رُخ پر رکھنے کی ذمّہ داری خود ملّت کے افراد پر عائد ہوتی ہے تاکہ ملّت پر جب جہاد فرض ہو جائے تو وہ من حیثِ ملّت اس مشکل فرض کو ادا کر سکیں۔

مفسد اقوام نے آج تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ وہ دنیا میں فتنہ و فساد پھیلا رہی ہیں بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے آپ کو پُرامن ظاہر کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں اُن کی ان کوششوں کا قرآن حکیم میں یوں ذکر آیا ہے:۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ	جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں فساد مت پھیلاؤ
قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝	تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صلح کُن ہیں

۲ : ۱۱

اہلِ یورپ نے ایشیا پر جس فتنہ فساد، جھوٹ، فریب اور دھوکہ بازی سے قبضہ جمایا اور پھر اس قبضہ کو حاصل کیئے رکھا وہ غلط راہ روی میں اپنی مثال آپ ہے۔ اِس کے باوجود اہلِ یورپ اپنے آپ کو دنیا کی تہذیب کا رہبر سمجھتے ہیں اور "سفید انسانوں کی ذمہ داریوں" میں ایک ذمہ داری یہ بھی تصوّر کرتے ہیں کہ ایشیا و افریقہ کی مظلوم آبادی کا خون چوستے رہیں اور یوں اپنے ایوانوں کو بارونق اور سجائے رکھیں۔ یورپ نے افریقی باشندوں کا وحشی جانوروں کی طرح شکار کیا اور تاریخ شاہد ہے کہ جب شکار سے

تھک جاتے تھے تو لاکھوں کی تعداد میں افریقی باشندوں کو ہر سال اپنے کھیتوں میں جانوروں کی طرح محنت کرنے کے لئے غلام بنا کر لے جاتے تھے۔ اہلِ یورپ نے امریکہ کی قدیم آبادی کا پہلے شکار کیا اور پھر اُن کا وجود مٹانے کے لئے چند چراگاہیں مختص کر دیں جہاں سے وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ مگر ان غیر انسانی افعال کا اہلِ یورپ نے آج تک اعتراف نہیں کیا۔ ہاں جب اُن کے بس کی بات نہیں رہتی اور مجبوراً کسی ایسے فعل کو بند کرنا پڑتا ہے تو پھر فلسفیانہ انداز میں اپنے مظلوموں کی سیاسی غلامی کو ختم کر کے انہیں اقتصادی غلامی کی زنجیروں میں پہلے سے بھی سخت تر باندھ لیتے ہیں مگر اپنے اس فعل کی داد بھی طلب کرتے رہتے ہیں۔ سچ ہے

"وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا"

باطل دیرپا نہیں ہوتا۔ ظالم کو ایک نہ ایک دن اپنے ظلم سے ہاتھ روکنا پڑتا ہے اور اس کے لئے اللہ اپنی پسند کی اُمت کو مامور کرتا ہے۔ باطل کے دعویدار کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مغلوب رکھیں مگر جوں ہی وہ اپنے اعمال کو اللہ کے عائد کردہ قوانین کے مطابق ڈھال لیتے ہیں تو وہ پھر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اللہ پھر ان کو ظلم و ستم سے نجات دے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ۝	اور دغاباز ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔

۲۲ : ۳۸

وہ جو چاہے کر سکتا ہے:۔

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۴۰: ۶۸ — وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

اور حقیقی قوت اسی کے ہاتھ میں ہے:

أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا — قوّت تمامتر اللہ کے پاس ہے

وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ — اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے

۲ : ۱۶۵

ظالم قومیں جب تباہ ہوتی ہیں تو وہ صفحہ ہستی سے ہی مٹ جاتی ہیں اور یہ سب کچھ اُن کے اپنے اعمال کی پاداش میں ہوتا ہے۔ اُن کی قوت اور ان کی تعداد ان کے کسی کام نہیں آتی۔ شرط یہ ہے کہ مسلمان جنہیں اقوام عالم پر شاہد اور منصف بنایا گیا ہے وہ اپنے فرائض سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کے قابل ہوں۔ مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دنیا میں پھریں اور دیکھیں کہ ان سے قبل کے لوگوں کے بُرے اعمال کا کیا حشر ہوا اور اس سبق کو دوسرے پہلو سے بھی ذہن نشین کئے رکھیں یعنی اگر اُن کے دشمنوں کے لشکر لاتعداد ہیں اور ان کی مادی طاقت مسلمانوں سے زیادہ ہے تو فکر کی بات نہیں۔ ظالم اقوام کے افراد میدانِ کارزار میں زیادہ دیر جم کر مقابلہ کرنے کے ناقابل ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ — اور کتنی ہی بستیاں تھیں

هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً — جو طاقت میں زیادہ تھیں

مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ — اس بستی سے (جس سے) انہوں نے تجھے نکالا ہے

اَهۡلَكۡنٰهُمۡ	ہم نے انہیں تباہ کردیا
فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ ۝	پھر اُن کا کوئی مددگار نہ تھا

۱۳:۴۷

کیا آج کے اس نام نہاد متمدن دور میں مسلمانوں کو اپنی بستیوں سے نہیں نکالا جارہا اور یوں اپنے گھروں سے نکالنے والے بھی اپنی طاقت کے زعم میں اپنے مظالم سے ہاتھ نہیں روکتے مگر کیا وہ نہیں جانتے کہ اس کرہ ارضی نے ان سے بھی طاقتور اقوام کو دیکھا ہے اور جب ان اقوام کو اللہ نے تباہ کرنا چاہا تو اُن کی مدد کے لئے کوئی زندہ طاقت نہ آسکی۔ ایک نہ ایک دن بلکہ بہت جلد آج کی ظالم قوموں کا حشر بھی وہی ہوگا جو اس سے قبل ظالم قوموں کا انجام ہوتا رہا ہے۔

اللہ مسلمانوں سے صرف اتنا چاہتا ہے کہ وہ اپنی بقا و تحفظ کے لئے دستِ شمشیر گیر کو بلند کریں گریوں اپنے ہاتھ کو اور اپنے عَلم کو بلند کرتے ہوئے یہ یاد رکھیں کہ درحقیقت وہ اپنے بقا و تحفظ کے لئے نہیں بلکہ فی سبیل اللہ جہاد میں شریک ہورہے ہیں اس لئے کہ جنہیں اپنی ذات کا خیال ہوتا ہے وہ اس خیال کی وجہ سے موت کو للکارنے سے جھجکتے ہیں اور

فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝	اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو۔

۲ : ۹۴

اصول کے لئے جنگ آزما ہوتے وقت حفظِ خویش کا خیال نہیں رہتا البتہ جو دولت یا جوع ارض کے لئے یا محض اپنے کوتاہ نظر حاکموں کے تکبّر اور غرور کو پورا کرنے کے لئے میدانِ جنگ کا رُخ کرتے ہیں وہ موت کی تمنا نہیں کیا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ کافروں کے حملہ آور ہونے کو کبھی خطرناک نہیں سمجھا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے :۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اور اگر کافروں نے تم سے جنگ کی
لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ	تو وہ پیٹھ پھیر دیں گے
ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا	اور پھر انہیں کوئی حمایت کرنے والا اور
۲۲ : ۴۸	مدد دینے والا نہ ملے گا۔

اگر مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کریں گے تو کبھی بھی اور کسی بھی مقام پر دشمن اُن کے اقدام کو نہ روک سکے گا اور مسلمان ہمیشہ فاتح و کامراں لوٹیں گے۔

جہاد کی تیاری

جہاد کی فرضیت اور اس کا اطلاق فرد اور معاشرے دونوں پر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ملّت اسلامیہ کے ارباب بست وکشاد کی ذمہ داری ہوجاتی ہے کہ وہ معاشرے کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اُمور کو ایسے خطوط پر ترتیب دیں کہ اس کے نتیجہ میں جہاد کا فرض ہر فرد اور ہر سیاسی وحدت اپنی بساط اور قابلیت کے مطابق بہترین طور پر ادا کر سکے۔ دوسری طرف ملّت کے اجتماعی انتظامی اداروں پر یہ فرض بھی عائد ہوجاتا ہے کہ وہ فنِ جنگ اور طریقِ جنگ کی بدلتی ہوئی ضروریات کا مطالعہ کرتے رہیں اور ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جتنے افراد کو جس کام کی تربیت دینی ضروری ہو اُسے وہ تربیت دی جائے تاکہ جہاد کی تمام ضروریات پوری ہوسکیں۔ آج کل کی جنگیں نہایت ہی پیچیدہ مسائل پیش کرتی ہیں اور اُن کے پیدا کردہ مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قوم کی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی تنظیم کو ایسے خطوط پر مرتب کرنا پڑتا ہے جن کی مدد سے جنگ کو کامیابی سے لڑا جا سکے۔ جنگ کی وجہ سے جو مسائل پیش ہوتے ہیں اُن کی ذمہ داری فرد اور قوم دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ فرد اور جماعت کے فرض

کی ادائیگی کی مختلف صورتوں کی وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض پہلوؤں کو بنظرِ غائر دیکھ لیا جائے اور اس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام ذہن نشین کر لئے جائیں۔

پہلی بات جو اس ضمن میں ذہن کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ جنگ ایک اجتماعی فعل ہے اس لئے اس کو ادا کرنے کے لئے کسی ایسی اجتماعی تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے جو قوم یا ملک وملت کے دفاعی مسائل پر غور کر لینے کے بعد اور اپنے وسائل کو دیکھنے کے بعد ایک جامع منصوبہ مرتب کرے جس سے قوم کی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار آسکیں اور ساتھ ہی ساتھ ہر فرد اللہ کے عائد کردہ فریضہ جہاد سے سبکدوش ہو سکے یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کے تفصیلی بیان سے قبل اس سوال کا جواب قرآنِ حکیم کے الفاظ میں ہی پیش کیا جائے۔ اُم الکتاب میں اللہ کے حکم کے الفاظ یہ ہیں:-

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ — اپنی پوری طاقت سے اُن کے ساتھ (جنگ کی) تیاری مکمل کرو

مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ — اپنی طاقت اور گھوڑوں کی قطاریں (بہم کرو)

۸ : ۶۰

پہلی بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کی تیاری کا مشورہ نہیں بلکہ صریح حکم دیا گیا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اپنی ہر طرح کی قوت کو بہم اور یکجا کرو۔ جنگ کی تیاری کی تکمیل وقت اور مقام کے لحاظ سے بدلتی رہے گی جہاں تک احکامِ الٰہی کا تعلق ہے اُن میں پوری وضاحت سے کہہ دیا گیا ہے کہ اُن کے ساتھ جنگ کی تیاری مکمل کرلو۔

ظاہر ہے کہ اس تیاری میں ملت کی مادی، ذہنی اور روحانی قوتیں شامل ہیں۔ جہاں تک ملت کی مادی قوت کا تعلق ہے وہ اجتماعی (سرکاری) اور انفرادی (غیر سرکاری) دونوں طرح کی قوت پر مشتمل ہے۔ اب مزید سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی (سرکاری) قوتوں کو باہم اور یکجا کس طرح کیا جائے۔ ہماری نظر میں یہ کام حکومت وقت یعنی اصحاب اولی الامر کا ہے کہ ملک و ملت کی پوری قوت کو کس طرح جہاد کے لئے تیار کیا جائے۔

یہاں پر ہمارے سامنے ترکی کی جنگِ آزادی کی چند مثالیں ہیں جن کا ذکر بیجا نہ ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ اس آزادی کے جہاد میں ترک کم تعداد اور کم وسائل رکھتے تھے مگر اس کے باوجود اللہ تبارک و تعالےٰ نے انہیں کامیابی سے سرفراز فرمایا تھا، اور قرآن حکیم میں کیا ہوا وعدہ پورا فرمایا تھا جس میں اللہ فرماتا ہے :-

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ	کتنی ہی چھوٹی جماعتوں نے بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ حاصل کیا۔

۲ : ۲۴۹

کم تعداد کو ترکوں نے اس طرح پورا کیا تھا کہ جبری بھرتی کے ذریعے ہر بالغ مرد کو فوج میں شامل کر لیا تھا اور رسل و رسائل اور تجہیزاتِ جنگ کو میدانِ جنگ تک پہنچانے کا فرض عورتوں اور بچوں اور بوڑھے مردوں کے ذمہ لگا دیا تھا۔ دوسری طرف کم وسائل کو مختلف طریقوں سے پورا کیا تھا۔ ایسے مواقع بھی تھے جہاں دس آدمیوں کی پوری سکیشن میں صرف ایک ہی رَفل ہوتی تھی جسے وہ یکے بعد دیگرے استعمال کرتے تھے اور جب تک دس کے دس شہید نہ ہو جاتے تھے دشمن محاذ کے اس حصے سے آگے بڑھنے نہ پاتا تھا۔ علاوہ ازیں مصطفیٰ کمال اتاترک کے جاری کردہ احکام کے ذریعہ مادی

وسائل کو بہم کر لیا گیا تھا۔ ایسے چند احکام کا ذکر مناسب ہوگا۔

ایک حکم کے مطابق ملک کے ہر خانوادے کو کہا گیا کہ وہ ایک ایک پارسل تیار کریں جس میں ایک جوڑا جراب، ایک جوڑا کارآمد جوتے اور ایسی ہی چند ضروری اشیائ یکجا کر کے فوج کے حوالے کیا جائے، تاکہ ہر سپاہی ان ضروری اشیاء کو حاصل کر سکے۔

دوسرے حکم کے تحت ہر متعلقہ دوکاندار کو کہا گیا کہ وہ اپنی دکان کی مندرجہ اشیائ کا چالیس فی صد فوج کے حوالے کر دے۔ ان اشیاء میں مختلف اقسام کے کپڑوں کے نام تھے۔ جن سے سپاہیوں کی وردیاں تیار کی جا سکتی تھیں۔ دوکانداروں کو یقین دلایا گیا تھا کہ اُن کو اس سامان کی قیمت بعد میں ادا کر دی جائے گی۔ اس فہرست میں جوتے جوتے کے کیل، موچی کے استعمال کا دھاگہ، گھوڑے کی زین اور دوسرا سازوسامان رسے، دستانے اور ایسی ہر وہ شے شامل تھی جو فوج میں کسی نہ کسی طرح استعمال میں لائی جا سکتی تھی۔

ایک اور حکم کے تحت ملک کے ہر دوکاندار کو کہا گیا تھا کہ اس کے پاس جتنی گندم گندم کا آٹا، چنا، جو، مکھن، تیل، نمک، موم بتیاں اور مٹی کا تیل موجود تھا، اس کا چالیس فی صد حصہ فوج کے حوالے کر دیا جائے۔

ایک اور حکم کے مطابق ملک کے عوام پر یہ فرض عائد کیا گیا تھا کہ اُن سے فوج کی ضروریات کے لئے باربرداری کے وسائل لے چکنے کے بعد جو تھوڑے بہت باربرداری کے وسائل بچ گئے تھے، مہینہ میں ایک بار بلا اُجرت فوجی سامان محاذ پر لے جانے کے لئے وہ بھی استعمال میں لائے جائیں گے۔[1]

[1] نطق۔ اتاترک کی تقریر۔ انگریزی ترجمہ مطبوعہ کوہلر لیپزگ ۱۹۲۹ ص ۵۲۰

ترک قوم نے باربرداری وسائل میں اپنے آپ کو بھی شامل کر لیا اور عورتوں بوڑھوں اور بچوں نے یہ فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ اس تحت میں ایک واقعہ نہایت ہی سبق آموز ہے ایک کنبہ توپوں کے گولے محاذ پر لے جا رہا تھا۔ عورت نے بچے کو شال میں لپیٹ رکھا تھا اور گولہ کاندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ جب آرام کے لئے پورا کنبہ ذرا دیر کے لئے رُکا تو عورت کو خیال ہوا کہ اس نے بیٹے کو تو شال میں لپیٹ رکھا تھا مگر گولہ سردی میں ننگا پڑا تھا جھٹ بچے سے شال لے کر اس میں گولے کو لپیٹ دیا۔ سسر جو شاید خود بھی فوج میں رہ چکا تھا جب اُس نے پوچھا کہ "کیا کر رہی ہو" تو جواب دیا کہ گولہ اگر سردی کی وجہ سے خراب ہو گیا تو ترک فوج دشمن کو کیسے شکست دے گی"۔ بیٹے کا کیا ہے اگر ملک سالم رہا اور اس کا باپ زندہ واپس آ گیا تو اللہ دوسرا بیٹا عطا کر دے گا، مگر گولہ بارود کی کمی کی وجہ سے ملک کی سالمیت اور اس کی آزادی کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

ترکوں نے یہ احکام از خود نہیں دیئے تھے وہ مسلمان تھے اور جہاد میں شریک تھے۔ اُن کے سامنے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال موجود تھی۔ وہ جہاد پر روانہ ہونے سے قبل پوری ملت کی مادی طاقت کو یکجا کر لیا کرتے تھے۔ یہ بات شاید عام طور پر معلوم نہیں کہ ترک فوج کا ہر سپاہی اپنے آپ کو محمد رسول اللہ کا سپاہی سمجھتا ہے اور افسر جب سپاہی کو بلاتا ہے تو اُسے "محمد چی"[1] کہہ کے آواز دیتا ہے۔

تیاری کے احکام کے متعلق آیہ کریمہ کے الفاظ پر ایک بار پھر توجہ دی جائے

---

[1] "محمد چی" یعنی محمد کا سپاہی۔ حضور سرورِ کونین کا ارشاد ہے کہ میری فوج قسطنطنیہ کو فتح کرے گی اس لئے ترکوں کو فخر ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے سپاہی ہیں۔

اور عہد حاضرہ کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم نے ایمان لانے کی بہت سی منزلیں ابھی طے نہیں کیں شاید اسی لئے اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا — اے ایمان والو

آمِنُوا ۴ : ۱۳۶ — ایمان لاؤ

یعنی گو ہم کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں اس کے باوجود اللہ جانتا ہے کہ ہمارے ایمان کی پختگی ابھی قابلِ اطمینان نہیں جن باتوں پر ایمان لانے کا اعادہ کیا گیا ہے وہ کیا ہیں

بِاللّٰهِ — اللہ پر

جس نے ہمیں پیدا کیا، جو ہمارا رب ہے، جو خالقِ کون ومکاں ہے جسے حیات وموت کا اختیار ہے اور جس کے بغیر کوئی مقامِ الہیت کا اہل نہیں۔

وَرَسُولِهِ — اور اس کے رسول پر

اللہ کے رسول پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ پر ایمان لانا اس لئے کہ پیغام ربانی رسول اللہ کے توسط سے نازل ہوا۔ اللہ کا رسول ہی اللہ کے پیغام کی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے اور وہی عملی طور پر اسے مخلوقِ خدا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ رسولِ خدا کے بعد جس شے پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے وہ

وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ — اور وہ کتاب جو اللہ کے رسول پر نازل کی گئی

۴ : ۱۳۶

وہ کتاب آج بھی ہمارے پاس ہے۔ اسی صورت میں جس میں وہ رسولِ خدا

پر نازل ہوئی تھی۔ اگر ہم اللہ کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ وہ اللہ جو خالقِ کائنات ہے اور جس نے انسانیت کی ہدایت کے لئے اس کتاب کو اپنے بھیجے ہوئے رسول پر نازل کیا ہے اُسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ اس کی صحت اور دوام کی حفاظت کر سکے۔ جیسا کہ خود قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ	تحقیق ہم نے خود یہ کتاب نازل کی ہے
وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○	اور یقیناً ہم ہی اُس کے نگہبان رہیں گے

۱۵ : ۹

خیال رہے کہ یہ آیت مکّہ میں نازل ہوئی تھی جب مسلمان نادار و کمزور تھے اسبابِ دنیوی میں اُن کا کہیں شمار نہ تھا اور اپنی قوّت کے بَل بوتے پر تحفظِ دین کا انہیں خیال تک نہ آ سکتا تھا۔ اس کتاب کو نازل کرنے والا رب العٰلمین ہی کہہ سکتا تھا کہ وہ خود اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ اس کتاب کا ایک ایک لفظ دوامی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنے تحفظ و بقا کے سلسلہ میں اور دُنیا میں قیامِ عدل و انصاف کے لئے اس کے احکام کے ایک ایک لفظ کو بنظرِ غائر دیکھیں اور بدلتے ہوئے زمانے کے مطابق جہاد کی ضرورت کو پورا کرتے رہیں جہاد کی تیاری سے متعلق آیہ کریمہ کے الفاظ ہم ایک بار پھر دہرانا چاہتے ہیں:۔

وَاَعِدُّوۡا	اور تیاری مکمل رکھو
لَہُمۡ	اُن کے خلاف

لفظ ان کی تفصیل اسی آیہ میں آگے چل کر یوں بیان ہوتی ہے:۔

عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمۡ	۸ : ۶۰	اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن

یعنی اے مسلمانوں اپنے دشمنوں اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف تیاری مکمل رکھو جب تک دشمن جانا اور پہچانا نہ جائے اور اس کا تعین نہ کر لیا جائے اس وقت تک یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کتنی تیاری ضروری ہو گی اور اس کی نوعیت کیا ہو گی اور اس تیاری میں جنگ کے ہتھیار کس طرح کے ہوں گے۔ وقت اور مقام کے لحاظ سے اللہ اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے دشمن بدلتے رہے ہیں اور آئندہ بھی بدلتے رہیں گے۔ دشمن کا تعین کر چکنے کے بعد ہی مسلمانوں کے لئے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی برّی طاقت کو زیادہ رکھیں یا بحری طاقت کو اور ان دونوں کے تعاون کے لئے ان کی فضائی فوج کا تناسب کتنا ہونا چاہیے۔ دشمن کی طاقت اور اس کی فنی مہارت معلوم ہونے کے بعد ہی مسلمان یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ برّی، بحری یا فضائی فوج کو کس طرح کے ہتھیار ضروری ہوں گے بلکہ افواج کی تعداد اور ان کی تربیت کی نوعیت بھی دشمن کے تعین کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔ اپنے دشمنوں کے متعلق معلوم کرنا بادی النظر میں آسان معلوم ہو تو ہو حقیقتاً انسانی گروہوں کے لئے اور خصوصاً حق و صداقت پر رہنے والی قوم کے افراد کے لئے دشمن کا صحیح طور پر معلوم کرنا ہمیشہ آسان نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ، اللہ کے دشمنوں اور اللہ پر ایمان لانے والوں کے دشمنوں کے ذکر کے فوراً بعد فرماتے ہیں:۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ	اور ان کے علاوہ دوسرے
لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ	جنہیں تم نہیں جانتے اور اللہ انہیں
۸ : ۶۰	جانتا ہے

مستقبل کا علم صرف اللہ کو ہے۔ انسان اپنے علم اور تجربہ کی بناء پر مستقبل

کے متعلق پیش بینی کی کوشش کر سکتا ہے اور اپنے اندازے کے مطابق اپنے مفاد کے تحفظ کا انتظام کر سکتا ہے۔ البتہ زندہ قوموں کے لاتعداد ایسے دشمن ہوتے ہیں جو عرصہ تک اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اور یکایک موقع ملنے پر حملہ کر دیتے ہیں۔ ایسے دشمنوں کا علم صرف ذات باری تعالےٰ کو ہو سکتا ہے۔ اس لئے اللہ کا حکم ہے کہ جب اپنے تحفظ اور دفاع کے انتظام مکمل کرنے لگو تو اپنے اور اپنے اللہ کے معلوم دشمنوں کے خلاف تیاری کے علاوہ ایسے دشمنوں کو بھی ذہن میں رکھو جو تمہارے محدود علم اور تمہاری ناقص سمجھ کی وجہ سے تم سے اس وقت پوشیدہ ہوں مگر اللہ انہیں بہرکیف جانتا ہے۔ ایسے تمام ممکن دشمنوں کے خلاف اپنی جنگی تیاریاں فنِ جنگ کے مطابق ہر وقت تیار رکھو۔

چونکہ ان غیر معلوم دشمنوں کے متعلق مسلمانوں کو پوری واقفیت کا ہونا مشکل ہو گا اس لئے تیاری کی حدود کو بہت بلند رکھا ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے جنگی تیاریوں کی حد یہ مقرر فرما دی ہے۔

"تیاری مکمل کرو . . . . ."

تاکہ

"اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن اور ان کے علاوہ دوسرے جن کا علم تمہیں نہیں اور اللہ کو ان کا علم ہے۔"

وہ تمہاری تیاریوں اور تمہاری طاقت کو دیکھ کر "کانپ جائیں" یا "ان پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔"

الفاظ ملاحظہ ہوں :-

تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ — اس سے وہ کانپ جائیں

۸ : ۶۰

آج کل اس چودھویں صدی کے اواخر میں ذہن انسانی نے ایک اصطلاح کا استعمال شروع کیا ہے اور اسے بالخصوص ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے جواز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اُسے انگریزی میں "ڈی ٹرنیٹ" کہتے ہیں یعنی اسلحہ جنگ، ہتھیاروں اور خصوصاً ایٹم اور ہائیڈروجن بم کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ کسی قوم کو حملہ کرنے یا جنگ شروع کرنے کی ہمت ہی نہ ہو سکے۔ ایمان لانے والے مسلمانوں کو اللہ نے چودہ سو سال قبل یہ حکم دیا تھا کہ ظالموں اور بنی نوع انسان کو تنگ کرنے والوں اور فتنہ برپا کرنے والوں یعنی اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کے خلاف طاقت و قوت اور فوجی ساز و سامان کو اس تعداد و مقدار میں جمع رکھو کہ تمہارے یہ معلوم و غیر معلوم اور حال و مستقبل کے تمام دشمن تمہارے تجہیزات جنگ کا خیال و تصور لا کر ہی کانپ اُٹھیں اور انہیں فتنہ و فساد بپا کرنے اور تم پر حملہ آور ہونے کی ہمت ہی نہ ہو سکے۔[۱] ہم اس واضح اور صاف نص قرآنی سے ملت اسلامیہ کی روگردانی کی تاریخ کو ان صفحات میں دہرانا نہیں چاہتے صرف اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے مختلف گروہوں نے جہاں کہیں اس آیہ کریمہ کی خلاف ورزی کی انہوں نے نقصان اُٹھایا

---

[۱] مولوی انیس احمد صاحب مسلمانوں کی کمزوری کے متعلق لکھتے ہیں "کیوں کہ (مسلمانوں) نے اسلام کے سب سے اہم فرض جہاد اور تیاری جہاد سے غفلت برتی اور قرآن مجید کے مطابق ایسی قوت حاصل نہ کی کہ ان کے دشمن خوفزدہ اور مرعوب ہوتے۔" مولوی انیس احمد - جہاد - انجمن اشاعت قرآن پاک۔ کراچی ص ۱۰۰

اور نقصان بھی ایسا کہ بعض اوقات صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیئے گئے۔ یہ نہیں کہ اس حکم سے روگردانی کرنے کی سزا سے انہیں آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ قرآن حکیم اس حکم عدولی کی سزا کی طرف بار بار اشارہ کرتا ہے اس طرح کے ایک واضح بیان کے الفاظ یہ ہیں:۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا	اگر تم لوگ (اپنی فوجوں کے ساتھ) کوچ نہیں کرو گے
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا	تو تم پر بہت بڑا عذاب ڈالا جائے گا۔
وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ	تمہاری جگہ تمہارے علاوہ دوسری قوم کو دے دی جائے گی۔
وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا	اور تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝	اور اللہ ہر شے (ہر بات) پر قادر ہے

۸ : ۳۹

اللہ اکبر! یہ مسلمان جن کو خطاب کرتے ہوئے الہ العالمین نے فرمایا ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ	اور تم ہی غالب رہو گے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝	اگر تم ایمان رکھتے ہو

۳ : ۱۳۹

اور جن کے ساتھ وعدہ کیا تھا، اس اللہ نے وعدہ کیا تھا جس کے وعدے سچے ہوتے ہیں

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ	اللہ کا وعدہ، اللہ کا وعدہ پلٹایا نہیں جاتا

اور اللہ کا وعدہ کتنا صاف اور واضح تھا مگر ہم نے ہی اس کی طرف توجہ نہ کی۔

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ — اگر اللہ نے تمہاری مدد کی
فَلَا غَالِبَ لَکُمْ — تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا

۳ : ۱۶۰

اسی قوم کے افراد صدیوں تک حکومت کرنے کے بعد ہسپانیہ سے جب نکالے گئے تو باقی ماندہ ملّت نے اپنے فرائض یکسر بھلا دیئے۔ پھر اسی ملت کے افراد کریمیا سے جب نکالے گئے تو اس ملت کے دوسرے افراد کو خبر تک نہ ہوئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور بالآخر اس ملت کا مشرقی یورپ میں قتلِ عام ہوا اور وہاں سے بھی نکال دیئے گئے اور ان کی جگہ دوسروں کو دے دی گئی اور یہ قوم پھر بھی خوابِ خرگوش سے بیدار نہ ہوئی حتیٰ کہ ایسا وقت بھی آیا جب اس ملت کے کروڑوں افراد کے پاس اللہ کی اس وسیع دنیا میں ایک چپہ سرزمین ایسی نہ رہ گئی جہاں وہ اپنا پرچم اور اس کے ساتھ اللہ کا نام سربلند کر سکتے اور تعجب ہے تو اس بات کا کہ اِن صدہا مصیبتوں، صعوبتوں اور ظلم وستم اور قتل وخون کی پے در پے وارداتوں کے بعد بھی مسلمانوں کی چشمِ عبرت کھل نہیں ہو سکی۔ حالانکہ ان کو نہایت واضح طور پر کہا گیا ہے:۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار — اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔
۵۹ : ۲

ہم نے جنگ کی تیاری کے حکم قرآنی کے شروع کے الفاظ بیان تو کئے تھے۔ البتہ ان کے پیدا کردہ چند سوالات پر غور نہیں کیا۔ مناسب ہوگا کہ وہ الفاظ ایک بار پھر دھرائے جائیں۔

وَاَعِدُّوْا لَہُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ — اپنی پوری طاقت کے مطابق انکے خلاف

جنگ کی تیاری کرو

مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ — اپنی ہر طرح کی قوت اور گھوڑوں کی قطاروں پر مشتمل۔

اس آیت سے جو حکم واضح ہوتا ہے وہ "مکمل تیاری" کا ہے البتہ مندرجہ ذیل نکات بھی اس آیت کے الفاظ میں شامل ہیں:۔

۱۔ تیاری پوری ملی طاقت پر مشتمل ہو۔ ملی طاقت میں صرف ملت اسلامیہ کی حکومتوں کا اثاثہ ہی شامل نہیں بلکہ ہر کلمہ گو کے پاس جو کچھ ذہنی اور مادی یا روحانی طاقت موجود ہے اس کا شمار مَا اسْتَطَعْتُمْ میں ہوتا ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایسی تنظیم، ایسا لائحہ عمل اور ایسے منصوبے ہیں جن پر اگر ملت اسلامیہ عمل کرے تو ملت کی انفرادی اور اجتماعی طاقت کو یکجا کر کے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا جا سکے گا۔

۲۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مَا اسْتَطَعْتُمْ کہہ چکنے کے بعد ضروری سمجھا کہ انسان کہیں اپنی پوری استطاعت کو فقط انفرادی طاقت ہی نہ سمجھ بیٹھے اس لئے جن چیزوں کے فراہم کرنے کا بالخصوص ذکر کر دیا گیا ہے وہ جنگی قوت ہے جس میں گھوڑوں کی قطاریں شامل ہوں یہاں ہر دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔

جنگی قوت دو قسم کی ہو سکتی ہے۔

ایک جسے آجکل قائم فوج کہا جاتا ہے اور دوسری جسے لام بند یا عمومی فوج کہا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ قائم فوج زمانہ امن میں بھی موجود رہتی ہے اور لام

بندفوج ان افراد پرمشتمل ہوتی ہے جنہیں تجنیدا جباری یا جبری بھرتی کے قانون کے تحت ایامِ جنگ کے لئے ہی بلایا جاتا ہے۔ البتہ لام بند فوج کے افراد کو زمانۂ امن میں ایک یا دو سال کے لئے بنیادی فوجی تربیت حاصل کرنے کے لئے صفوں میں شامل ہونا پڑتا ہے اور پھر وہ حسبِ ضرورت تربیت تازگی کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی اس آیت میں محض جنگی قوّت کے ذکر سے بہ وقت اور مقام کے مطابق خود مسلمانوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جنگی قوّت کا بیشتر حصہ قائم فوج پر مشتمل کریں گے یا لام بند فوج پر، البتہ ایک دوسری جگہ لام بند فوج کی طرف اشارہ موجود ہے[1] جسے کرنل شیر محمد س۔ ج کے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے۔" ہر مسلمان ایک سپاہی ہے جسے جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے[2]"

ب :۔ دوسرا اہم سوال جو ان الفاظ نے حل کیا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ قائم فوج ہر صورت میں مسلمانوں کو رکھنی چاہیئے۔ گھوڑوں کی قطاریں جب ہمہ وقتی ہوں گی تو وہ قائم فوج کی صورت اختیار کر لیں گی۔ گھوڑوں کی قطاروں اور چھاونیوں کے ذکر سے ایک ذیلی مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ گھوڑوں کی قطاروں کو ہمہ وقت قائم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ سواری کے لئے مسلسل تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے۔ مزید براں انکی تیز رفتاری اور حرکیت کی وجہ سے وہ دشمن کے حملہ کرنے کے بعد لمحوں کے اندر تیار ہو سکتے ہیں اور جس مقام پر دباؤ زیادہ پڑ رہا ہو اسی پر پہنچائے جا سکتے ہیں

---

[1] دیکھیں صفحہ ۹۳ اور ۹۴

[2] لفٹنٹ کرنل شیر محمد۔ "قرآن میدان جنگ میں" سیارہ ڈائجسٹ لاہور فروری ۶۹ء ص ۱۴۰

گھوڑوں کی قطاروں سے ایک اجتہادی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر گھوڑوں کو اور یوں کہیے کہ سوارہ فوج کی خصوصیات کو مد نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا فائدہ ان کی تیز رفتاری اور حرکیت میں مضمر ہوتا ہے۔ آج کل سائنس کی ترقی نے موٹر، ٹینک اور ہوائی جہاز کو سوارہ کی خصوصیات گھوڑ سوارہ سے زیادہ عطا کر دی ہیں۔ ہماری نگاہ میں آج کی ملتِ اسلامیہ پر سوارہ کے ان تازہ ترین گھوڑوں یعنی موٹر، ٹینک، ہوائی جہاز اور ان کے بعد آنے والی سواریوں کی قطاریں قائم رکھنا چاہیئے۔

ہم معذرت کرتے ہوئے ایک اور اجتہادی نکتہ پیش کرنے کی جرأت کرینگے وہ یہ ہے کہ اس آیت کے تحت ملتِ اسلامیہ کا فرض معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف عصرِ حاضر کے گھوڑوں کی قطاریں قائم رکھے بلکہ اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وقتِ ضرورت اُسے ایسے گھوڑوں کی قطاریں دستیاب ہوتی رہیں اس کے یہ معنی ہوئے کہ آج کل کے زمانے میں

اَعِدُّوا لَهُمْ" میں ٹینک، موٹر، ہوائی جہاز، توپ، بحری جہاز اور ایٹم بم کے تیار کرنے کے کارخانوں کا وجود بھی شامل ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر ان کارخانوں کے قیام، نئی نئی تحقیقات جاری رکھنے کی ضرورت اور دشمن سے ایک قدم آگے رہنے کا حکم ہم پر یہ بھی فرض عائد کرتا ہے کہ ہم سائنس اور تکنیکی علوم کی درس گاہیں حسبِ ضرورت مہیا کریں اور یہ تمام کام جہاد کے فرائض میں شامل ہوں گے۔

ج:۔ تیسری بات، جو اس جنگ کی تیاری کے فرض کا نتیجہ ہے وہ ملت کے لئے خوراک کے معاملے میں خود کفیل ہونا ہے، حقیقت میں جنگ کی تیاری کے تحت معاشرے کے تمام اجتماعی مسائل آجاتے ہیں البتہ خوراک ایک ایسا مسئلہ ہے

جو وقت اور مقام کی پابندیوں سے بالاتر ہے اور تقریباً ہر جنگ میں شریک ہونے والوں کو ہر زمانے میں اس اہم پہلو کو نگاہ میں رکھنا پڑتا ہے۔ دونوں عالمی جنگوں میں جرمنی کے لئے خوراک مہیا کرنے کا مسئلہ بہت ضروری تھا اور اگر اُسے خوراک کے معاملے میں اتنی محنت نہ کرنی پڑتی تو وہ ان ہی اخراجات کو گولہ بارود اور دوسری خالص جنگی اشیائ مہیا کرنے پر خرچ کر سکتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملت کے وہ افراد جو خوراک پیدا کرنے اسے انباروں میں رکھنے اور اس کی نقل و حرکت پر مامور ہیں وہ بھی جہاد میں شریک ہیں۔ اب ملک و ملت کی انتظامیہ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ملت کی افرادی قوت کا منصوبہ اس محنت سے تیار کرے کہ ہر شخص اپنی صلاحیت و قابلیت کے مطابق جہاد کے فرائض انجام دے سکے۔

محاذ پر جہاد کا فرض ادا کرنا اور معنی رکھتا ہے اور عقب میں رہ کر دوسرے فرائض انجام دینا کمتر درجہ رکھتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان بجز اُن
غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ	کے جو معذور ہوں
وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اور لڑنے والے مسلمان جنہوں نے اللہ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کیا ہو
فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ	اپنے مال اور جان سے جنگ کرنے والوں
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	کو اللہ نے درجے میں بڑائی عطا کی ہے
عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً	ان پر جو بیٹھے رہے
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى	مگر سب کو اچھائی کا وعدہ کیا ہے

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ۴ : ۹۵

اور اللہ نے جنگ میں شامل ہونے والوں کو بیٹھنے والوں سے بڑے درجے عطا کیئے ہیں۔

درست اگر ملک و ملت کے سبھی افراد ہتھیار بند ہونا چاہیں تو عسکری انتظامیہ کے لئے مشکل ہو جائے گا کہ کسے محاذ کے لئے چنا جائے اور کسے عقب کے فرائض سونپے جائیں۔ گزشتہ چند صدیوں کے غیر اسلامی ماحول نے اسلامی ممالک کے اکثر افراد سے "مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ" کا جذبہ سرد کر دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت ملتِ اسلامیہ کے اکثر ممالک کی اکثریت جنگ سے جی چُراتی ہے اور اُن کی تباہی و بربادی اور سیاسی و اقتصادی محکومی کی اصل وجہ بھی یہی ہے اس وقت خود پاکستان کے اندر ایسے طبقے موجود ہیں جو جہاد کے فرائض کو زبان سے تائید کرنے کے ذریعہ پورا کرنے کے قائل ہیں۔ ان طبقات میں امیر اور تجارت پیشہ گروہوں کی افراط ہے ممکن ہے ایسے گروہ بھی موجود ہوں جو پاکستان کے وجود کی وجہ سے بے بہا دولت کے ذخیروں کے مالک بن چکے ہیں۔ مگر ان گروہوں کے ہزاروں افراد میں سے ایک فرد بھی جہاد کے فرائض انجام دینے پر نہ رضا مند معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی اُس کے قابل نظر آتا ہے۔ ایسے گروہوں کے افراد ممکن ہے دولت کے ذریعہ جہاد سے معافی خرید لینے کے اُمیدوار ہوں مگر ہماری رائے میں اگر وہ اپنی پوری دولت بھی جہاد کے لئے خزانہ عامرہ میں منتقل کر دیں تب بھی اُن کو وہ درجہ عطا نہیں ہو سکتا جو ہتھیار بند مجاہدوں کو اللہ نے عطا کیا ہے۔

اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے اشخاص کو جہاد میں ہتھیار بند

ہو کر شرکت کرنے کا شوق دلائیں اور ساتھ ہی ساتھ مناسب تربیت کے ذریعہ انہیں اس قابل بنائیں کہ وہ میدانِ جنگ میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو سکیں ہمیں یقین ہے کہ

وَاَعِدُّوا لَہُمۡ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ

میں اسلامی حکومتوں کے فرائض میں یہ فرض بھی شامل ہے۔ حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تبارک وتعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو جنگ میں شریک ہونے کی ترغیب دیتے رہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ — اے نبی مسلمانوں کو جنگ کا شوق دِلا

۸ : ۶۵

اس لئے کہ جنگ کا شوق اور وہ بھی فی سبیل اللہ جہاد کا شوق ہی کسی قوم کو زندہ رہنے کے قابل بناتا ہے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کو جنگ کا شوق دلانا آج بھی حکومتِ وقت کے فرائض میں شامل ہے اور ملک وملت کے سربراہوں سے جہاں اور کاموں کے لئے پرسش ہوگی وہاں اس فرض کی ادائیگی کے متعلق بھی پرسش ہوگی۔ یہ آیت لام بند فوج کی موجودگی پر بھی دلالت کرتی ہے اس لئے تمام مومنوں کو شوق دلانے سے پوری قوم ہتھیار بند ہو سکتی ہے اور اتنی بڑی قائم فوج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ملک وملت کے بعض حلقے تو محض ذہنی اور جسمانی نااہلیت کی بنا پر ہتھیار بند ہو کر جہاد میں شریک ہونے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض حلقے گو عمداً جہاد سے محروم رہنے کی کوشش تو نہیں کرتے مگر اتفاقیہ طور پر وہ جہاد میں شرکت

کی سعادت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ البتہ قوم کے اندر ایسے گروہ بھی ہوتے ہیں جو منافقت کی وجہ سے جہاد سے بچتے رہنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی یہ کوشش مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے۔ آجکل کے زمانے میں بعض اپنی دولت کو کاروبار سے نکال کر چاندی اور سونے اور زیورات کی شکل میں محفوظ کر لیتے ہیں بعض اپنی دولت کو ملک کے باہر لے جاتے ہیں اور یوں قوم کی دفاعی قوتوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور بعض تحریراً یا تقریراً ملک کی جنگی تیاریوں کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں بعض بیرونی ملکوں کو اپنی خدمات دے کر طرح طرح سے ملک کے راز دشمن تک پہنچاتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں شمار کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بیرونی نظریات کا شکار ہو جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو درست سمجھتے ہوں گے مگر ان سب کو اللہ تعالےٰ منافق قرار دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وَقِيلَ لَهُمْ	اور جب ان سے کہا گیا
تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا	کہ آؤ۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا اپنے گھر ہی کا دفاع کرو
قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ	تو بولے اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ شریک ہوتے
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ	وہ لوگ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں
يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ	یہ لوگ منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتا

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ ۝ — اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

۳ : ۱۶۷

ایسے افراد اور ایسے گروہوں کی ملت میں کمی نہیں اور ایسے ہی افراد نے دنیائے اسلام کی گردنوں میں صدیوں تک طوقِ غلامی ڈالے رکھا جب یورپ نے اسلامی ممالک کو اپنی جوعِ ارض اور دولت کا نشانہ بنایا تو ایسے مسلمان سربراہانِ مملکت کی کمی نہ تھی جنہوں نے پڑوسی مسلمان نوابوں، شاہوں، بادشاہوں اور امیروں کی سرزمین پر قبضہ جمانے کے لئے یورپی ممالک کا ساتھ دیا اور پھر کچھ عرصہ بعد خود اسی یورپی ملک کے تسلط میں آنے پر مجبور ہو گئے ایسے مسلمان بادشاہ اور وزیر اور مشیر اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم یورپی ممالک کے مقابلے کے قابل نہیں اس لئے ان کا تسلط قبول کر لینا عین قرینِ مصلحت ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی لوگوں کے متعلق اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرمایا تھا۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً — اور اگر وہ جنگ کے لئے نکلنا چاہتے تو ضرور اس کام کے لئے اسباب تیار کرتے۔

وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ — اور اسی لئے اللہ کو بھی اُن کا اٹھنا (اور جنگ کرنا) پسند نہ آیا

فَثَبَّطَهُمْ — اور انہیں بوجھل کر دیا (بدن اور دولت میں وزنی کر دیا تاکہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہیں)

وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ۝ — اور کہا کہ بیٹھنے والوں (عورتوں اور نادارں) کے ساتھ بیٹھے رہو۔

۹ : ۴۶

یہ آیت ایسی واضح ہے کہ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد کی آیت پڑھ کر بدن کا رواں رواں کانپ جاتا ہے اور اقبال رح کا مشہور شعر ذہن میں آجاتا ہے

گاہ او را با کلیسا ساز باز
گاہ پیش دیریاں اندر نیاز

ایسے ہی افراد نے ملّت کی سیاسی موت کو پچھلی صدی میں مکمل بنا دیا تھا۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں :۔

وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ	اور تم میں اُن کی طرف سے سننے والے (جاسوس) موجود ہیں
وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالظّٰلِمِينَ	اور اللہ ظالموں (اندھے جاہلوں) کو خوب جانتا ہے۔
۹ : ۴۷	

اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اپنے ہی مسلمان ملک اور مسلمان ملّت کے مفاد کے خلاف کفّار کی مدد کرے اور محض چند سونے چاندی کے سکّوں کو اپنا معبود بنا لے۔ اگر ایسے مسلمان میں ایمان کی رمق بھی باقی ہو تو وہ ایسا کام نہ کریں۔ انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ کی تیاری میں یعنی وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ کے فرض کی ادائیگی میں یہ بھی شامل ہے کہ ایسے ملّت فروش اشخاص کا پتہ لگتا رہے اور ایام امن میں ایسے لوگوں کی فہرستیں تیار رہیں جو ثقافتی، ادبی اور برائے نام انسان دوستی کی انجمنوں کے رکن بنے رہتے ہیں جن کا صدر مقام ملک کے باہر ممکن دشمنوں کے ملک میں ہوتا ہے۔ آج کل کی جنگی استخبارات، صنعت و حرفت، تجارت، زراعت، آبپاشی رسل و رسائل اور دوسرے ایسے ہی شعبوں کے اعداد و شمار پر مشتمل ہوتی ہے۔ مغرب کے

ممالک نے مختلف ناموں سے بہت سی بین الاقوامی انجمنیں بنا رکھی ہیں جن کا ظاہری مقصد خدمتِ خلق بتایا جاتا ہے اور جن کی رکنیت ترقی پذیر ممالک کے کوتاہ نظر تاجروں اور صنعت کاروں کو دی جاتی ہے اور اُن کے ذریعہ ایسے اعداد و شمار جمع کر لئے جاتے ہیں جو زمانہ جنگ میں ملکی دفاع کے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اگر ایسے کم نظر افراد از خود ان انجمنوں کی رکنیت سے دست بردار نہ ہوں تو اُن کے ہاتھ سے ملک کی تجارت اور صنعت لے لی جائے۔ ایسی نام نہاد جمہوریت ملک و ملت کے لئے سمِ قاتل کا مقام رکھتی ہے جس کے ذریعہ ملک کے دفاعی راز دشمنوں تک پہنچ جائیں۔

جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں ایک ملکی و ملی کام ایسا ہے جس کی طرف اسلامی دُنیا نے ابھی تک توجہ نہیں دی بلکہ اس طرف توجہ مختلف اسلامی ممالک نے اپنے اپنے دفاعی نکتہ نگاہ سے بھی نہیں دی۔ یہ مسئلہ ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کا ہے۔ دفاع چاہے ایک ملک کا ہو یا پورے خطّے کا، دفاعی منصوبوں پر اس وقت تک کاربند نہیں ہوا جا سکتا جب تک کہ حسبِ ضرورت دفاعی قوار صحیح وقت اور صحیح مقام پر نہ پہنچائی جا سکیں۔ دفاعی قوار کی نقل و حرکت اور ان کے رسل و رسائل کے لئے سڑکوں، ریلوں، ہوابندروں، سمندری رصیفوں اور بڑے بڑے گوداموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کا بنانا جہاد کی تیاری اور جہاد کا ایک حصّہ ہے۔ اسلامی دنیا کی اور مختلف اسلامی ممالک کی ان ضروریات کو پورا کرنے سے ہمیں یقین ہے کہ ایامِ امن کے تجارت اور صنعت و حرفت کو بھی فروغ حاصل ہو گا مگر ملک میں ریلوں موٹروں، سمندری جہازوں اور ہوائی جہازوں یا اُن سے متعلق تنصیبات کو مہیا اور

تیار کرتے وقت ایام جہاد کی ضروریات کو مدنظر رکھنا از بسکہ لازمی ہے اس کے بغیر تائید ایزدی کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اللہ تبارک و تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ	اور جو کچھ تم خرچ کرو گے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	اللہ کی راہ میں
یُوَفَّ اِلَیْکُمْ	وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا

۸ : ۶۰

جہاد اور جہاد کی تیاری دونوں کام ہم پر اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرض کئے ہیں اور اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کاموں پر تم جو کچھ خرچ کرو گے وہ خرچ اللہ کی راہ میں تصور کیا جائے گا اور وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا۔ اس صورت میں یہ بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی قوم یا ملک اِن اخراجات کو اپنے لئے بوجھل سمجھے یا اگر وہ صدق دل سے اِن ضروریاتِ جنگ پر قومی و ملکی دولت خرچ کرے اور اُس سے اُسے دنیا و آخرت بلکہ ایام امن یعنی بہر نوع فائدہ نہ ہو۔ جہاد کے اخراجات پر آئندہ باب میں مزید روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ سردست ہم جہاد کی تیاری کے متعلق اللہ تبارک و تعالےٰ کے ارشادات پر مزید ہدایات حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھیں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہاد کی تیاری بجا البتہ اس کی حد کیا مقرر کی گئی ہے حضور سرور کائنات کے لائے ہوئے پیغام ربانی میں اللہ تعالےٰ کے الفاظ میں جو بات آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل کہی گئی تھی اسے آج ایٹمی دور میں فی سبیل اللہ نہیں بلکہ دنیا کو فتح کرنے کی کوشش کی ناکامی کے بعد کیا جا رہا ہے اب چونکہ ایٹم

اور ہائیڈروجن بمب انجمن کے اراکین یورپی اور امریکی ممالک کے علاوہ بھی بن گئے اب ان تباہ کن ہتھیاروں کو امن کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایٹم بم جنگ کو روکنے کا ایک ذریعہ ہے۔ چونکہ ایٹم بم کی تباہ کاریاں کسی ملک کو منظور نہیں ہو سکتیں اس لئے ایٹم بم کی موجودگی دشمنوں کو لرزہ براندام کر دیتی ہے اس خیال کو قرآن کریم جہاد کی تیاری کی حد کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی کے الفاظ پر ایک بار پھر غور فرمائیے۔

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ — ان کے مقابلے کے لئے اپنی پوری طاقت کے مطابق جنگ کی تیاری کرو۔

مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهٖ — تاکہ ان سے وہ کانپ جائیں (ان پر تمہاری طاقت کی دھاک بیٹھ جائے) (تیاری کی حدود مقرر کی گئی ہے جس کے مکمل ہونے پر دشمن کو ہمت نہ پڑے کہ وہ تم پر حملہ آور ہو یا تمہاری موجودگی میں کسی نادار انسانی گروہ پر مظالم کرنے کی ہمت کرسے)

یہاں پر بہتر ہو گا کہ ہم قرآنِ حکیم کے الفاظ میں "لَهُمْ" ان کے مقابلے کے لئے) کی بھی وضاحت پیش کر دیں۔ جن کے خلاف تیاری کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

تُرْهِبُونَ بِهٖ — تاکہ وہ اس (تیاری) سے کانپ جائیں۔

اور وہ کون ہیں:-

عَدُوُّ اللّٰہِ	اللہ کے دشمن (یعنی انسانیت پر مظالم کرنے والے جو اس لئے انسانوں پر ظلم روا رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ اور یوم حساب پر ایمان نہیں)
وَ	اور
عَدُوَّکُمْ	اور تمہارے دشمن (مسلمانوں کے دشمن جب مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ اسی لمحہ اللہ کے دشمن بھی بن جاتے ہیں اس لئے کہ دنیا میں شر و فساد کا باعث بنتے ہیں جب مسلمان اپنے دفاع کے لئے میدان کارزار کا رُخ کرتا ہے تو اللہ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوتا ہے اور اس کا ہر خیال، ہر قول اور ہر فعل اللہ کی راہ میں گنا جاتا ہے)

اس کے بعد کے الفاظ فوق الانسانی دور اندیشی کا پتہ دیتے ہیں ارشادِ ربانی ہے:-

وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ	اور ان کے علاوہ دوسرے بھی
لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ	جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ ان کو جانتا ہے۔

سبحان اللہ! ان الفاظ پر غور کرنے سے تاریخِ عالم کی وہ سبق آموز جھلکیاں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں جن پر اگر مسلمان غور کرتے رہتے تو مغرب کی سیاسی اور اقتصادی غلامی پر مجبور نہ کئے جاتے۔ مولوی انیس احمد صاحب نے مسلمانوں کی غفلت کو نہایت سادہ الفاظ میں پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:" قرآن مجید کی واضح اور ظاہر تعلیم ہے کہ جہاد کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا۔ اور مسلمان عام طور پر جہاد کو فرض بھی نہیں سمجھتے، ورنہ اس کی تیاری کرنے کی تڑپ ان میں ہوتی۔ مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن ان سب فرائض سے زیادہ اہم فرض جہاد اور تیاری جہاد سے غافل ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام دنیا میں مغلوب اور کمزور ہوئے ہیں اسلام کی تعلیم کا نتیجہ غلبہ اور فتح ہے"[1]

جنگ کی تیاری کے حکم کے ذکر سے جنگ کے آلات، اسلحہ اور ہتھیاروں کی ساخت میں جو خام مواد سب سے زیادہ استعمال ہوتا آیا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے اس کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ لوہے کے استعمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ | اور ہم نے لوہا نازل کیا (اللہ نے یوں تو پوری کائنات کو تسخیر انسانی کا میدان بتایا ہے مگر جن کار آمد اشیاء کا خاص

---

[1] مولوی انیس احمد صاحب بی اے (علیگ) جہاد۔ انجمن اشاعت قرآن پاک کچہری روڈ۔ کراچی۔ ص۔ ۱۱/

طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں لوہے کو
اس لئے ممتاز حیثیت حاصل ہے کہ اس
کے ذریعہ اللہ کی دنیا میں عدل وانصاف
قائم کیا جا سکتا ہے)

فِيهِ بَاسٌ شَدِيدٌ

اس میں سخت طاقت پوشیدہ ہے
(حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی
کا فیصلہ اس کے استعمال سے ہوتا ہے
حق اگر اللہ کے احکام کے مطابق اپنا
اور اپنے نظریات کا دفاع نہ کر سکے تو
وہ حق نہیں رہتا، اس لئے کہ باطل کے
سامنے وہی سرنگوں ہوتے ہیں جن کی
صداقت داغدار ہوتی ہے۔ البتہ جب
حق وصداقت کے دعویدار حقیقی معنوں
میں اللہ کے احکام پر کار مند ہوتے ہیں
تو باطل ان کے سامنے اس طرح کافور
ہو جاتا ہے جس طرح سورج کے نکلتے
ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے۔)

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

اور انسانیت کے لئے بڑے فائدے ہیں
(دفاع ملک وملت اور نظریات و اعتقادات

کے دفاع و تحفظ بلکہ ملت کے بقا و استحکام
جیسے عظیم فائدے کے علاوہ صنعت و
تجارت کے میدان میں جو ذیلی فائدے
بہم پہنچتے ہیں۔ ان کا شمار ہی نہیں کیا جا
سکتا۔ آج کی دنیا میں وہ قوم زندگی سے
محروم کر دی جاتی ہے جو لوہے کے
استعمال سے ناواقف رہنے کی غلطی کرتی
ہے۔ یوں کہئے کہ لوہے کے اندر نہ صرف
فتح و کامرانی کا راز مضمر ہے اور صنعت و
تجارت کے فائدے ہیں بلکہ دنیا کی تمام
مسرتیں اور ذہن اور بدن کے جتنے لوازمات
ہیں وہ صرف ان انسانی گروہوں پر
فراواں کیے جا سکتے ہیں جو لوہے کے
ڈھالنے کے راز کو کما حقہٗ معلوم کر لیتے
ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ لوہے کے
استعمال اور اس کے راز داں ہونے والے
مسلمان اللہ کے احکام کی پابندی کرنے
کے قابل ہو جاتے ہیں اور وقت آنے پر
اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اس کی

برتری وبزرگی کی شہادت دے کر زندگیٔ جاوید سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اللہ کریم کا ارشاد ہے:۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۝

اور تاکہ (اس کے ذریعہ) اللہ معلوم کرے کہ کون اللہ اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے (یعنی اللہ کے احکام کی تعمیل میں میدانِ کارزار کا رُخ کرتا ہے اور محض ایمان بالغیب کی بنیاد پر۔ علاوہ بریں دیکھنے دکھانے کے لئے نہیں، اللہ کو جتانے کے لئے نہیں بلکہ محض اس کی حکم کی تعمیل سے تسکین حاصل کرنے کے لئے اور اسے راضی کرنے کے لئے۔ جب کوئی انسانی گروہ اس طرح لوہے کا استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی اس کی مدد کرتا ہے۔)

ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی توجہ اس حکم کی تعمیل کی طرف دلائی جائے تاکہ وہ اپنی دنیوی زندگی میں دشمنوں کے خوف وہراس سے نجات حاصل کرسکیں یہ شوق دلانا بھی ایک طرح سے انہیں جنگ کے شوق یعنی جہاد میں شریک ہونے کے مترادف ہے اور یہ شوق دلانا حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ "مسلمانوں کو جنگ کا شوق دلاؤ" کے ہم معنی ہوگا۔

مسلمان اگر کسی معجزے کے منتظر رہیں گے تو نہیں نہ معلوم کب تک اس انتظار میں رہنا پڑے اور یقیناً اس انتظار کا ہر لمحہ حکم عدولی اور بغاوت کا لمحہ ہو گا۔کسے انکار ہو سکتا ہے کہ اللہ سے بغاوت کرنے والے اور اس کی حکم عدولی کرنے والے اس کی بارگاہ سے معجزات کے اُمیدوار نہیں بن سکتے۔اس کی جانب سے معجزات ہوتے رہے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ہاں شرط یہ ہے کہ مسلمان جہاد سے متعلق احکام ربّانی اور خصوصاً جہاد کی تیاری کے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں ان پر عمل پیرا ہوں، کامیابی کا وعدہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے کیا ہے:۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے حق میں پہلے ہی ہمارا حکم صادر ہو چکا ہے۔

۳۷ : ۱۷۱

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝

اور وہ یقیناً صرف ان ہی کی مدد کی جائے گی۔

۳۷ : ۱۷۲

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝

اور یقیناً ہماری فوج ہی غالب ہو گی۔ (جس فوج کی اللہ تعالےٰ مدد کرتا ہے وہ فوج اسی کی بن جاتی ہے اور اللہ تعالےٰ یقین دلاتے ہیں کہ اُن کی فوج ہی غالب رہے گی۔)

ایک اور جگہ بھی ارشاد ہوتا ہے۔

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝

اور اللہ کی فوج یقیناً غالب آئے گی۔

۵ : ۵۶

اگر اللہ مسلمانوں کی افواج کا حامی اور ان کے کاموں میں مددگار ہو تو اس سے زیادہ انہیں کیا چاہیئے۔

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ — اور اللہ نے مسلمانوں کی جنگ اپنے ذمہ لے لی۔

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا — اور اللہ طاقت ور اور زبردست ہے

۳۳ : ۲۵

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان قوم بحیثیت مجموعی اللہ کے ان احکامات پر کاربند ہوں جو ان کی اجتماعی حیثیت کے متعلق دیئے گئے ہیں۔ فرد وہی احکام مان سکتا ہے جو فرد کے لئے ہوں۔ وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ حج میں شرکت کر سکتا ہے۔ نماز باجماعت کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ جہاد کے لئے ملکی دلی فوجوں کی صفوں میں کھڑا ہو سکتا ہے اور طہارت و نظافت کے احکام کی پابندی کر سکتا ہے مگر فرد کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مسلمانوں کے حج ادا کرنے کو اور اسے غیروں کے دخل سے محفوظ رکھنے کو اپنے ذمہ لے سکے۔ فرد دشمنوں کی مخالفت کے باوجود نماز کے قیام کی ذمہ داری بھی نہیں لے سکتا، فرد جہاد کی تیاری اور جہاد کے لئے فوجوں کی تشکیل کے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ یہ اجتماعی ذمہ داری کے کام ہیں اور فرد ایسے معاشرے کی تشکیل میں معاون ہو سکتا ہے۔ اس کا پورا انصرام و انتظام اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ یہ ذمہ داریاں قوم و ملک اور ملت کی اجتماعی حیثیت میں ہیں اور جب تک ملک و ملت من حیث المجموعی ان کاموں کی طرف متوجہ نہ ہوں ان کا انجام پذیر ہونا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے جہاں قوموں کی ترقی کا ذکر ہے وہاں

قوم کا ذکر آیا ہے افراد کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ الفاظ ہیں :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ	یقیناً اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا۔
حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ	جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلیں

۱۳ : ۱۱

قوموں میں بلندی و پستی کے مواقع آتے رہتے ہیں مگر آپ اُن کی ہر بلندی اور ہر پستی کے پیچھے اس قوم کے افراد کے اتحاد یا فقدانِ اتحاد کو کارفرما دیکھیں گے وسائل تو ہر قوم کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ دولت و فراوانی کے اصل وسائل تو وہ خود انسان ہوتے ہیں جن کے منظم اجتماع کو قوم کا لفظ دیا جاتا ہے۔ وہ جب منظم و متحد ہو کر اور اندرونی خلفشار سے آزاد ہو کر زمین و آسمان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دریاؤں کے رُخ موڑ کر لہلہاتی کھیتاں وجود میں لے آتے ہیں اور پہاڑوں کے سینوں سے لوہے کے انبار نکال کر آسمانوں اور سمندروں کی سیر کے لئے ذرائع نقل و حمل تیار کرتے ہیں اور جب کوئی دستِ فتنہ گران کی عزّت و حرمت کے پردوں کو چاک کرنے کے لئے اٹھتا ہے تو وہ اللہ کا نام لے کر اس ہاتھ کو کاٹ پھینکتے ہیں مگر ان کے ان تمام کاموں کا رُخ تعمیل حکم ربّانی ہونا چاہیئے۔ ورنہ اگر وہ اِن کاموں کا مقصد ملکی یا قومی خوش حالی اور دولت کی فراوانی مقرر کریں گے تو اُن کے افراد بھی فرداً فرداً دولت کے انبار جمع کرنے کے درپے ہو جائیں گے اور پھر نفسا نفسی کا ایسا فتنہ پیدا ہو جائے گا کہ ملک و قوم کی خوش حالی کی بجائے غربت و تباہی کے بادل ہر طرف اُمڈتے نظر آئیں گے۔ قومی و ملکی بہتری اور ترقی کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ ملک و ملّت کا ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے سرانجام دیا جائے

اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے انفرادی اور ملّی دولت کو مجتمع کر کے اسے صحیح طور پر استعمال کیا جائے۔ ایسی ہی محنت مخلصانہ ہوتی ہے اور ایسی محنت کو اللہ کبھی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ ارشادِ ربّانی ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝	اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا
۹ : ۱۲	

جہاد کے اخراجات اور وسائل

جہاد کی تیاری جس طرح وقت اور محنت طلب ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے لئے زرومال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ کے لئے مادی سازوسامان کی ضرورت بدیہی ہے اور سازوسامان زرومال خرچ کرنے کے بغیر تیار نہیں ہو سکتا دنیا کے کسی بھی دور کا کوئی بھی معاشرہ کیوں نہ ہو اُسے وقت اور مقام کے لحاظ سے سازوسامان اور اسلحہ وہتھیار فراہم کرنا ہوتے ہیں۔ ان اشیار کو تیار کرنے پر لاکھوں کروڑوں ٹن لوہا اور دوسری دھاتوں کو استعمال کرنا ہوتا ہے یہ دھاتیں سینہ کوہ سے کھود کر نکالنی ہوتی ہیں اور تب جا کر کہیں جہاز، ہوائی جہاز، ٹینک توپیں، مشین گنیں اور بندوقیں اور ان سب کا گولہ بارود تیار ہوتا ہے اس وسیع پیمانے پر سازوسامان کی تیاری اور فراہمی، اس کو محفوظ جگہ پر انبار کرنا، اس لاانتہا سامان کو انباروں اور ذخیروں سے محاذ تک لے جانے اور پھر اُسے فوج کی ہر وحدت تک حسب ضرورت اور صحیح وقت پر پہنچانا منا سب منصوبہ بندی محنت اور صرف زر کے بغیر ممکن نہیں۔

اس قدر وسیع پیمانے کے اخراجات مہیا کرنے کے لئے اگر مناسب تیاری نہ کی جائے تو جہاد کی تیاری مکمل نہیں ہو سکتی جس طرح جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے اسی

طرح جہاد کے اخراجات میں شریک ہونا بھی ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ	اللہ نے مسلمانوں کی جانیں اور ان کا مال خرید لئے ہیں (جب مسلمان میدانِ جہاد میں اُترآتا ہے اور جہاد کے ہتھیاروں کے لئے اپنی دولت خرچ کرتا ہے اور اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے تو چونکہ یہ اللہ کے حکم کے تحت کیا جا رہا ہے اس لئے مسلمان کا مال اور جان ایک طرح سے اللہ خرید رہا ہے) وہ حقیقتاً اقرضوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" (۲ : ۷۳) اللہ کو بہترین قرض دو" پر عمل کر رہا ہوتا ہے۔)
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ	تاکہ ان کو جنت دی جائے (یہ جنت الفردوس ہی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ جو قوم اپنا مال اور اپنی جانیں اللہ کو قرض دیتی ہے اس کا قرض اور احسان زیادہ دیر تک نہیں رکھا جاتا اس کا اجر انہیں اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے

اور وہ جہاد کے ذریعہ اس دنیا کو بھی جنت بنا لیتے ہیں)

اور جو اللہ کو قرض دیتا ہے وہ ایسی ہستی کو قرض دے رہا ہے جس سے اس نے سبھی کچھ لیا ہے اور حقیقتاً وہ اسی کی امانت اس کے حوالے کر رہا ہے مگر اس کے باوجود اس کا صلہ اسے اس حقیر سے قرض سے کئی گنا زیادہ ملتا ہے اللہ وعدہ کرتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا	کون ہے وہ شخص جو اللہ کو اچھا قرض دے (یعنی اپنے پاک مال سے خالص دینی جذبے کے ساتھ دے) تاکہ وہ اس کے لئے
فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا کَثِیْرًا	کئی گنا بڑھا کر زیادہ کر دے

۲ : ۲۴۵

اور جب یہ قرض قوموں کی طرف سے اسی کے نام پر عدل و انصاف قائم رکھنے اور یتیموں، بیواؤں اور کمزوروں کے لئے زندگی آسان بنانے کے لئے دیا جاتا ہے تو پھر اس قوم کو جو صلہ ملتا ہے وہ تصور میں آسکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا عرب کے بادیہ نشینوں نے اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے اسے اپنی عزیز ترین متاع یعنی اپنی جانوں کا قرض دیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرق و مغرب کی حسین ترین اشیاء کے خزانوں کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ البتہ یورپ کا تاریخ داں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ مسلمانوں کی کامیابیوں کا راز کس بات میں تھا۔ یورپی ذہنیت کے تصور میں کبھی نہیں آسکتا کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز ان کی بلند کرداری، عدل و انصاف کا قیام اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں مضمر تھا۔

لارڈ ڈولول بحیرہ ابیض کے متعلق لکھتا ہے:۔ بعد میں مسلمان ٹڈی دل اپنے نئے

دین کے جذبہ کی آگ کے جوش کے تحت اس کے ساحلوں پر چھا گئے، حالانکہ اب تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کیوں کر ممکن ہو سکا اور انہیں کیسے کامیابی حاصل ہوئی۔"[۵۱]

یہ برتاؤ صرف ان ہی کے لئے مخصوص نہ تھا۔ مسلمان جب اور جہاں کہیں بھی اللہ کے احکام کی پیروی کرے گا اُسے اللہ کی رحمتوں سے نوازا جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	کرتے ہیں ان کی مثال
كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ	اس دانے کی ہے جس میں سے سات بالیں پھوٹیں
فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ	ہر بال میں سے ایک ایک سو دانہ نکلے۔
وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ	اور اللہ جسے چاہے اُسے بڑھاتا ہے

۲ : ۲۶۱

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انفرادی و قومی دولت میں از خود اضافہ ہوتا ہے اور اس سے جو نیکی حاصل ہوتی ہے اور قلب و روح کو جو تسکین ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ حقیقتاً نیکی کی حدود میں انسان قدم ہی اُس وقت رکھتا ہے جب اپنے مال اور اپنے نفس کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

---

[۵۱] آیلن مورہیڈ۔ افریقی مثلث (AFRICAN TRILOGY) ہمیش ہملٹن۔ لندن ۱۹۴۵ء۔ ص ۔ ۵

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ	تم نیکی کی حدود کو اس وقت تک نہ پہنچو گے جب تک وہ اشیاء خرچ نہ کرو گے جن سے تمہیں لگاؤ ہے۔
۳ : ۹۲	

یہ پسندیدہ چیزیں انسان کی دولت، اپنی جان، اپنی اولاد کی جانیں ہیں اور جس قوم نے ان چیزوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ اس کے افراد نے سعادتِ دارین حاصل کر لی۔ انسان کی کمزوری جب اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیتی ہے تو پھر کچھ اس طرح کے محرکات عمل میں آتے ہیں کہ ایسے انسانی گروہ کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم کے الفاظ ہیں:۔

هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	سنتے ہو، تم وہ لوگ ہو جن کو دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو (یعنی جہاد کی تیاری کرو، ٹینک اور ہوائی جہاز بناؤ، لوہے کے کارخانے تیار کرو۔ ریلیں بناؤ، جہاز بناؤ۔ توپ اور گولہ تیار کرو۔ اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کی حفاظت کرو اور اس طرح خود بھی محفوظ رہو)
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ	پھر تم میں کوئی ہے جو بخیلی کرتا ہے۔ (ملک و ملت کے دفاع کے ساز و سامان کو افرادِ قوم سے مال لے کر ہی اکثر حکومتیں تیار کیا کرتی ہیں۔ اگر یہ ٹیکس ادا نہ ہوں

اور ملت کے افراد بخیلی کریں اور ٹیکسوں
کو ادا نہ کریں۔ جھوٹی روئدادیں پیش کریں
حساب کے کھاتے اپنے لئے علیحٰدہ اور
حکومت کے لئے علیحٰدہ بنا کر رکھیں ٹیکس
جمع کرنے والے رشوت سے کر پورا ٹیکس
جمع نہ کریں اور ملت کے افراد سامان سمگل
کر کے ٹیکسوں سے بالکل ہی بچتے رہیں
اور خزانے میں اس قدر روپیہ نہ ہو کہ
دفاع ملت اچھی طرح سے کیا جا سکے تو۔

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ

اور جو کوئی بخیلی کرتا ہے وہ اپنے آپ سے
بخل کرتا ہے ٹیکسوں کی ادائیگی میں ہو کا
اور بخیلی کرنے سے قوم و ملت کا نقصان
ہوتا ہے اور قوم کا نقصان انجام کار
فرد کا نقصان ہوتا ہے)

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ

اور اللہ تو بے نیاز ہے اور تم خود محتاج
ہو (اللہ جو ہمارا خالق اور رب ہے اسے
ہماری کس شے کی ضرورت ہو سکتی ہے
ضرورت مند تو ہم ہیں۔ افرادِ ملت کی
بخیلی کی وجہ سے یا سربراہانِ مملکت کی

کوتاہ اندیشی کی وجہ سے، جب کوئی قوم
جہاد کی تیاری پر اپنی دولت خرچ نہیں
کرتی اور اللہ کی راہ میں اپنی دولت
نہیں لگاتی تو وہ اللہ کا نقصان نہیں
کر رہی ہوتی بلکہ اپنا نقصان کر رہی ہوتی
ہے۔ اللہ تو ہماری دولت اور ہماری
عبادت سے بے نیاز ہے)

قومیں دولت اور خون کی زکوٰۃ دیئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ محض خون کی زکوٰۃ اس لئے ناکافی ہوتی ہے کہ جوں جوں معاشرہ ترقی کرتا جاتا ہے اور جوں جوں سائنس اور انسانوں کی فنی قابلیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جنگ کے آلات پیچیدہ اور گراں تر ہوتے جا رہے ہیں۔ جان کی زکوٰۃ کو مؤثر اور کارآمد بنانے کے لئے مال کی بھی زکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔ اور جب کوئی قوم اس طرح نہیں کرتی تو وہ اپنی موت کو دعوت دے رہی ہوتی ہے۔ اسی آیت کے آخری الفاظ ہیں:۔

وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا — اور اگر تم پلٹ جاؤ گے (اسلام کے احکام سے منحرف ہو جاؤ گے اور جہاد کی تیاری مکمل طور پر نہ کرو گے)

یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ — تو وہ (اللہ) تمہیں کسی دوسری قوم سے بدل دے گا۔

ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ — اور پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

۴۷ : ۳۸

درست کہ یہ دنیا فانی ہے اور ہر شخص اس جگہ مسافر کی طرح ہے اور ایک نہ ایک
دن یہاں سے رحلت کر جائے گا :-

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط
ہر ذی حیات کو موت کا مزہ چکھنا ہے

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ
اس دنیا کی زندگی غرور کے سامان کے
علاوہ کیا ہے۔

۳ : ۱۸۵

مگر چونکہ یہ دنیا فانی ہے۔ اس لئے اس دنیا کی کششوں سے لپٹے رہنا کوتاہ نظری کے مترادف ہے۔ جب اس دنیا سے موت کے ذریعہ چلا جانا ہے تو پھر جو تھوڑی سی زندگی ہے وہ کیوں نہ عزت و آبرو سے گزاری جائے۔ عزت و آبرو دولت میں نہیں نیکی اور آزادی میں ہے۔ آزاد وہی ہے جس کا دامن گناہوں سے پاک ہو اور جسے کوئی دوسرا انسان اس کے داغدار دامن کو دکھا کر اسے شرمندہ نہ کر سکے۔ یہ شرمندگی بعض اوقات دوسری قوموں کی غلامی کی صورت میں منظرِ عام پر آتی ہے اور بعض اوقات محض ہم چشموں کی نظروں سے گر جانے سے۔ البتہ بدترین شرمندگی، بے عزتی اور لعنت کی زندگی وہ ہے جہاں پوری قوم کسی دوسری قوم کی غلامی میں زندگی گزار رہی ہو، اور یہ سزا ان قوموں کو دی جاتی ہے جو جہاد اور جہاد کی تیاری سے غفلت برتتے ہیں اور جہاد کی تیاری کے لئے جو دولت خرچ کرنا ان کا فرض ہوتا ہے وہ محض اپنی بخیلی کی وجہ سے نہیں کرتے اور پھر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے یعنی جہاد کی تیاری پر دولت صرف کرنے کے متعلق ایک اور جگہ ارشادِ ربانی کے صریح الفاظ یوں ہیں :-

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو

وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۝ — اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت (تباہی) میں نہ ڈالو

۲ : ۱۹۵

اس سے واضح حکم کے الفاظ شاید ہی ممکن ہوں۔ حکم کے ساتھ ساتھ سزا کی نوعیت بھی گوش گذار کر دی گئی ہے جو قومیں حال ہی میں دوسری قوموں کی غلامی سے آزاد ہوئی ہیں اور جنہیں اب بھی اقتصادی مجبوریوں کی وجہ سے بین الاقوامی مجالس میں آنکھیں نیچی رکھنی پڑتی ہیں اُن کے افراد اس ہلاکت اور تباہی سے پیدا ہونے والے جذبات کو تصور میں لا سکتے ہیں اور جب ہلاکت کا وقت آتا ہے تو قوم کی کثرت تعداد اور اس کی دولت کی فراوانی کو نہیں دیکھا جاتا۔ بہت سی قومیں گذر چکی ہیں جنہیں اپنی کثرتِ اولاد اور افراطِ مال پر فخر تھا اور:-

وَقَالُوا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا — اور انہوں نے کہا ہماری دولت اور ہماری آبادی بہت زیادہ ہے۔

وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ — اور ہم وہ نہیں جن پر عذاب ڈالا جائیگا۔

۳۴ : ۳۵

مگر ایسی قومیں جب اس کثرتِ مال و اولاد کو جہاد کے لئے استعمال کرنے سے جھجکتی اور ڈرتی ہیں اور بخیلی سے کام لیتی ہیں تو اللہ کے حکم سے تباہ کر دی جاتی ہیں حالانکہ اگر وہ اپنے مال اور دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو یہی دولت انہیں کئی گنا بڑھ کر لوٹا دی جاتی۔

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ — اور تم جو شے بھی خرچ کرو (اللہ کی راہ میں)

فَھُوَ یُخْلِفُہٗ — وہ تمہیں لوٹا دی جائے گی

۳۹ : ۳۴

نہ فرد دوسرے کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے اور نہ ہی ایک قوم دوسری قوم کا بوجھ اٹھا سکتی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی — کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا۔

۳۵ : ۱۸

اور جب کوئی قوم اپنا بوجھ نہیں اُٹھاتی تو اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے یا کم از کم اُس کی آزادی اس سے سلب کر لی جاتی ہے اور وہی قوم جس کے افراد اللہ کے سامنے سر جھکانے میں شرم محسوس کرتے تھے اسے دوسرے انسانوں کے سامنے جھکنے میں ندامت کی بجائے بناوٹی فخر کا احساس دلانا پڑتا ہے[1]، اس لئے اس دنیا کی وراثت اب کسی اور کے قبضے میں ہوتی ہے۔

جہاد پر یعنی جہاد کی تیاری پر خرچ کرنے پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ جہاد میں شرکت کی طرح جہاد کے خرچ میں بھی جو اوّلیت لے جائے اسے اللہ کے ہاں زیادہ درجہ ملے گا۔

ارشادِ الٰہی کے الفاظ ہیں :-

---

[1] وہی مسلمان جو اللہ کی اطاعت کو گراں بار سمجھتے تھے اور اس کے نتیجے کے طور پر یورپی اقوام کے ہاتھوں میدانِ جنگ میں شکست کھا چکے تھے۔ یورپی شاہوں کے سامنے سر جھکانا اور ان سے اعزاز حاصل کرنا فخر کا مقام سمجھنے لگ گئے تھے۔

وَمَا لَكُمْ اِلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	اور کیا تمہارا فرض نہیں کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔
وَ لِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اور اللہ کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی دولت ہے
لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ	تم میں سے جس نے فتح سے قبل جہاد کیا اور جہاد پر خرچ کیا، اس کے برابر دوسرے نہیں
اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً	ان کے درجے اُن سے زیادہ ہیں
مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا	جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا
وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی	اور دونوں کو اللہ نے اچھے وعدے کئے ہیں
۵۷ : ۱۰	

ملاحظہ ہو اس آیت میں جہاد کی تیاری کے لئے خرچ کرنے کا ذکر جہاد میں جنگ کرنے سے پہلے کیا گیا ہے۔ باقی جگہوں پر بھی اکثر جب جہاد کا ذکر آیا ہے تو پہلے مال کے جہاد کا ذکر آیا ہے اور پھر جان کے جہاد کا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جب تک قوم نے پہلے مال کو خرچ کرنے کے ذریعہ جہاد کی تیاری نہ کی ہو گی اس وقت تک میدانِ جنگ کی جانب کوچ مشکل ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر:۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر
وَ تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ	اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جانوں سے جہاد کرو

ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ بات تمہارے لئے بہترین ہے۔
۶۱ : ۱۱

اور مسلمانوں نے یہ کیا تو پھر اللہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ ان کو:۔

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ۔ اور (تمہیں وہ بھی ملے گی) دوسری شے جو تم پسند کرتے ہو

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ۔ اللہ کی مدد اور جلد فتح (نصیب ہوگی اگر جہاد کروگے)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ اور (بے شک) ایمان والوں کو یہ خوشخبری سُنا دو۔
۶۱ : ۱۳

قوم وملک کے اندر جہاد کے اخراجات کو کن مدوں سے اور کس طریقے پر یا کس طبقے سے جمع کیا جائے اس کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ دینا قرین مصلحت نہ ہوگا اس لئے کہ قوموں اور ملکوں کے معاشی نظاموں میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں وقت اور مقام کی ضرورتوں کے اختلافات کی وجہ سے قرآنِ پاک معاشی نظام کے بنیادی اصولوں کے متعلق رہبری کرتا ہے اور حکم دیتا ہے۔ تفاصیل کے لئے سیاسی ڈھانچے اور معاشرتی حالات کے تقاضوں کو دیکھ کر ان اصولوں کی روشنی میں معاشی نظام کو ترتیب دی جاسکتی ہے۔ جہاد کی تیاری اور جہاد کے دوران کے اخراجات کی حدیں حسبِ ضرورت اور حالات وقت ومقام کے تحت متعین کی جاسکتی ہیں

اس ضمن میں سنتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ ہماری رہبری کے لئے قرآن وسنت کے بعد خلافت راشدہ کا دستورِ عمل

بھی نہیں مدد دے سکتا ہے۔ ہماری نگاہ میں یہ مسئلہ اتنا اہم ہے اور اس کے متعلق اللہ کے احکام اتنے سخت ہیں کہ اخراجاتِ جہاد کو پورا کرنے کے لئے بوقت ضرورت ملت کے ہر فرد کی آخری کوڑی بھی اگر صرف ہو جائے تو عین احکام قرانی کے مطابق ہوگا۔

اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ

میں فرد اور جماعت کی پوری مالی طاقت آجاتی ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس پوری دولت کو استعمال کرنے کے لئے عدل و انصاف اور مساواتِ اسلامی کے قوانین یعنی احکام الٰہی کو ہر لمحہ نگاہوں کے سامنے رکھنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر قرآنِ پاک کا ارشاد ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا	چاہے رضامندی سے دو یا خوشی سے خرچ کرو
لَنْ يَّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ	تم سے قبول نہیں کیا جائے گا
اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ٥	اس لئے کہ تم حکم عدول قوم ہو

۹ : ۵۳

جو قوم احکام الٰہی سے روگردانی کرتی ہو اور جب مشکل کا وقت آپڑے اس وقت پیسے خرچ کر کے کرائے کے سپاہی جمع کرے اور اُن کے ذریعے سے اپنی حفاظت کرنے کی کوشش کرے تو اس کوشش پر جہاد کا اطلاق مشکل نظر آتا ہے اللہ کے احکام مانتے وقت یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی پسند کے احکام تو مان لئے اور باقی ماندہ احکام سے روگردانی کرتے رہے اور پھر بھی اپنے نام کو مسلمانوں میں شامل کئے رہنے کا

دعویٰ کرتے رہے قانونِ الٰہی کے ساتھ مذاق کرنا قرینِ مصلحت نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر فسق و فجور اور لہو و لعب کے کاموں کو شروع کرنے سے قبل تلاوتِ قرآنِ مجید کرنا ان کاموں کو پاکیزگی نہیں بخش دیتا بلکہ محض ایسے کام کرنے والوں کی منافقت اور ان کا قرآن اور اسلام کے ساتھ مذاق کو روا رکھنا ظاہر کرتا ہے۔ ایسی قوموں یعنی ایسی قوم کے اخراجات کی ناقبولیت کی وجہ بھی قرآنِ حکیم میں دی گئی ہے:۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ	ان کے کئے ہوئے خرچ کو قبول نہ کرنے کی وجہ اس کے سوا کوئی نہیں
اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ	کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہوئے
وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى	وہ تھکے تھکے سے نمازوں کے لئے آتے ہیں
وَمَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ	اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ نہایت بیدلی سے خرچ کرتے ہیں۔
۹ : ۵۴	

یہ حکم ان نام نہاد مسلمانوں کے لئے ہے جو دل سے اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے اور ضرورتِ وقت کی وجہ سے مسلمانوں کی فہرست میں شامل رہتے ہیں نہ اللہ کے فرائض ادا کرتے ہیں اور نہ قوم و ملت کی جانب جو فرائض ان پر ہوتے ہیں اُن سے یہ دل و جان سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ ان مسلمان کہلانے والے معاشروں کی حالت کی طرف غور کیا جائے جہاں چور بازاری، سمگل کرنا، دھوکا د فریب سے سرکاری واجبات سے بچنا، حکومت یعنی قوم سے قرضے لینا اور اُن کی ادائیگی سے منکر ہو جانا اور رشوت دے کر ٹیکسوں سے بچنا ایسے ہی معاشروں کے لئے کہا گیا ہے

یہ جو کچھ بے دلی سے وہ دیں گے اسے بھی قبولیت کا شرف حاصل نہ ہوگا اور

لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَ لَا اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئاً — ان کے مال اور ان کی اولاد ان کے کسی کام نہ آئے گی

۳ : ۱۰

جہاد کے اخراجات ملت کی بقا و تحفظ کی ضمانت ہیں ان اخراجات کو جس قدر خندہ پیشانی سے قبول کیا جائے گا۔ اسی مناسبت سے ان اخراجات کو بارگاہِ رب العالمین میں مقبولیت حاصل ہوگی۔ یوں تو ملک و ملت کی آخری کوڑی تک دفاعِ ملت کے لئے خرچ کرنے میں بھی دریغ نہیں ہونا چاہیئے البتہ جب تک قوم و ملک کے اندر باقاعدہ دستور العمل وضع نہیں کیا جائے گا کہ جہاد کے اخراجات کے لئے کون کون سے ذرائع استعمال کئے جائیں گے۔ اس وقت تک یہ کام بخیر و خوبی انجام نہیں پا سکے گا۔ اولین ذریعہ جس سے جہاد کے اخراجات پورے کئے جانے چاہئیں، وہ زکوٰۃ ہے۔

"اس مقام پر یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ زکوٰۃ کا صرف ایک مصرف جہاد ہے اس کے علاوہ زکوٰۃ معاشرے کے یتیم بچوں، معذور افراد، بوڑھوں، بیروزگاروں اور حاجت مند لوگوں کی مدد کے لئے بھی ہے۔ جہاد کی تمام ضروریات کا بار (خصوصاً موجودہ زمانے کی جنگی ضروریات کا) اگر زکوٰۃ پر ڈال دیا جائے تو غریبوں پر اس کی ایک کوڑی بھی صرف کرنے کے لئے نہ بچے گی۔ دراصل جہاد کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ مالداروں پر بھاری ٹیکس عائد ہونے چاہئیں۔"[1]

---

[1] اصلاحی نوٹ، از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

اس سے یہ مراد نہیں کہ زکوٰۃ کا اور کوئی مصرف ہی نہیں یقیناً زکوٰۃ کے ذریعے معاشرے کی خامیوں کو دور کیا جانا چاہیئے اور ملت کے ناداروں، بوڑھوں اور بے روزگاروں کی مالی تکالیف زکوٰۃ سے پوری کی جانی چاہیئں البتہ اسلامی معاشرے میں جہاں اسلامی خودداری اور عزتِ نفس جہاں ایک طرف کسی کو گداگری کی اجازت نہ دیتی ہو اور دوسری طرف جہاں مالدار اپنے آپ کو اپنے مال کا صرف امین سمجھتے ہوں اور جہاں مزدور کی جائز مزدوری مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پیشتر ہی ادا کی جاتی ہو وہاں پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ زکوٰۃ کا بیشتر حصہ جہاد کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ دوسری طرف یہ بھی دیکھنا ہے کہ اگر ملت کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے تو پھر زکوٰۃ کو اس لئے جمع کر رکھنے سے کیا فائدہ کہ شاید ناداروں اور بے روزگاروں کے لئے ضرورت پڑ جائے۔ کارپردازانِ مملکت کو اپنی فہم و فراست استعمال کرنی چاہیئے کہ زکوٰۃ کا کتنا حصہ ناداروں کے لئے استعمال کیا جائے اور کتنا حصہ جہاد کی تیاری اور جہاد کے لئے استعمال کیا جائے۔ خیال رہے کہ آج کل کی دنیا میں جہاد کی تیاری پوری قومی اور ملی زندگی پر حاوی ہوتی ہے یہاں پر ہم مولوی انیس احمد صاحب کی کتاب جہاد کی طرف رجوع کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

"جہاد کرنے اور جہاد کی تیاری کے لئے موجودہ سائنس پڑھنا لازمی اور فرض ہے اور چونکہ سائنس کے یہ علوم پاکستان کے مدارس اور کالجوں اور ہوائی فوج کے مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں اس لئے یہ سکول اور کالج جہاد کا اہم ترین فریضہ ادا کرنے میں پوری مدد کر رہے ہیں . . . . اسی طرح ٹینک دور مار

توپیں، عام توپیں، طیارہ شکن توپیں، بم، مشین گن، سٹین گن، رائفل اور آبدوزیں، جنگی بحری جہاز اور دوسرے آلات حرب وضرب کا حصول اور ان کا تیار کرنا اور اُن کے استعمال کے لئے علم نہایت ضروری ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے ایسے تمام مدارس اور کالجوں کا قائم کرنا اور چلانا اور اُن میں تعلیم دینا اور حاصل کرنا فریضۂ جہاد ادا کرنے کے لئے لازمی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ''[1]

یہاں پر ایک اجتہادی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے استعمال سے قوم وملت کی تعلیمی ضروریات خارج ہیں۔ اِدھر دوسری طرف موجودہ زمانے کی ضروریات اتنی وسعت اختیار کر گئی ہیں کہ سائنسی اور ٹکنیکی علوم کے بغیر کوئی قوم جہاد سے صحیح طور پر عہدہ برآ نہیں ہو سکتی، جہاد کی تیاری میں اسلحہ جات اور دیگر اوزاروں، جنگی جہازوں، موٹر ڈول اور ہوائی جہازوں کے کارخانوں کا قیام شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کارخانوں کو لگانے چلانے اور سامان حرب وضرب کے مہیا کرنے کے لئے سائنسی تعلیم بھی جہاد کی تیاری کا ایک اہم اور بنیادی حصہ ہے۔ مفکرینِ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلد سے جلد اس پہلو پر غور وخوض کے بعد فیصلہ دیں کہ سکولوں اور کالجوں اور خصوصاً ایسی تعلیمی درس گاہوں کے اخراجات کا کتنا حصہ زکوٰۃ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

زکوٰۃ کے علاوہ اخراجات جہاد کو پورا کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں مگر اُصولی طور پر دو طریقوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اوّل ٹیکس کے ذریعے سے مملکت

---

[1] تجدیدِ عمل از خلیفہ محمد سعید اور کتاب جہاد از مولوی انیس احمد صاحب علیگ۔ دار التصنیف والنشر جامع صدیقیہ۔ الومہار۔ ضلع سیالکوٹ۔ ص۔ ۹۷

کے تمام کاروبار کے لئے مناسب رقم خزانۂ عامرہ میں جمع کر لی جائے اور پھر جہاد کی ضروریات کے مطابق خزانہ عامرہ سے حسب ضرورت رقم جہاد کی تیاری پر خرچ کی جاتی رہے۔ یہ طریقہ آسان نظر آتا ہے۔ البتہ اس طریقے سے ملک و ملت کی پوری طاقت مجتمع نہیں کی جا سکتی۔ حالانکہ قرآن حکیم میں حکم ہے کہ اپنی پوری قوت کو مجتمع کر کے جہاد کی تیاری کرو۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ — اپنی پوری طاقت سے اُن کے ساتھ جنگ کی تیاری کرو۔

۸ : ۶۰

جہاد کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ملک و ملت کے افراد سے بخوشی و رضا جہاد کی تیاری کے لئے ساز و سامان اور مال و زر جمع کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ یہ طریقہ مسنون ہے اور جب تک ملت اسلامیہ کے افراد کے دلوں کے اندر آزاد زندگی گذارنے کی آرزو باقی رہے گی اس وقت تک ملت اسلامیہ کے افراد ایسی دعوت پر لبیک کہتے رہیں گے۔ ہمیں شکایت ہے تو اس بات کی کہ مسلمان ممالک کے اصحاب بست و کشود جہاد کی تیاری کے اخراجات پورا کرنے کے لئے اس ذریعہ کا استعمال کرنے سے جھجکتے رہے ہیں۔ قوم کی پوری قوت مجتمع کرنے کے لئے اس طرح کے عطیات جمع کرنے کے علاوہ بھی ایک طریقہ ہے جو عملی طور پر بھی مشکل ہے اور اس کا نتیجہ بھی سود مند نہیں ہو سکتا اور یہ حکماً اشیاء ضرورت کو ہر فرد سے لینے کا طریقہ ہے۔ کلی طرز کے معاشروں میں یہ طریقہ اکثر استعمال کیا جاتا ہے بہر کیف طریقہ کوئی بھی کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ اللہ کا حکم واضح ہے مسلمانوں پر فرض

ہے کہ وہ اپنی پوری ملّی طاقت کے مطابق جہاد کے لئے تیاری کرتے رہیں۔ وقت اور مقام کے حالات کے مطابق وہ اس تیاری کے اخراجات کو پورا کرنے کے مجاز ہیں اور جو قومیں اپنے دفاع اور اپنے نظریات کے تحفظ کی خاطر مال و دولت خرچ کرتے وقت محسوس نہیں کرتیں ان ہی کو وعدہ کیا گیا ہے کہ:۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَہُمْ	جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	ہیں ان کی مثال
کَمَثَلِ حَبَّۃٍ	اس دانہ کی ہے
اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ	جس میں سے سات بالیں پھوٹیں
فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ	ہر بال میں سے ایک ایک سو دانہ نکلے
وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ ○	اور اللہ جسے چاہے اُسے بڑھاتا ہے

۲ : ۲۶۱

انہیں کے کھیت لہلہاتے رہتے ہیں اور اُن ہی کے کارخانوں کی چمنیوں سے دھوئیں کے بادل بلند ہوتے رہتے ہیں جو اپنے بازوؤں کو اس قدر مضبوط بنالیں کہ وہ ان سب کی حفاظت کر سکیں اور جب وہ اپنی توانائی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالےٰ بھی اُن کی مدد فرماتا ہے۔

فنِ جہاد پر اصولی احکام

ہر جنگ کو جہاد کا رتبہ نہیں مِل سکتا۔ جہاد کی اوّلین خصوصیت یہ ہے کہ اس کا وجود اللہ کے نام پر ہے اس لئے جہاد کے کسی بھی مرحلے پر اللہ کے احکام یعنی قرآن و سنت کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا۔ جہاد دینی جنگ ہے جس دین کے احکام کے مطابق کوئی جنگ لڑی جاتی ہے۔ اُس کے دوران اسی دین کے اصولوں یا اس کے احکام کی خلاف ورزی اگر کی جائے تو وہ دینی جنگ ہی نہیں رہتی۔ تاریخ عالم میں اوائل اسلام کی جنگوں کے علاوہ کوئی ایسی جنگ نظر نہیں آتی جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکے کہ اس جنگ میں حصہ لینے والے کسی ایک فریق نے جنگ کو خالصتاً دینی جنگ کا رنگ دیا ہو۔ معروف زمانہ صلیبی جنگوں میں صلیبی لشکروں نے دین عیسیٰ کے کسی امر و نہی پر عمل نہیں کیا بلکہ ہر ممنوع نفس کو دل کھول کر کیا۔[1]

---

[1] اس موضوع پر گبن کی کتاب "رومی سلطنت کا زوال اور تباہی"۔ اول تو صلیبی جنگوں کا مقصد دینِ عیسیٰ کی کامیابی کے بجائے خود پوپ اربن کے شخصی مفاد تھے۔ گبن لکھتا ہے اربن کی نام نہاد نیک خواہشات تعریف کے لائق نہیں اس لئے اُس کی کوشش یہ تھی کہ چند خانگی الجھنوں سے چھٹکارہ حاصل (باقی اگلے صفحہ)

اس کے برعکس دینِ اسلام کے لئے جہاد کرنے والوں نے اپنی جنگوں کا رنگ خالصتاً لوجہ اللہ رکھا۔ دینی جنگ کے دوران اگر اس دین کے عائد کردہ اصول وقوانین کی پابندی نہ کی جائے تو پھر وہ جنگ دینی نہیں رہتی بلکہ شخصی مفاد اور شخصی پسند و ناپسند کی جنگ رہ جاتی ہے۔

اسلام سے قبل جنگیں قومی مفاد، بادشاہوں اور شہنشاہوں اور قبیلے کے امیروں کی خواہشات کی تکمیل کے لئے لڑی جاتی تھیں۔ ان امیروں، بادشاہوں اور شہنشاہوں کی خواہشات کی تہہ میں جوع ارض، دولت کا حصول، نام ونمود کی خواہش اور فاتح کہلانے کا شوق ہوا کرتا تھا۔ تاریخ عالم میں پہلی اور آخری بار اوائل اسلام کی جنگیں خالصتاً لوجہ اللہ جنگیں تھیں۔ ان جنگوں کا آغاز وانجام ان جنگوں کے دوران لشکرِ اسلام کے سپاہیوں اور سپہ سالاروں کا عمل اور ان جنگوں کا مقصد بھی اللہ کے عائد کردہ اصولوں اور قرآن حکیم میں دیئے ہوئے اصولوں کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ ہم

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) کرنے کے لئے اُس نے بحرالکاہل سے فرات تک جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے" (جلد ۶ ص ۲۶۴) پھر لکھتا ہے "صلیبی جنگوں کے زمانے میں مشرق ومغرب کے عیسائی اپنی جنگوں کو جائز سمجھتے تھے مگر ان کے دلائل کتاب اللہ اور براہین کی غلط ترجمانی سے پُر تھے" (جلد ۶ ص ۲۶۶) پھر صلیبی سپاہیوں کی خودغرضیوں، عیاشیوں اور جاہ ومنصب کا ذکر کرنے کے بعد انطاکیہ کے محاصرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "جنگ کی تاریخ میں شاذونادر ہی اس طرح کی عیاشیوں اور قحبگی کے واقعات نظر آتے ہیں جتنے انطاکیہ کی دلواروں کے سائے میں نظر آتے ہیں۔ جلد ۶ ص ۳۰۲) ایڈورڈ گبن رومی سلطنت کا زوال اور تباہی میتھیون اینڈ کمپنی لندن۔ ۱۹۰۲ء۔ جلد ۶)

اس سے قبل دیکھ چکے ہیں کہ کون سے ایسے مواقع ہیں جن پر مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مُراد ہے۔ حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کو خوردبینی باریکی سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح حضور مجسم خلقِ قرآن تھے اور جس طرح روزمرہ کی زندگی میں حضور اقدسؐ کا عمل قرآن کے احکام کا آئینہ دار تھا اسی طرح حضورؐ نے میدانِ جنگ میں احکامِ جہاد کی عملی تفسیر پیش کی تاکہ اُمتِ محمدیہ قیامت تک راہِ مستقیم اور غلط راہوں میں تمیز کر سکے۔ بعد کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے حقِ جہاد ادا کیا اور جہاد کے متعلق احکام قرآنی پر عمل کیا تو وہ دنیا میں سرخرو اور سربلند رہے مگر جب کبھی انہوں نے قرآن کے ان احکامات کو پس پشت ڈالا تو انہیں سخت ندامت اُٹھانی پڑی۔ فرضیت جہاد اور جہاد کی تیاری کی اہمیت کے علاوہ، قرآنِ حکیم نے جنگ سے متعلق چند بنیادی اصول پیش کئے ہیں جن پر عمل کئے بغیر جنگ میں کامیابی تو کجا مسلمان کی جنگ جہاد کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتی بلکہ بعض اصولوں سے صریحاً انحراف تو اسلام کے دائرے سے ہی خارج کر دیتا ہے۔

فنِ جنگ سے اگر جنگ کی تیاری کو علیحدہ سمجھا جائے تو قرآنِ حکیم میں جنگ سے متعلق جن اصولوں کا ذکر ہے ان میں تحفظ کے اصول کو اولیت کا مقام دینا چاہیئے۔ تحفظ کو عصرِ حاضر کے جرنیلوں نے بھی جنگ کے اہم اصولوں میں جگہ دی ہے۔[1] دراصل میدانِ جنگ ہو یا عسکری چھاؤنی دفاعی منصوبوں کا تحفظ اور تحفظ اسلحہ جات

---

[1] البتہ مغربی مفکرین جنگ تحفظ کو پہلا اصول قرار نہیں دیتے۔ مثال کے طور پر کلازوٹز لکھتا ہے دشمن کی فوجی طاقت کو تباہ کرنا جنگ کا اولین اصول ہے کلازوٹز ص ۲۸۴۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جب تک اپنا دفاع اور تحفظ مقدم اور لہٰذا یقینی نہیں ہوگا اس وقت تک دشمن کی فوجی طاقت کو ضرب کاری لگانا مشکل ہوگا۔

اتنا اہم اور اتنا ضروری اقدام ہے کہ اگر اس کی طرف پوری توجہ نہ دی جائے تو فوج میدانِ جنگ میں پہنچنے سے قبل ہی نقصان اٹھا سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اُسے لڑائی میں شامل ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
خُذُوْا حِذْرَکُمْ	اپنی احتیاط کر لو

۴ : ۷۱

قوم و ملک کا تحفظ، افرادِ افواج کے تحفظ کی تدابیر، آلاتِ جنگ کا تحفظ، لڑائی کے منصوبوں کو پردۂ راز میں رکھنا اور پھر جب افواج جنگ کے میدان میں پہنچ جائیں اس وقت اُن کا ہر طرف سے اور ہر وقت تحفظ رکھنا اس آیت میں شامل ہیں۔ اسلحہ جنگ اور ہتھیاروں کے تحفظ اور اچانک حملے سے اُن کی حفاظت کے متعلق تو خاص طور پر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	کافر چاہتے ہیں (ان کی خواہش اور کوشش رہے گی)
لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ	کہ تم اپنے اسلحہ اور سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ (ان کے خلاف دفاع کے منصوبے مکمل نہ کرو)
وَاَمْتِعَتِکُمْ	اور اسباب (کے دفاع کے منصوبے بھی نہ بناؤ) (ان دفاعی منصوبوں میں بری، بحری اور فضائی دفاع اور تحفظ

فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ

(شامل ہیں)
تاکہ وہ تم پر ٹوٹ پڑیں (اور تمہیں غافل پاکر تم پر غلبہ پائیں)

مَيْلَةً وَّاحِدَةً

یک لخت حملہ کر دیں (یعنی اچانک حملہ کر کے تمہارے فضائی اڈے، تمہارے کارخانے، تمہارے نہری بند جن سے تمہاری کھیتیاں ہری ہوتی ہیں وہ سب ہی ایک ہی بری، بحری یا فضائی حملہ کی وجہ سے تباہ ہو جائیں اور تم شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاؤ)

۴ : ۱۰۲

ہم تعجب کرتے ہیں تو ان مسلمان مملکتوں کی کوتاہیوں اور ان کی گمراہیوں پر جو کہتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لائے مگر اللہ کے وہ احکامات جو اُن کے تحفظ و دفاع اور اُن کے بقا و استحکام کے لئے نازل کئے گئے تھے اُن کی طرف سے وہ غافل رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک و ملت کی لاکھوں جانوں کے ضائع ہو جانے کے علاوہ اُن کی معاشی و معاشرتی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اور لبا اوقات انہیں کفار کی غلامی قبول کرنی پڑتی ہے جو اسلام سے منحرف ہونے کے مترادف ہے مسلمان کی جہاد کے لئے تیاری مکمل ہی اس وقت ہوتی ہے۔ جب وہ ہتھیاروں کارخانوں خوراک کے انباروں اور وسائل خوراک اور ہتھیاروں کے خام مال کی مکمل طور پر حفاظت کر سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر دشمن حملہ کر کے سرحد کے کچھ حصوں پر قابو

پالے تو وہ بھی غفلت میں شامل ہوگا اور جو جانیں اس طرح ضائع ہوئی ہوں گی اُن کی جوابدہی کارپردازانِ مملکت پر ہو گی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال کی جنگوں میں مسلمان شہدار کی تعداد ایک سو بیس سے زائد نہ تھی[۱]

بدیہی ہے کہ ملک کے اندر کافر اور منافق بھی بستے ہوں گے۔ چونکہ ان کی وفاداری یقینی نہیں اس لئے دفاعی منصوبوں میں ان کو شریک کرنا سختی سے منع ہے۔ اس موضوع پر حکم ربانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ	اپنوں کے علاوہ کسی کو رازدار مت بناؤ
لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا	وہ تمہارے نقصان میں کمی روا نہ رکھیں گے
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ	تمہارے نقصان میں ان کی خوشی ہے
قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ	اُن کی زبانوں سے تمہاری دشمنی پھوٹ پڑ رہی ہے
وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ	اور جو اُن کے دلوں میں ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے
قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ	ہم نے تمہیں نشانیاں بتا دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو (تو فلاح پاؤ گے)

۳ : ۱۱۸

---

[۱] محمد حمید اللہ۔ رسول اللہؐ کے میدانِ جنگ (انگریزی) ووکنگ ۱۹۵۳ء ص - ۶

اللہ تعالےٰ نے اس وضاحت سے نشانیاں بنا دی ہیں مگر اس کے باوجود ہم ہیں کہ اپنے اور اپنی آئندہ نسلوں کے لئے ان احکامات کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے مسلمانوں کی یہ کمزوری دورِ حاضر ہی میں نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی مسلمان اس پہلو سے کوتاہی برتتا رہا ہے صلیبی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے گبن لکھتا ہے "انطاکیہ کے عیسائی تعداد میں کافی تھے مگر ناخوش تھے۔ البتہ فیروز جو برائے نام نو مسلم تھا اس نے امیر کا قرب حاصل کر لیا تھا اور تین برجوں کی کمان حاصل کر لی تھی۔ . . . دھوکہ دہی اور بغاوت کو جنم لینے میں دیر نہ لگی۔ . . . باہمی مفاد نے فیروز اور ٹارنٹو شہزادے کے درمیان خفیہ خط و کتابت شروع کروا دی۔ اس پر کاؤنٹ بوہیمانڈ نے سرداروں کی کونسل میں اعلان کیا کہ وہ بہت جلد شہر ان کے ہاتھ میں دے دیگا۔"[۱]

تحفظ ملک و ملت اور تحفظ افواج و اسباب افواج میں یہ امر بھی شامل ہے کہ اچھی طرح یقین کر لیا جائے کہ جو افراد دفاع ملک و ملت پر مامور کئے ہیں وہ ملک و ملت کے وفادار رہیں اور وہ اسلام پر پوری طرح یقین رکھتے ہوں، ورنہ اگر ان کے ایقان و ایمان میں کوئی خامی ہے یا وہ قوم و ملت کے پوری طرح وفادار

۱۔ گبن۔ ح س۔ جلد ۶۔ ص ۳۰۱۔ وہی عیسائی باشندے جو مسلمانوں سے ناخوش تھے اور جنہوں نے یورپی عیسائیوں کو شہر لینے میں مدد دی جلد ہی اپنے ہم مذہب فاتحوں سے دل برداشتہ ہو گئے اور بقول گبن "مشرقی عیسائیوں نے بہت جلد عرب خلفار کی فراخ دل حکومت کو ترسنا شروع کر دیا۔"

گبن۔ جلد ۶۔ ص ۳۱۳

نہیں تو پھر اُن کی طرف سے نقصان اٹھانے کا امکان رہ جاتا ہے اور ان کی وجہ سے ملک کے رازوں کا دوسروں تک پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر کتنے صاف اور واضح الفاظ میں کہا ہے۔

وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ ط — اور تم میں ان کی طرف سے سننے والے موجود ہیں۔ ۹ : ۴۷

اللہ تعالےٰ انہیں ظالموں میں شمار کرتا ہے مگر کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ ایسے جاسوس موجود رہے جو مسلمانوں کے خفیہ راز، ان کی حکومت کے منصوبے، ان کی افواج کی تفاصیل اور اُن کے دفاعی منصوبوں کی نوعیت سے مسلمانوں کے کفار دشمنوں کو آگاہ کرتے رہے۔ ان میں غیر مسلم بھی رہے ہیں اور منافق بھی جو اپنے آپ کو نام نہاد مسلمان کہہ کر ملک و ملّت کے ہر راز تک رسائی حاصل کرتے رہے۔ فرد کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اگر اس کی وفاداری اور اس کے ایمان کا یقین نہیں تو اسے ملک وملّت کے رازوں کے قریب نہ آنے دینا چاہیئے۔ اس کی قابلیت اتنا فائدہ نہیں پہنچا سکتی جتنا اس کی ملک فروشی سے قوم کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی صرف وہی کرے گا جسے اللہ، اللہ کے رسول اور قرآن پر ایمان نہیں، اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو پھر اس کا یہ فعل اس کے ارتداد کا ثبوت ہے اور وہ جرم جاسوسی کے علاوہ بھی موت کی سزا کا مجرم بن جاتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں ترکوں کو غیر مسلم فوجیوں کی جانب سے جو تکالیف پہنچیں ان کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل مسلمان ہو یا کسی دوسرے دین کا پیرو یا پھر کسی

اور نظریہ کا قائل، جب انسان ایسی مملکت کی ملازمت اختیار کر لیتا ہے جس کے بنیادی اصولوں سے اسے اختلاف ہوتا ہے تو وہ اپنے ضمیر کو بیچ رہا ہوتا ہے اور اُسے اس کا ضمیر بار بار اپنی کمزوری یاد دلاتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے دلی نظریات اور اپنے پوشیدہ عقائد کی طرفداری پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ان جمہوریتوں کو لیجئے جن کے بعض باشندے اشتراکی اور اشتمالی نظریات کے قائل ہو جاتے ہیں گزشتہ چند سالوں میں لاتعداد ایسے واقعات کا ذکر اخباروں میں آچکا ہے جہاں اس طرح کے نظریاتی عقائد کے اختلافات کی بنا پر لوگوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم سے غداری کی ہے اور سربستہ اہم رازوں کو ملک و قوم کے دشمنوں تک پہنچا دیا ہے۔ اسی طرح اشتمالی اور اشتراکی معاشروں کے افراد نے جمہوری ممالک کے ہاتھوں اپنی قوم کے رازوں کو فروخت کیا ہے۔ ان واقعات کے پیشِ نظر اگر اسلام میں غیر مسلموں کو مملکت کے اہم رازوں سے دُور رکھنے کے احکام موجود ہیں تو وہ عین فطری بات ہے اور اگر مسلمان ان احکام پر عمل نہیں کر رہے تو خسارے میں رہیں گے۔

فنِ جہاد کا دوسرا اصول ثابت قدمی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا — اے ایمان والو!

إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً — جب کسی فوج کے بالمقابل ہو جاؤ

فَاثْبُتُوا — تو ثابت قدم رہو (جنگ میں شریک ہونے والوں کے لئے یہ نہایت اہم اصول ہے کہ وہ ثابت قدم رہیں جس فوج کے افراد

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥

جم کر نہ لڑ سکیں وہ میدانِ جنگ میں ہرگز کامراں نہیں ہو سکتی۔)
اور اللہ کو بہت یاد کرو (یہ ثابت قدمی میں معاون ہو گا)
تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

۸ : ۴۵

جب دو لشکر بالمقابل ہو جاتے ہیں، جب وہ ایک دوسرے پر وار کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں یا ایک دوسرے پر وار شروع کر دیتے ہیں تو یہ وقت بہت نازک ہوتا ہے اس وقت طرفین کو ایک دوسرے کی صحیح طاقت کا اندازہ نہیں ہوتا ابھی ایک دوسرے کے منصوبے منظرِ عام پر نہیں آئے ہوتے، جب محاذ دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہوں اور ہزاروں میلوں کی سرحدوں پر لشکر آمنے سامنے آ چکے ہوں یا ابھی مبارزت کا آغاز ہی ہوا ہو تو ممکن ہے کہ اسلامی لشکر محاذ کے کسی حصہ پر کم تعداد میں ہو اس وقت تزویراتی منصوبوں کی کامیابی کا دارومدار ممکن ہے ان حصوں کے رَدِّ عمل پر ہو جن کو اپنے سے کئی گنا بڑے لشکروں کے خلاف رکاوٹی کارروائی کے لئے رکھا گیا ہو۔ اگر ایسے لشکر یا ایسے دستے ثابت قدمی نہ دکھائیں گے تو پوری فوج کے منصوبے کی کامیابی خطرے میں پڑ جانے کا احتمال ہو گا۔

ایسے موقعوں کے علاوہ بھی اسلامی لشکروں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جنگ کی صعوبتیں معروف ہیں، جنگ آرام دہ ماحول میں نہیں ہوا کرتی اس میں جسمانی تکلیف اور ذہنی پریشانی قدرتی امر ہوتے ہیں اور ان تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا صرف ثابت قدم

رہنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

ثابت قدمی صرف صف کے سپاہیوں اور نچلے درجے کے افسروں کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری افواج کے لئے ضروری ہے جہاں تک کمانداروں کا تعلق ہے وہ جوں جوں کمان کے اعلےٰ درجوں کو پہنچتے ہیں ان کے عزم واستقلال، اُن کے صبر اور اُن کی ثابت قدمی میں تدریج اضافہ ہوتے جانا چاہیئے۔ درست کہ جنگ کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق انہیں اپنے تدبیراتی وتزویراتی منصوبوں میں تبدیلی پیدا کرتے رہنا چاہیئے۔ البتہ ان تبدیلیوں کے باوجود انہیں اپنے مقصد میں کبھی کمزوری نہیں دکھانی چاہیئے اور جب ایک بار مقصد کا فیصلہ ہو جائے تو پھر اس پر نہایت استقامت سے قائم رہنا چاہیئے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ	جب فیصلہ کر لو
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو (اور اس فیصلے پر قائم رہو)
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ٥	یقیناً اللہ اس پر بھروسہ کرنے والوں کو
۳ : ۱۵۸	پسند کرتا ہے (اور لہٰذا ان کی مدد کرتا ہے)

اُحد کا واقعہ نہایت ہی سبق آموز ہے، جب کفارِ مکہ مدینے کے باہر اپنی فوجیں لے آئے تو اسلامی اصول کے مطابق مجلسِ مشاورت قائم ہوئی اور حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہر کے اندر رہ کر دفاع کرنے کے حق میں تھے مگر اس کمان کانفرنس میں اکثریت کی رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور سرورِ عالم ؐ نے فیصلہ کیا کہ دفاع شہر سے باہر نکل کر کیا جائے گا۔ جب ایک بار یہ فیصلہ ہو چکا تو پھر حضور اکرم ؐ نے اس فیصلہ پر

انتہائی شدت سے عمل کیا اور عزم ہو چکنے کے بعد اللہ پر توکل کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ مسجد کے صحن کے پرسکون ماحول سے لے کر عین رزمِ حق و باطل کے مضطرب اور متلاطم ماحول تک پیغمبر آخرالزماں حضور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال مسلمانوں کے علاوہ پوری بنی نوع انسان کے لئے مشعلِ راہ ہیں اور حضورؐ کی ثابت قدمی بے مثل ہے۔

مسلمانوں کی جنگ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوا کرتی ہے اس میں ان کی ذات کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، وہ واقعاً:۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ — اگر تم اللہ کی مدد کرو گے

پر عمل کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ کی مدد اور اللہ کے نام پر دستِ شمشیر گیر کو اُٹھانے کے مواقع ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ جب مسلمان اللہ کی مدد کے لئے میدانِ جنگ میں اپنی عزیز ترین دولت لے کر اللہ کی برتری و بزرگی کی شہادت کے لئے حاضر ہوتا ہے تو اللہ بھی اس کی مدد کرتا ہے۔

یَنْصُرْکُمْ — تو وہ تمہاری مدد کرے گا

اور :۔

وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ — اور تمہارے قدم جما دے گا (تمہیں ثابت قدم رکھے گا)

۴۷ : ۷

اس کے یہ معنی ہوئے کہ اگر مسلمان نے اپنی حدِ استطاعت تک اللہ کے حکم کے مطابق جہاد کی تیاری کی ہو اور پھر صحیح موقع پر اس کے حکم پر "قَاتِلُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ" پر عمل کرتے ہوئے اعلانِ جنگ کیا ہو اور خُذُوْا حِذْرَکُمْ کے مطابق تحفظ کے تمام مراتب طے کرنے کے بعد میدانِ جنگ کا رُخ کیا ہو تو پھر وہ واقعاً اللہ

کی مدد کر رہا ہے۔ جب مسلمان اللہ کی مدد کرتا ہے تو الہ العٰلمین جس کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مسلمان کی مدد کرے گا۔ اور مزید یہ بھی بتا دیا ہے کہ مدد کی ایک نوعیت کیا ہو گی۔ ارشاد ہے:-

وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ — اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا

۷ : ۴۷

یعنی جو حکم اُس نے خود مسلمانوں کو دیا ہے کہ:-

اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا — جب کسی قوم کے بالمقابل ہو جاؤ تو ثابت قدم رہو۔

۸ : ۵۸

اللہ اسے پورا کرنے میں پوری مدد کا وعدہ کرتا ہے اور جب اللہ کسی قوم کی افواج کو ثابت قدم رکھنے کا فیصلہ کر لے تو اس قوم کی افواج کے قدم کوئی طاقت نہیں اکھاڑ سکتی۔ ثابت قدم نہ رہنے کی جتنی مثالیں ہمیں آج اسلام میں نظر آتی ہیں ان میں دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں سے کوئی نہ کوئی حکم عدولی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو ثابت قدم رہنے میں مدد نہ دی۔ اُحد کے مقام کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:-

وَ لَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ — اور اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا تھا

اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ — جب تم اُس کے حکم سے اُنہیں ختم کرنے لگے تھے

حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ — پھر تم نے بُزدلی دکھائی

وَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَعَصَیۡتُمۡ — اور کام میں جھگڑا کیا اور حکم عدولی کی

۳ : ۱۵۲

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جیتا ہوا میدان ہار گئے۔

احکام پر بے چوں وچرا عمل کرنے اور اطاعت پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ اگر ہم اطاعت یعنی انضباط کو جنگ کا اہم اصول قرار دیں تو ہم حق بجانب ہوں گے۔ ہم انضباط پر ثابت قدمی کے بعد روشنی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ثابت قدمی کا ذریعہ اللہ نے صبر بتایا ہے اور جہاد کے دوران صبر کی بار بار تلقین کی ہے اللہ کی مدد کرنے والوں کو اپنا محسن بتایا ہے اور کہا ہے :۔

وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ — صبر کرو یقیناً اللہ محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا

۱۱ : ۱۱۵

جنگ لمحہ یا دو لمحہ بلکہ دنوں اور مہینوں کی بات نہیں ہوتی۔ جنگ اکثر طول پذیر ہوتی ہے اور خصوصاً جب فریقین کی مادی طاقت قریب قریب متوازن ہو تو پھر یہ غیر معمولی طول پکڑ لیتی ہے۔ اس لئے اللہ نے اپنے محسنوں کو یقین دلایا ہے کہ اگر وہ صبر سے کام لیں گے تو یقیناً ثابت قدمی دکھا سکیں گے اور اللہ ثابت قدموں کو کامیاب کرتا ہے۔ اللہ کے وعدے سچے ہیں جو مسلمانوں کو بار بار کہتا ہے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ — اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

جہاد میں کامیابی کی ضروری شرط اور نہایت اہم اصول جنگ (جہاد) صبر ہے

جہاد اور صبر علیحدہ نہیں کیے جا سکتے۔ ملاحظہ ہو:۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ	کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم بہشت میں داخل ہوگے
وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ	اور ابھی اللہ کو تم میں سے ان کا علم ہی نہیں جو جہاد کرتے ہیں
وَ یَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝	اور ان کا بھی علم نہیں جو صبر کرتے ہیں

۳ : ۱۴۲

جب اللہ اپنے بندوں کا صبر دیکھ لے گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو صبر کی تلقین بار بار کرتا ہے۔ اس لئے صبر کے بغیر جنگ میں ثابت قدمی ممکن نہیں اور ثابت قدمی ہی متوازن جنگوں کے فیصلے میں آخری حربے کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے اور تو اور اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اپنی دعاؤں میں بھی صابر اور ثابت قدم بننے کی آرزو ظاہر کرنے کو کہتا ہے:۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا	اے اللہ ہم میں صبر ڈال (ہمیں صبر عطا فرما)
وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا	اور ہمارے قدم مضبوط کر دے
وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ	اور کافروں کے خلاف ہماری مدد کر

۲ : ۲۵۰

صبر اور ثابت قدمی لازم و ملزوم ہیں بلکہ بعض اوقات ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا	اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی ثابت قدم رہے)

	اور اللہ پر بھروسہ کیا
فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝	تو یہ پُرعظمت اور باہمت کام ہے
۳ : ۱۸۶	

وہ اللہ جو کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا :-

اِنِّی لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ	میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کا
۳ : ۱۹۵	عمل ضائع نہیں کرتا

وہ اپنے نام پر شہادت طلب کرنے والوں کے اپنے اعمال کیسے ضائع کرسکتا ہے۔ ایک جگہ اللہ مسلمانوں کو ہمت دلاتے ہوئے کہتا ہے :-

وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا	اور ہمت نہ ہارو اور نہ ہی غم کرو
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ	اور تم ہی غالب رہو گے
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝	اگر تم ایمان لانے والے ہو (یعنی اگر تم نے جنگ
۳ : ۱۳۹	کی مصیبتوں اور تکالیف کے دوران اپنا
	ایمان قائم رکھا تو دنیا کی کوئی طاقت بھی
	تمہارے قدم نہ ہلا سکے گی)

شہادت گہ الفت' میں قدم رکھنے والوں کو یقین دلایا ہے کہ اگر وہ اپنے عشق میں صادق رہے، اگر اللہ پر بھروسہ رکھا، اگر صبر و تحمل سے کام لیا اور ثابت قدم رہتے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہے تو وہ ضرور فاتح و کامراں رہیں گے اور اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ جنگ آزمائش کا مقام ہے۔ یہ آزمائش ذہنی اور جسمانی ہوتی ہے جو اللہ کے نام پر صدق دل سے رزم حق و باطل میں شریک ہوتے ہیں اُن کے لئے یہ آزمائش

مشکل نہیں ہونی چاہیے البتہ انسان میں خامیاں اور کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اس لئے اللہ تعالےٰ نے مجاہدوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ جنگ میں ایسی مشکلات بدیہی ہوتی ہیں اس لئے اُن کے لئے تیار رہیں:-

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ	اور ہم تمہیں یقیناً آزمائیں گے کچھ خوف
وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ	اور بھوک اور مال
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ	اور جان اور پیداوار کے نقصان سے
وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o	(ان سب حالات میں) ثابت قدم رہنے والوں
۲ : ۱۵۵	کو خوشخبری سُنا دو۔

یہ آزمائش بلاشبہ حالاتِ جنگ سے تعلق رکھتی ہے جہاں پر خوف، بھوک نقصانِ مال و متاع اور کھیتیوں کی بربادی کے علاوہ جانیں بھی دینی پڑتی ہیں جہاں چھوٹی جماعتوں کا بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آنے کا ذکر ہے وہاں بھی آخری الفاظ ہیں:-

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ o	اور اللہ صبر کرنے والوں (ثابت قدم اور
۲ : ۲۴۹	جم کر مقابلہ کرنے والوں) کے ساتھ
	ہوتا ہے۔

میدانِ جنگ ہی یقیناً ایسا مقام ہے جہاں ثابت قدمی اور صبر کا اجر اجرائے عدل و انصاف، بقائے ملت، آئندہ نسلوں کی خوشحالی اور مردانہ و آزادانہ زندگی کے تحفظ کی صورت میں ملتا ہے

جہاد کا تیسرا اصول "انضباط" ہے جس میں تعمیل حکم کا عنصر اولیت کا مقام رکھتا

ہے۔ انضباط ہی فوج کو بھیڑ سے ممیز کرتا ہے۔ اگر افواج کی صفوں میں انضباط نہ ہو تو انہیں افواج کہنا ہی غلط ہوگا۔ اور اگر ایسا انسانی گروہ میدانِ جنگ تک چلا بھی جائے تو جنگ کرنے کے ناقابل ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انضباط اور تنظیم کو اتنا بلند مقام اور اتنی زیادہ اہمیت عطا فرمائی تھی کہ بیعت عقبہ کے موقعہ پر تہتر کے بارہ قبائل کے افراد کے لئے بارہ سردار چننے کا حکم دیا اور جب حضورؐ کے سامنے بارہ نام پیش کئے گئے تو انہیں منظور فرما کر مناسب ہدایات فرمادیں[1]۔

جنگی ماحول ہو یا فوجی تربیت کا مرحلہ۔ تعمیل حکم کا مقام بہت بلند ہے۔ جنگ میں فتح تو کجا، وہ فوج جس کے افراد بے چون وچرا تعمیلِ حکم کے عادی نہیں وہ فوج کہلانے کے حقدار ہی نہیں ہوسکتی۔ مسلمانوں کی جنگ کو جہاد کا مقام ہی اسی وقت عطا ہوسکتا ہے جب صدرِ مملکت بلکہ وفاقِ اسلامی کی اعلیٰ ترین تنظیم کے صدر الصدور سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک تعمیلِ حکم پر بدرجہ اتم عمل پیرا ہوتے رہیں۔ تعمیلِ حکم کے متعلق احکام قرآنی ملاحظہ ہوں:۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو (یعنی اللہ کے اور اُس کے رسولؐ کے احکام مانو۔ جو شخص عالمگیر وفاق اسلامی کا صدر الصدور ہے وہ بھی اپنے

---

[1] محمد حمید اللہ۔ رسول اللہ کے میدانِ جنگ (انگریزی) انگلستان۔ ووکنگ ۱۹۵۳ء ص ۔ ۸ (ابن سعد کے حوالے سے)

اعمال واقوال میں پابند قانون ہے اور یہ
قانون اللہ کے کلام اور حضور سرورِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال میں
موجود ہے۔ زمانۂ امن میں پڑوسی ممالک کے
ساتھ کیسے سلوک کیا جائے مسلمان حدتوں
کے درمیان کس طرح کے معاہدے ہونے
چاہئیں۔ غیر مسلم مگر صلح کن اور صلح پسند اقوام
کے ساتھ کس طرح کے روابط قائم ہونے
چاہئیں، دنیا میں ظلم وستم روا رکھنے والی کافر
اقوام اور اُن کے ساتھی منافق ممالک کے
ساتھ کس طرح کے تعلقات رکھے جائیں اور
دوسری طرف ملتِ اسلامیہ کو جہاد کے
لئے مستعد وتیار رکھنے کے لئے کون سے
اقدامات کئے جائیں۔ یہ سب مسائل ایسے
ہیں جن کو حل کرنے کے لئے مسلمان اصحاب
بست وکشود کے لئے اللہ اور اس کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل
کئے بغیر اُن کے لئے کوئی راہِ فلاح وبہبود
تصور میں نہیں آسکتی۔)

وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ — اور (ان کی اطاعت کرو) جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں (اور جنہیں تمہاری متفقہ رائے اور مرضی کے مطابق یا ملک و ملّت کے دستور کے مطابق تم پر صاحبِ امر مقرر کیا گیا ہے ان کا حکم مانو، یعنی جب تک اُن کے احکام اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے اس وقت تک ان کا ہر حکم ماننا تمہارے لئے فرض کا مقام رکھتا ہے۔)

یوں تو قومی و ملّی بلکہ ملکی زندگی بھی انضباط اور تعمیلِ حکم کے بغیر بخیر و خوبی انجام نہیں پاسکتی۔ البتہ میدانِ جہاد میں "انضباط" اور اسی لئے تعمیلِ حکم جس کے بغیر انضباط تصور میں نہیں آسکتا، اسے اصولِ جنگ کا مقام دیا گیا ہے۔ اصحابِ امر کے لئے انضباط قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عدل و انصاف، مساواتِ انسانی اور اخوتِ اسلامی پر کاربند رہیں یعنی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے پابند رہیں اور ان احکام کی روشنی اور ہدایت کے اندر رہتے ہوئے جہاد میں فتح و کامرانی حاصل کرنے کے لئے اپنی افواج کے لئے دستورِ عمل قائم کریں اور پھر اس دستورِ عمل کے مطابق شب و روز کے احکام دیں اور تزویرات و تدبیرات جنگ کی تفاصیل سے متعلق احکام جاری کریں۔ جب فوج کا ہر طبقہ اپنے سے بالاتر

طبقات کے احکام پر عمل کو فرضِ دینوی کا مقام دے گا تو پھر یہ فوج ایسی جاندار مشین کا مقام حاصل کرلے گی جس کا ہر پرزہ دوسرے پرزوں کے ذہن کو اسی طرح سمجھتا ہوگا جس طرح وہ اپنے ذہن کو سمجھتا ہے۔ ایسی جاندار، خود فہم اور بادراک مشین کی کامیابی میں کس طرح شک و شبہ کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ مشین اس طرح اجرائے حکم اور تعمیل حکم پر پابند ہوگی تو تائیدِ غیبی بھی اس کا ساتھ دیتی رہے گی۔

جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	اور جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی
وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ	اور اللہ کا خوف کیا اور اس پر بھروسہ کیا
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ	تو وہ لوگ ضرور کامیاب ہوں گے

۲۴ : ۵۲

اللہ کا خوف اور اللہ پر بھروسہ یا تقویٰ انسان کو ہر گمراہی اور ہر کوتاہی سے بچاتے ہیں۔ میدانِ جہاد میں تو ان دونوں خوبیوں کے بغیر کامیابی ناممکن ہو جاتی ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام ماننا اور پھر اللہ پر تقویٰ رکھ کر اپنے تمام اعمال کو ہاتھ میں لینا کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جب وہ احکامِ الٰہی کے مطابق جہاد میں شریک ہوں گے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ان کی مبارک سنت کے مطابق مسائل حرب و ضرب کو حل کریں گے تو وہ ہر حال میں اور ہر مقام پر فائز و کامراں ہوں گے۔

انضباط میں اطاعتِ اصحابِ امر کے علاوہ بھی چند باتیں ہیں۔ اولاً یہ کہ افواج

کے قوانین کی پابندی اور ان قوانین کی پابندی میں عدل و انصاف کا قائم رکھنا۔ جو فوج امن عالم اور کرۂ ارضی پر عدل و انصاف رکھنے اور کمزوروں کی مدد کے لئے کھڑی کی گئی ہو اس کی اپنی صفوں کے اندر عدل و انصاف مثالی حد تک قائم ہونا چاہیئے۔ عام افواج میں بھی جب عدل و انصاف قائم نہیں رہتا، جب کمانڈر اپنی پسند و ناپسند کے مطابق ترقیاں اور درجات دینا شروع کر دیتے یا سزائیں دیتے ہیں تو پھر اس فوج کی صفوں میں بے دلی کی وجہ سے انتشار پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ جو فوج اقوام عالم پر شاہد ہو اور جس کا مقصدِ حیات ہی قیامِ عدل و انصاف ہو، اس کی صفوں میں ناانصافی اور شخصی پسند و ناپسند کے دور دور سے کا وجود روح اسلام کے مطابق نہیں کہلا سکتا، اور جب کسی قوم کی مسلح طاقت ہی اس قسم کے نصب العین کے خلاف عمل کر رہی ہو تو پھر اس قوم کی کامیابی کی راہ میں جن دشواریوں اور دقتوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے وہ تصور سے بھی بالاتر ہیں۔ عدل و انصاف کا فقدان انضباط کو تباہ کر دیتا ہے اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے احکام اور ضوابط کے الفاظ اور ان الفاظ کی تہہ میں جو روح کارفرما ہوتی ہے اس پر عمل از بسکہ ضروری ہوتا ہے۔ عہدِ حاضر کی آزاد فضا میں پروردہ پود کے مفکرین انضباط کو گراں بار سمجھتے ہیں اور تعلیم کے عام ہو جانے کے بہانے پیش کر کے یہ کہتے ہیں کہ اب چونکہ ہر شخص خیر و شر میں تمیز کر سکتا ہے اس لئے انضباط کی اہمیت پہلی سی نہیں رہی۔ ہم عصر حاضر ہی کے ایک تجربہ کار ڈاکٹر کی رائے پیش کرنے کی جرأت کریں گے۔ اس مصنف نے دونوں عالمی جنگوں میں اگلی صفوں میں شرکت کے ذریعہ وسیع تجربات حاصل کیے۔ وہ لکھتا ہے میں جنگ کی تاریخ سے ایک ہی سبق اخذ کرتا ہوں ——— ہمیں

جمہوریت میں انضباط میں کمی نہیں بلکہ زیادتی کرنی پڑے گی۔[۵]

جمہوریت ہو یا آمریت، شہنشاہیت ہو یا اشتراکیت، واشتمالیت، کسی ملک کی افواج کی صفوں میں اگر انضباط کی کمی ہو تو اس ملک کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ انضباط کے قیام کے لئے احکام الٰہی کی پابندی اور خوفِ خدا ہی کارگر ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح ماتحتوں کے لئے اصحابِ امر کے احکام کی اطاعت اور قوانین کی پابندی ضروری ہے اسی طرح اصحابِ امر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ماتحت افراد کے مسائل پر وقتاً فوقتاً نگاہ رکھیں اور انہیں فراخ دلی سے حل کرتے رہیں انسان محض گوشت پوست کا مجموعہ نہیں وہ احساسات بھی رکھتا ہے اور ان احساسات کا دائرہ اس کی ذات سے ہٹ کر اس کے اہل وعیال کو بھی اپنے اندر لے آتا ہے۔ اگر افرادِ فوج کے ذاتی اور اُن کے اہل وعیال سے متعلق مسائل کو فراخ دلی اور حسنِ نیّت سے نہ سلجھایا جائے تو اُن کی کارکردگی متأثر ہوتی ہے اور اگر افراد فوج کی کارکردگی کا معیار گر جائے تو پھر ملّت اپنی حدِ استطاعت تک کے حکم پر کاربند نہیں ہوسکتی۔

جنگ کے چوتھے اصول کو توازن کا نام دیا جاسکتا ہے یعنی عالمِ اسلامی کے اندر توازن، افواج کے مختلف شعبوں کے اندر توازن اور آخر میں جب جنگ شروع ہو جائے تو ضروری ہوتا ہے کہ تمام محاذ اپنی اپنی اہمیت کی مناسبت سے متوازن صورت اختیار رکھیں تاکہ کہیں صفوں میں رخنہ نہ پڑ جائے اور دشمن اس رخنہ کو شگاف نہ بنا ڈالے اور پھر اس شگاف کے ذریعے محاذ کے پیچھے جاکر شہری آبادی یا

---

[۵] لارڈ مورن، دلیری کا تجزیہ۔ کانسٹبل۔ لندن سنہ ۱۹۴۶ء ص۔ ۱۱

عقب کی صفوں میں ابتری پھیلانے کی کوشش شروع کر دے۔ اس خیال کی سند میں ہم معروف آیت پیش کرتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ	یقیناً اللہ ان کو پسند کرتا ہے
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ	جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں
صَفًّا	صفیں باندھ کر
کَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ	جیسے وہ سیسے کی دیوار ہوں

۶۱ : ۴

افواج میں صفوں کے قیام اور استحکام کو ہم اس لئے متوازن کے معنے دے رہے ہیں کہ فوج جب تک صف بہ صف نہ ہو، اس وقت تک اس کے مختلف شعبوں کا صحیح یعنی متوازن استعمال نہیں ہو سکتا، تیر انداز، نیزے بردار، شمشیر زن، اور سوار مختلف سمتوں سے اور مختلف رفتار سے میدانِ جنگ پر استعمال کئے جاتے تھے مگر ان میں توازن اسی صورت قائم رکھا جا سکتا تھا جب ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی صف میں اپنی جگہ پہچان لیتا اور پھر اسے قائم رکھتا ورنہ احتمال رہتا تھا کہ سوارہ کہیں وقت سے پہلے یا وقت کے بعد نہ دشمن سے ملاپ کرے اور یوں کہیں پوری فوج کا صدماتی عمل واقع ہی نہ ہو سکے۔ مختلف وقتوں پر دشمن سے ملاپ کرنے کا ایک خطرناک نتیجہ یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ دشمن چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ روکنے میں آسانی محسوس کرتا ہے اور فرداً فرداً شکست کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے صفوں کو سیدھا رکھنے پر زور دیا جاتا ہے۔ ہم نے اس اصول کو اسی لئے توازن کا نام دینا زیادہ مناسب سمجھا ہے۔

آج کی افواج میں بحری بیڑے، برّی فوج اور فضائیہ میں توازن نہ ہو تو جنگ صحیح معنوں میں لڑی نہیں جا سکتی اور اس توازن کو افواج سہگانہ کی متوازن تیاری کے بعد ان کا استعمال بھی ایسے منصوبے کے تحت ہونا چاہیئے کہ ایک دوسرے کو مدد دے سکیں تاکہ ایک کی ضرب دوسرے کو آگے بڑھنے میں مدد دے۔ اس طرح کی جنگ کو صف بہ صف جنگ کا نام بھی دیا جا سکتا ہے اور عام فہم زبان میں ہم اسے متوازن منصوبے کی جنگ کہہ سکتے ہیں۔

اس آیت میں سیسے کی دیوار کی مثال دی گئی ہے سیسہ ایک ایسی دھات ہے جس میں مضبوطی بھی ہے اور لچک بھی۔ یہی دو خصوصیتیں افواج میں ہونی چاہیئے تاکہ دشمن کی ضربات سے صف ٹوٹنے نہ پائے اور یوں محاذ کا کوئی حصّہ کمزور نہ ہو جائے لچک کی وجہ سے صرف معمولی طور پر اور وقتی طور پر دب جائے اور جوں ہی دشمن کا دباؤ ہٹے اسی وقت پھر اپنے پہلے مقام پر چلا جائے۔

جہاد کا پانچواں اصول تسلسلِ شدت بتایا جا سکتا ہے۔ اگر جنگ میں شدّت کا تسلسل ٹوٹ جائے تو پہلی کوشش سے پیدا کردہ حرکت کے سُست پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ دشمن پر جب ضربیں لگ رہی ہوں تو اُن کے تسلسل اور شدت میں فرق نہ آنا چاہیئے۔ اس بات کو قائم رکھنے کے لئے افواج کے ہر فرد کے قلب و ذہن میں دشمن کے متعلق شدتِ جذبات کی ضرورت ہوتی ہے[۱]۔ طبیعت کی نرمی رزم حق و

---

[۱] صدیوں بعد اس خیال کو کلازوٹز نے یوں پیش کرنے کی کوشش کی کہ "جنگ کے فلسفہ میں نرمی کا عنصر شامل کرنا بے معنی ہوگا۔" کلازوٹز ص ۳

باطل کے دوران مقصد پورا نہیں کرتی۔ ارشاد ربانی ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	محمد رسول اللہ
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ	اور جو اُس کے ساتھ ہیں
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ	وہ کافروں پر شدت پذیر ہوتے ہیں

۴۸ : ۲۹

محمد عربیؐ کی وہ اُمت اور ان کا وہ لشکر جو ہر وقت رکوع وسجود میں رہتے ہیں وہ جب دشمن کے سامنے جاتے ہیں تو دشمن ان کے حملوں کی شدت برداشت نہیں کرسکتا۔ جنگ نام ہے سخت طبیعتوں کے سخت اعمال کا۔ جس کے دوران دو طاقتیں ایک دوسرے کے ساتھ پوری شدّت سے ٹکراتی ہیں۔ جس طاقت کے ٹکراؤ کی شدت کمزور ہوتی ہے۔ اسے ہی پسپا ہونا پڑتا ہے۔ ایک اور جگہ حکم دیا گیا ہے:۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	پس جب تمہارا کافروں کے ساتھ مقابلہ ہو جائے
فَضَرْبَ الرِّقَابِ	تو ان کی گردنیں مارو (شدت کی جنگ کرو)
حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ	حتّٰی کہ ان کو کچل ڈالو

۴۷ : ۴

اس شدّت اور سختی میں جب تک تسلسل نہ ہوگا۔ اس وقت تک اس کے جلد کامیابی میں رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ شدّت کے اس تسلسل میں اس وقت بھی کمی نہ کی جائے جب دشمن بھاگ کھڑا ہو۔ اگر دشمن کے بھاگ کھڑے ہونے پر ذرا بھی پیش قدمی کی رفتار میں کمی کی جائے تو دشمن پیچھے ہٹ کر دوسرا محاذ درست

کر لیتا ہے اور اگر دوسرا محاذ نہ بھی قائم کرے تو وہ اتنے فاصلہ پر ہو جاتا ہے کہ اُس کے لشکر کا معتد بہ حصّہ مکمل طور پر تباہ ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اس لئے دشمن کا پیچھا کرتے وقت بھی تسلسلِ شدت کو قائم رکھنا چاہیئے۔ قرآنِ حکیم نہایت وضاحت سے کہتا ہے:

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ	اور کسی قوم (دشمن) کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ
إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ	اگر تم تھکان محسوس کرتے ہو
فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ	تو وہ بھی تمہاری طرح تھکان محسوس کرتے ہیں
وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ	اور تم اللہ سے وہ اُمیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے

تاریخ جنگ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارے ہوئے فریق کی اتلاف کا بیشتر حصہ بھاگ کھڑے ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے۔ تسلسل شدت کی ضرورت تو جنگ کے ہر مرحلے میں ہوتی ہے۔ البتہ دشمن کا پیچھا کرتے وقت تو اس میں کمی ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ یہی تو وقت ہوتا ہے جب اُسے مکمل طور پر تباہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر غلطی سے پیش قدمی کی رفتار کا تسلسل ٹوٹ جائے اور شدت کم ہو جائے تو دشمن کے لئے بچ نکلنے میں آسانی ہو جاتی ہے اور تو اور جب دفاعی منصوبے پر مجبور ہونا پڑے اُس وقت بھی تسلسل شدت کی اشد ضرورت رہتی ہے تاکہ دفاعی قوتوں اور کوششوں میں کسی وقت اور کسی مقام پر بھی کمزوری نہ واقع ہو سکے اور دفاعی خط میں شگاف نہ پیدا ہو جائے۔ جنگ میں انسان کو ذہنی اور بدنی طور پر پوری طرح جھنجھوڑا جاتا ہے

البتہ جو اپنے ذہنی و جسمانی قوار کو آسائش اور تکلیف دونوں صورتوں میں ایک ہی سطح پر رکھ سکیں اور اپنی کوششوں میں تسلسل قائم رکھیں وہ ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔
غزوہ احد کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ — وہاں پر ایمان والے آزمائے گئے
وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا — اور انہیں شدید جھٹکوں سے جھنجوڑا گیا

۳۳ : ۱۱

اور جب وہ اس آزمائش میں کامیاب اُترے تو اللہ نے اُن کو کئی گنا بڑے دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ حقیقت میں جب مسلمان میدانِ جہاد میں اللہ کے احکام کے مطابق صبر و تحمل سے اپنے قدم جمائے رکھتے ہیں تو وہ اللہ کی فوج ہوتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — اور زمینوں اور آسمانوں کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔

۴۸ : ۷

یہی وہ لشکر ہوتے ہیں جو بنی نوع انسان کے مظلوموں کی مدد کو آتے ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق عدل و انصاف قائم کرنے کا باعث بنتے ہیں مگر ان کی اہمیت اور ان کی حقیقت کو صرف وہی پہچان سکتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ — اور تمہارے اللہ کی فوجوں کو سوائے خود اس کے اور کون جان سکتا ہے۔

۷۴ : ۳۱

اللہ کے لشکروں کی خصوصیات سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہیں جو اس نے قرآن حکیم میں بیان فرما دی ہیں:۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کی رفاقت پکڑے
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ	تو وہ اللہ کی جماعت ہوں گے (یہی اللہ کی فوج ہے)
هُمُ الْغٰلِبُوْنَ	وہی غالب ہوں گے (اس لئے اللہ کی فوج پر کوئی غالب نہیں آسکتا)
۵ : ۵۶	

جنگ میں پوری طاقت کو انتہائی شدت سے استعمال کرنا یعنی اپنے مادی جسمانی، ذہنی اور روحانی قوار کو کماحقہم استعمال کرنا نہایت اہم اصول ہے اس کی اہمیت کا اندازہ سورۃ النّٰزِعٰت کی پہلی چند آیات کے الفاظ سے ہو سکتا ہے اللہ تبارک وتعالےٰ شدت سے جہاد کرنے والوں کی قسم کھاتا ہے اور ان کے طلبگار شہادت ہونے کو سراہتے ہوئے کہتا ہے :-

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ	قسم ہے غوطہ لگا کر جھپٹنے والوں کی (آبدوز غوطہ لگا کر وار کرتی ہے اور اس شدّت سے وار کرتی ہے کہ ہزاروں ٹن بوجھل بحری جہاز تھوڑی ہی دیر کے بعد تہہ آب ہوتا ہے۔ غوطہ مار بمبار جب غوطہ لگا کر جھپٹتے ہوئے وار کرتا ہے تو اس کے پروں تلے زمین تہہ و بالا ہوجاتی ہے۔ غوطہ مار بمبار کے وار کا
۷۹ : ۱	

منظر دیدنی ہوتا ہے جیسے کسی زمانے میں
گھوڑ سوار رسالے کے پروں کے پرے
نیزے تانے بدن آگے کو جھکائے جب
اپنے ہدف پر پہنچتے تھے تو جھپٹتے ہوئے
نیزوں کی انیوں کو دشمنوں کے سینوں سے
پار کرتے ہوئے آن کی آن میں دشمن کی
اگلی صفوں سے پچھلی صفوں تک جا پہنچتے
تھے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ — اور قسم ہے اُن کی جو شگاف ڈالتے ہوئے آگ اُگلتے ہیں۔

۷۹ : ۲

ٹینکوں، توپوں، مارٹروں اور چھوٹے بڑے ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہوئے وہ مجاہد جو اپنی جان اور اپنے بدن سے بے پرواہ اللہ کی وحدانیت پر شہادت دینے کی آرزو سینے میں محفوظ رکھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں شگاف ڈالتے ہیں ان کی قسم اور ان کی رفعت و بلندی اور اُن کے جذبات و اعمال کی شدت کی قسم اللہ تبارک و تعالٰے بھی کھاتے ہیں۔ جنگ میں شدت اور اس شدت کے تسلسل کا قیام جب صبر کرنے والی اور منضبط افواج میں پایا جائے تو اُن کی کامیابی کی راہ میں دنیا کی کوئی طاقت حائل نہیں ہو سکتی۔

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ — اور قسم ہے تیرنے والوں میں (امتیازی) تیرنے والوں کی

۷۹ : ۳

آج تیرنے والوں اور خصوصاً میدانِ کارزار میں تیرنے والوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ وہ جو ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر دشمن کی تباہی کا باعث بنتے ہیں اور ادھر دوسری طرف اپنی قوم اور اپنے ملک کے اُوپر حفاظت کی چھتری پھیلا کر اُن کی حفاظت کرتے ہیں یا اپنی شاہبازی کے کرتب دکھاتے اور جھپٹتے پلٹتے ہوئے اپنی ملت کی بّری اور بحری بیڑوں کو آگے بڑھنے میں مدد دیتے ہیں وہ ہوا میں تیر رہے ہوتے ہیں اور چونکہ اُن کا یہ تیرنا حق و صداقت اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے ہوتا ہے اس لئے وہ اللہ کی عطا کردہ کتاب میں تعریف کے لائق ہیں۔

آج کی جنگ میں بحری جنگ کا بہت اہم حصہ ہے۔ اب یوں بھی سرحدیں سمٹ چکی ہیں۔ البتہ دنیائے اسلام جس کی آزاد اقوام تین براعظموں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ آپس کا تعاون اور اجتماعی منصوبہ اسلامی ممالک کی بحری افواج کی شمولیت کے بغیر نہیں بنا سکتی اور یہ بحری بیڑے جب دنیا کے مختلف سمندروں اور دریاؤں میں تیرتے ہوئے دشمن دین و دنیا پر آگ برسائیں گے تو اُن کا سماں بھی دیدنی ہوگا۔

اس بحری جنگ میں وہ افراد بھی ہوتے ہیں جنہیں غوطہ مار کہا جاتا ہے اور جو انفرادی طور پر یا چند آدمی مِل کر بحری جہازوں کو ڈبونے کے لئے کئی کئی میل زیرِ آب تیرتے ہوئے دشمن کے بحری بیڑے میں تباہی کا باعث بننے کی اہلیّت رکھتے ہیں۔ اس دَور کی جنگ میں تیز رفتاری کو نمایاں حیثیت ہے۔ اور یہ تیز رفتاری شدت اور تسلسل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ قرآنِ حکیم نے شدّتِ جنگ اور اس شدّت کے تسلسل کو اہمیت دے کر مسلمان لشکروں کو اسے اصول کے طور پر اپنانے کا ارشاد فرمایا ہے:۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ○ اور قسم ہے اُن کی جو سبقت لیجانے والوں

۷۹ : ۴ میں سے (بھی) سبقت لے جاتے ہیں

ہر مجاہد اپنے گرد وپیش کے افراد پر سبقت لے جانے کا مقام کھتا ہے۔ اِن سبقت لے جانے والوں میں جو سبقت لے جاتے ہیں اور اپنے آپ کو خالد وطارق اور قاسم وصلاح الدین کے نقشِ قدم پر چلنے کے قابل بناتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی محبت، ان کے جذب وشوق اور اُن کے بلند عزائم کو سراہتے ہیں یہی وہ باتیں ہیں جو جنگ میں شدت پیدا کرتی ہیں اور جب شدت اور اس شدت میں تسلسل پیدا ہو جائے تب جا کر یقین ہوتا ہے کہ فتح ونصرت مجاہدوں کے قدم چومے گی۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ○ اور قسم ہے اُن کی جو تدبیروں (جماعت

۷۹ : ۵ کے طرزِ عمل) کا فیصلہ دیتے ہیں۔

جو لوگ کاروبارِ ملّت کی تدبیروں میں مشاورت کے بعد فیصلہ دیتے ہیں اللہ انکی قسم کھاتے ہیں۔ ایک مسلمان کو اُمورِ ملّت میں فیصلہ دینے کا مقام حاصل ہونے سے بہتر کون سی سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ فیصلے جنگ کے متعلق ہوں یا طرزِ جنگ اور لشکروں کے استعمال کے متعلق ہوں تو پھر مومن کے مقامِ سعادت کی انتہا ہی نہیں رہتی۔ مسلمان مجاہدوں کے لشکروں کی قیادت، ان کے اُمور میں فیصلہ دینے کی خوش بختی، ان لشکروں کو استیصال کفر کے لئے استعمال کرنا اور فتح و نصرت کے علم بلند کرتے ہوئے ملّت کی طرف فاتح وکامراں لوٹنا یہ مجاہد کے لئے انتہائی فخر کا مقام ہے مگر جو ان مقامات پر پہنچتے ہیں وہ ان مقامات کو خدمت کا ذریعہ بناتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں کہ انہیں عدل وانصاف

کے قیام میں شرکت کا موقع دیا گیا جب تک وہ اس مقام کی بلندی کا احساس نہ کرینگے اور اللہ کے شکر گذار نہ ہوں گے اس وقت تک ان کے اعمال میں خالصتاً لوجہ اللہ ہونے کا عنصر کاملیت سے پیدا نہ ہوگا۔

جنگ کے دوران تسلسل اور شدت کے اصول کی اہمیت پر سورۃ العادیات کی چند آیات بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ کلام ربانی کے پُر جلال الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ قسم ہے ہانپتے گھوڑوں کی

۱:۱۰۰

جنہوں نے گھوڑ سوار رسالے کا حملہ کیا ہو یا دیکھا ہو وہ اس منظر کے جلال کو تصور میں لا سکتے ہیں اور یا پھر جو بے پناہ شور مچاتے ہوئے ٹینکوں کی صفوں میں میدانِ جنگ میں آگے بڑھ چکے ہوں اور اس قیامت نما منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہوں۔ وہ مجاہد جو ہانپتے گھوڑوں اور شور مچاتے ٹینکوں پر سوار ہو کر خدائے لم یزل کی وحدت، اس کی ربوبیت اور اُس کے عدل و انصاف کی شہادت دینے اور اس کے حکم کے مطابق عدل و انصاف قائم کرنے والے معاشرے کے قیام کے لئے اپنی جانوں کو پیش کرتے ہیں وہ اس وقت یوں محسوس کرتے ہیں کہ اللہ کی اس پیدا کردہ کائنات میں اگر کوئی شے ہے تو وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور پھر وہ خود اس کے بندے ہیں جو زندہ رہے تو عدل و انصاف قائم کریں گے اور اگر شہید ہو گئے تو ابد تک نازاں رہیں گے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے ان کو جسدِ خاکی کی خلافت کی صورت میں جو امانت دی تھی اس سے وہ بطورِ احسن سبکدوش ہوئے۔

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ قسم ہے (ان کی جو) آگ کے شعلے

۲:۱۰۰

اڑاتے ہوئے (آگے بڑھتے ہیں)

ہلہ بولنے والے شہسواروں کے گھوڑوں کے سموں سے چنگاریاں اُٹھتی تھیں اور آج ان کی جگہ جن ٹینکوں اور توپوں نے لی ہے وہ آگے بڑھتے ہوئے آگ کے لپکے بلند کرتے ہوئے مجاہدوں کو آگ اور فولاد کی چھتری سے سایہ دیتے ہوئے دشمن کی صفوں کو ریزہ ریزہ کرتے ہیں۔

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا — اور قسم ہے اُن کی جو علی الصبح حملے میں روانہ ہوتے ہیں

۱۰۰ : ۳

سحر حملہ مجاہدوں کی پیادہ فوج کا دلچسپ و نفع بخش انداز ہوا کرتا ہے۔ وہ نماز فجر حملے کے دوران ادا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اس وقت اللہ تبارک تعالےٰ کی اہمیت کی شہادت دینا پسند کرتے ہیں۔ جب سحر کے وقت اُن کی زبانوں پر کلمۂ شہادت کا ورد ہو اور سینے کے اس جوش کی تاب نہ لاکر فرشتۂ اجل اپنے پروں کو سمیٹتا ہوا دشمن کی صفوں کی طرف پلٹ جائے۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ — اور جب وہ دھول اُڑاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں

۱۰۰ : ۴

ان مجاہدوں کی ہمت اور اُن کے استقلال کی کیوں نہ قسم کھائی جائے۔ یہ پیادہ اور یہ سوارہ قوم و ملت کی آن ہوتے ہیں۔ جب وہ آگ برساتے، دھول اُڑاتے اور اللہ اکبر کی صدا قول و فعل سے بلند کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس سیلاب کو نہیں روک سکتی۔ اس لئے کہ وہ قرآن کے عطا کردہ اصولِ جہاد یعنی شدت و تسلسلِ جنگ پر پوری طرح عمل پیرا ہو رہے

ہوتے ہیں۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ پھر وہ دشمن کو، مجمتع ہو کر چیرتے (ہوئے

۱۰۰ : ۵ بڑھ جاتے) ہیں۔

سبحان اللہ! الفاظ و معانی کا جلال اور اس ایمان افروز منظر کو علیم و خبیر اللہ کس حقیقت افروز رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

ہانپتے گھوڑوں اور شور کرتے ٹینکوں پر سوار اور ان کے ساتھ علی الصبح سحر حملہ کرنے والی پیادہ فوج جب یک جان و ہزار ہا قالب کی صورت میں آگے بڑھتی ہے تو دشمن کی صفوں میں یوں شگاف ڈالتی ہے جیسے کوئی واحد شے شدت سے ان صفوں سے ٹکرائی ہو اور اپنی رفتار اور وزن کے زور سے انہیں چیر کر آگے نکل گئی ہو۔

جنگ کا چھٹا اصول جو ام الکتاب کے احکام سے اخذ کیا جا سکتا ہے وہ "تا دمِ آخر" کا اصول ہے۔ اس اصول سے مغرب کے مصنفوں نے ایک فقرہ نکالا ہے، جس کے معنی یوں ہوں گے۔

"آخری سپاہی کی آخری گولی تک لڑنا"[1]

اسلام میں اس اصول کو اس سختی سے عائد کیا گیا ہے کہ اس اصول کی حکم عدولی کرنے والا مسلمان ہی نہیں رہتا۔ جرمن جنگی مصنف کلازوٹز ایک جگہ کہتا ہے کہ وہ ہتھیار انسان نے ابھی تک ایجاد نہیں کیا جو دلیر مردوں کو اپنا دفاعی مقام چھوڑنے

---

[1] ٹو فائٹ ٹو دی لاسٹ مین اینڈ دی لاسٹ راؤنڈ۔

پر مجبور کرسکے ہتھیار حتیٰ کہ ایٹم بم ولیر انسانوں کو مار سکتا ہے۔ البتہ ہتھیار ثابت قدم اور صبر کرنے والوں کو ان کا مقام چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ جن کے دلوں میں صرف اللہ کا خوف ہو اور جو زُلزِلُوا زِلزالاً شدیداً[1] کے واقعات سے آشنا ہوں وہ ان شدید سے شدید جھٹکوں کا مقابلہ عزم و استقلال سے کرتے ہیں اور دشمن کی جانب پیٹھ نہیں کرتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جس نے انہیں پیدا کیا، جس نے ان کی پرورش کی اور جس نے اپنے کرم و جودت کی وجہ سے انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت کی اس کا حکم ہے:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا	جب تم میدانِ جنگ میں کافروں کے مقابل آجاؤ
فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ٥	تو ان کی طرف پیٹھ مت پھیرو

۸ : ۱۵

اس آیت کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ میدانِ جنگ سے منہ وہ پھرتے ہیں جن کے جنگ۔ آزما ہونے کا مقصد شکست کے ذریعہ بھی تھوڑا بہت پورا ہو جائے۔[2]

---

[1] اور انہیں شدید جھٹکوں سے جھنجھوڑا گیا (۳۳ : ۱۱) [2] جنہیں محض دنیوی زندگی سے سروکار رہوتا ہے وہ غلامی کی زندگی بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ہندوستانی رہنما گاندھی کا قول اسی طرح کے فلسفے کی طرف اشارہ کرتا ہے "اگر تم جنگ کرو تو تمہاری تباہی کا خطرہ ہوتا ہے اگر تم عدم تعاون کے ذریعہ مقابلہ کرو تو تمہارے زندہ رہنے کا امکان ہے۔" افریقی مثلث مصنفہ ایلن مورہیڈ مطبوعہ ہمیش ہملٹن۔ لندن۔ ۱۹۴۰ء۔ ص۔ ۲۷۹

جو اصول اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے میدانِ جنگ کا رُخ کرتے ہیں۔ وہ عدل و انصاف اور اصولوں کے منکروں کے سامنے سے پیٹھ پھیر کر کیسے راہِ فرار اختیار کر سکتے ہیں۔ حضورِ اقدس کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ ارشاد فرماتا ہے:۔

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ — کہو کہ تمہیں بھاگ کھڑے ہونے سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔

إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ — اگر تم مرنے سے یا قتل ہونے سے بھاگ بھی جاؤ گے

وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا — تو سوائے قلیل مدت کے اس سے ہرگز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے گا۔

۳۳ : ۱۶

جن قوموں کے افراد میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرتے ہیں وہ جب چند روزہ آرام و آسائش اور اس مستعار زندگی کی طرف ہانپتے کانپتے اور سایوں سے خوف کھاتے ہوئے لوٹتے ہیں تو اس زندگی میں اُن کے لئے عزت و آبرو کا شائبہ تک نہیں رہ جاتا اور وہ دن جلد آجاتا ہے جب غلامی کی زنجیریں انہیں انتہائی بوجھل معلوم ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور سانس لیتے ہیں مگر اُن کے دل مطمئن نہیں ہوتے اور جب اُن کے دل مطمئن نہیں ہو سکتے تو وہ شراب اور عیاشی کے ذریعے اپنی ذلت کے احساس کو بھلانا چاہتے ہیں پچھلی چند صدیوں کے مسلمانوں کی عیاشیاں اس وجہ سے بھی تھیں کہ وہ ملکی اور غیر ملکی انسانی شکل کے خداوندوں کی دہلیزوں پر جبیں سائی کرنے پر مجبور تھے مگر ان کے ضمیر ان پر لعنت کرتے تھے۔ اس ضمیر کی آواز کو خاموش کرنے کے لئے

وہ مزید عیاشی پر اُتر آتے تھے کہ نہ حواس قائم رہیں اور نہ ضمیر کی آواز سُن سکیں۔ یہ سب اس لئے تھا کہ مسلمان جہاد کا سبق اور اس کے بنیادی اصولوں کو بھول گئے تھے کہ جہاد "تا دم آخر" ہوا کرتا ہے اور جو فتح کے بغیر جہاد کو تادمِ آخر سے قبل ہی ختم کر دیتے ہیں انہیں دوسروں کی خدائی قبول کرنی پڑتی ہے اور اس طرح کے کم ظرف خداوند اپنے سامنے خداوند عالم کی بارگاہ میں سجدہ دینے اور صمیم قلب سے لاَ اِلٰہ اِلَّا اللہ کہنے سے مخلوق خدا کو باز رکھنے کے درپے رہتے ہیں۔

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔۔۔ ۵۳ : ۳۹ ۔۔۔ انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے لئے اس نے کوشش کی ہے

انسان جب تک مکمل فتح کی کوشش نہ کرے اس کی کامیابی یقینی نہیں ہو سکتی اور دشمن کی طرف پیٹھ پھیرنے والے کامیابی تو کجا زندگی کی اُمید نہیں کر سکتے، اس لئے کہ دشمن کی جانب جب تک منہ ہو اس وقت تک دشمن پر لاٹھی سے بھی ضرب ڈالی جا سکتی ہے اور نہتا انسان بھی دشمن کے ایک دو افراد کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔ مگر فرار کرتا ہوا سپاہی توپ اور ٹینک ہوتے ہوئے بھی دشمن کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے کہ اس کی تو دشمن کی طرف پیٹھ ہوتی ہے۔ جس طرف سے دشمن بڑھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اس طرف ہدف پیش کرتا ہے اور وہ یوں نشانہ بنتا ہے جس طرح اُڑتی ہوئی مرغابیاں — یوں تو جھپٹتے ہوئے شیر سے بندوق والے ہاتھوں میں بھی معمولی سی جھرجھری پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ نشانے پر گولی چلائے تو بچ جاتا ہے۔ مگر جب شیر کے سامنے سے بندوق والا ہاتھ کانپ جائے اور اس کی بندوق نیچے گر جائے اور وہ پلٹ کر بھاگنا چاہے تو شیر اسے دو ہی قدموں کے

بعد دبوچ لے گا۔

فرار کرنے والا سپاہی اپنی ہی موت کا پیغامبر نہیں بنتا بلکہ اپنی پوری قوم کے تحفظ و بقا پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت کے نگہبان ہاتھ جب دشمن کی ہتھکڑیاں پہن لیں یا بھاگتے ہوئے مارے جائیں تو پھر اُن عصمت والیوں کی عصمت بھی پناہ سے عاری ہو جاتی ہے[1]۔اس طرح کے فرار کے دُور رس نتائج ہم اپنے قارئین کو کس طرح بتائیں۔پچھلی دو صدیوں میں اپنی اس سرزمین کے رہنے والوں نے جہاد سے منہ موڑا تو جو زنجیریں انھوں نے پہنیں، اُن کو اُتارنے میں ایک صدی لگ گئی اور آج بھی کھل کر سانس لینا عجیب سا معلوم ہوتا ہے حالانکہ آزادی کا سانس مسلمان کا حق ہے۔اس لئے کہ وہ صرف خالقِ کائنات کے سامنے جھکنے کا وعدہ کر چکا ہے اور اس کی آزادی کوئی انسانی طاقت سلب نہیں کر سکتی۔ جب اُس کی آزادی خطرے میں پڑ جاتی ہے تو وہ فرشتۂ اجل کو لبیک کہتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے اور جب تک اللہ کے حکم کی فرمانروائی مسلم نہیں ہو جاتی وہ جہدِ مسلسل میں مصروف رہتا ہے۔اسی بناء پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ:۔

وَلَوْ قٰتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	اور اگر تم کافروں سے جنگ کرو گے
لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ	تو وہ پیٹھ پھیر دیں گے
ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا	اور پھر وہ کوئی حمایت کرنے والا اور
۴۸ : ۲۲	مددگار نہ پائیں گے۔

---

[1] صفحہ ۵۵ اور ۶۹ پر مندرج واقعات ملاحظہ ہوں۔

ایسے وعدے کے بعد جو فوج مسلمانوں پر مشتمل ہو اگر وہ دشمن کی طرف پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑی ہو تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس فوج کے افراد کو اللہ اور اللہ کے کلام پر ایمان نہیں ورنہ وہ اس طرح بزدلی ہرگز نہ دکھاتے۔ جب کسی کو اللہ اور اُس کے کلام پر ایمان نہیں رہتا تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اسے اپنے کلامِ پاک میں اسلام کے دائرے سے خارج کرتے ہیں۔ الفاظ الٰہی ہیں :۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ	اور جو کوئی اُس دن اُن کی طرف (کافروں کی طرف) پیٹھ پھیرے گا
اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ	سوائے اس کے کہ دشمن کے خلاف تدبیراتی کارروائی کر رہا ہو
اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ	یا اپنے لشکر کے کسی حصہ (ٹولی) سے ملنے جا رہا ہو
فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ	تو اُس نے اللہ کا غضب حاصل کیا
وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ	اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝	اور وہ کیسی بُری جگہ جا ٹھہرا

۸ : ۱۶

جس فوج کا ایک شخص بھی فرار کرنے کی ذہنیت رکھتا ہو اس فوج کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جب ایک شخص خوف سے بھاگ اٹھتا ہے تو اُس کے ساتھیوں کے دلوں میں بھی خوف کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر وہ ذرا بھی کمزور طبیعت رکھتے ہوں تو خدشہ ہوتا ہے کہ اُن میں سے دو چار بھاگ کھڑے

ہوں گے۔ پھر پوری ٹولی کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ اس طرح صف یعنی محاذ میں شگاف پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن اس شگاف سے داخل ہو کر پورے لشکر کو گھیرے میں لے سکتا ہے۔ اسی لئے محاذ سے بھاگنے والوں کو دنیا کی ہر فوج میں گولی سے اُڑا دیا جاتا ہے۔

جہاد کرنے والوں کو کہا گیا ہے کہ اللہ نے تمہارے اموال اور تمہاری جانیں جنّت کے بدلے خرید لی ہیں:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	تحقیق اللہ نے مسلمانوں کی جانیں اور
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ	ان کے مال خرید لئے ہیں
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ	تاکہ اُن کو جنّت دی جائے

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ:۔

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ	وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں

مگر جنگ کی انتہا ملاحظہ ہو

فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ	وہ مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں

۹ : ۱۱

یعنی اگر دشمن کو ختم نہ کر سکیں تو خود ختم ہو جاتے ہیں۔ زندہ واپس صرف فتح کی صورت میں آسکتے ہیں۔

فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ	پھر وہ مارا جاتا ہے یا غالب آجاتا ہے

۴ : ۷۴

اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ کافروں کی تدبیروں کو ناکام کرے گا:۔

وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِيْنَ — اور یقیناً اللہ کافروں کی تدبیروں کو کمزور کرے گا

۸ : ۱۸

مگر اس کے لئے شرط ہے کہ مسلمان جب میدانِ جنگ میں پہنچیں تو پھر مقصد میں کامیاب ہونے تک وہ دشمن کو پے در پے، مسلسل اور متوازن ضربیں لگاتے رہیں۔ "تا دم آخر" جنگ کی طرف ایک اور جگہ بھی اشارہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ — اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے

فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ — اور پھر مارا جاتا ہے یا غالب آجاتا ہے

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا — تو اس کو ہم بہت بڑا اجر دیں گے

۴ : ۷۴

یعنی مسلمان لشکروں اور فوجوں کے لئے بلکہ مسلمان ملت کے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں۔ جنگ میں ختم ہو جانا یا پھر غالب آجانا۔ ان دو راستوں کے علاوہ تیسرا راستہ یعنی شکست کا راستہ مسلمان کا راستہ نہیں، اس لئے وہ شکست تسلیم کر کے، یعنی اپنے دین کے اصولوں، اس کے قوانین اور اس کے مطابق نظامِ حیات کے بغیر زندہ رہنے اور قرآن کے مخالف زندگی بسر کرنے پر جب رضامند ہو جاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کے عطا کردہ نظامِ حیات سے دست بردار ہو گیا ہے اور جب وہ اسلام کے عطا کردہ نظامِ حیات کے بدلے کسی اور نظامِ حیات میں زندگی بسر کرنا قبول کر لیتا ہے تو وہ اور سب کچھ کہلا سکتا ہے مسلمان نہیں کہلا سکتا، ایسے مواقع صرف اسی صورت پیدا ہوتے ہیں، جب مسلمان جہاد سے مُنہ موڑے اور اللہ کے عائد کردہ جہاد کے اصولوں پر کاربند نہ رہے۔ تاریخ ہمیں

بناتی ہے کہ ہم اس جرم کی پاداش میں بارہا نقصان اٹھا چکے ہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ — اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو

جہاد سے متعلق قوانین

جہاد سے متعلق چند ایسے قوانین ہیں جن کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے ذریعہ فلسفۂ جہاد کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ اسلام کا جہاد کوئی ایسی جنگ نہیں ہے جس میں جابر قوم اس لئے دوسری اقوام کے خلاف جنگ کرنا چاہتی ہو کہ وہ اس کے آئین اور اُس کے فلسفۂ زندگی سے اتفاق نہیں رکھتیں جس جنگ کی وجہ سے قرآن کے کسی حکم سے روگردانی ہوتی ہو۔ وہ جنگ جہاد کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ اسلام کے چند بنیادی اصول ہیں جن کو جہاد کے دوران توڑنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہو سکتا:۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ	جس جان کے لینے کو اللہ نے منع کیا
اللّٰہُ	ہے اسے مت قتل کرو
اِلَّا بِالْحَقِّ ط	بغیر عدل وانصاف کے

۶ : ۱۵۲

ساتھ ہی حکم ہے:۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ	دین میں کسی طرح کا جبر (سختی) جائز نہیں۔

۲ : ۲۵۶

یعنی جبراً کسی کو مسلمان بنانا جائز نہیں۔ پھر جنگ کے ذریعہ تبلیغ و ترویج اسلام کس طرح اسلام کے مطابق ہو سکتی ہے؟ جہاد جو اللہ کی راہ میں جنگ ہے، اس کے ذریعہ اللہ کے احکام سے روگردانی اللہ کے بندے نہیں کر سکتے۔ مسلمان ہونا ایک طرح سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ عہد ہے کہ ہم اس کے احکام کو دل و جان سے مانیں گے۔ اللہ تو انسانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہدوں پر قائم رہنے پر زور دیتا ہے، چاہے وہ عہد کفار کے ساتھ ہوں۔ اگر کفار ان عہدوں کو توڑ دیں تو یہ اُن کی مرضی ورنہ مسلمان اپنا عہد نہیں توڑ سکتا، اس لئے مسلمان ملک و قوم جب کسی کافر ملک کے خلاف جہاد کا اعلان کرے تو پہلے اسے دیکھ لینا چاہیئے کہ کہیں اس سے کوئی عہد تو نہیں ٹوٹتا۔ ارشاد ہے:۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ	اور جب تم اللہ کے نام پر عہد کرتے ہو تو اُسے پورا کرو
وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا	اور ایک قسم پختہ کھا چکنے کے بعد اسے مت توڑو

یہ حکم افراد کے لئے بھی ہو سکتا ہے، مگر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جیسا اجتماعی زندگی کا دین کوئی دوسرا نہیں۔ اس لئے اس کے اکثر احکام اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں اور پھر کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ جس دین کے پیروؤں کو دنیا میں عدل و انصاف قائم رکھنے اور دوسری قوموں پر شاہد اور مانیٹر بننے کا حکم دیا گیا ہو اس کے اپنے عہد و پیمان کو کس قدر سختی سے ماننے کے لئے کہا گیا ہوگا۔

دوسری قوموں کے ساتھ مسلمانوں کے عہد و پیمان اور امن و امان کی

کی ضمانت دے چکنے کے بعد جہاد سے ہاتھ روکنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دوسری قوم مسلمان ہونے کے بغیر بھی ظلم و فساد سے ہاتھ روکے رکھتی ہے تو اس پر جبر منع ہو جاتا ہے۔ دوبارہ جنگ چھیڑنے سے مزید فساد کے شروع ہو جانے کا احتمال ہو جاتا ہے اور اسلامی ممالک کے تنزل کی داستان کی تہہ میں ایسی ہی جنگیں ہیں جن میں بادشاہوں اور سپہ سالاروں کا شوقِ جنگ جذبۂ جہاد سے زیادہ ہوا کرتا تھا۔ ایسے ہی مواقع کے لئے قرآن فرماتا ہے:۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ	دنیا میں اصلاح ہو جانے کے بعد
اِصْلَاحِهَا	فساد نہ مچاؤ

۷ : ۵۶

۷ : ۸۵

جہاد کے لئے ضروری ہے کہ کفار کو فتنہ و فساد سے منع کیا جائے اور اگر وہ منع کئے جانے کے باوجود ظلم و تشدد سے باز نہ آئیں، تب اُن کے خلاف جہاد کا اعلان کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْا وَیُلْقُوْا اِلَیْکُمُ	پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح
السَّلَمَ	نہ کریں
وَیَکُفُّوْا اَیْدِیَهُمْ	اور اپنے ہاتھ نہ روکیں
فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ	تو اُن کو پکڑو اور ان کو قتل کرو (جنگ کرو)
حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ	جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ یعنی دنیا کے

کسی حصّہ میں بھی اگر کافر مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہوں اور تمہارے منع کرنے پر بھی باز نہ آئیں تو اُن کے خلاف جہاد کا اعلان کرو، مسلمان جہاں کہیں بھی ہو ایک ہی ملّت کے افراد ہیں اور ایک ہی بدن کے مختلف اعضاء، ایک کی تکلیف دوسرے کے لئے باعثِ زحمت ہے اور ہر ایک کا تحفظ سب کا فرض ہے)

وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا

اور ان کے خلاف ہم نے تم کو صریح حجت دیدی (اور اگر مسلمان کفار سے ڈر کر خود بھی ظلم پر اُتر آئیں اور قرآن پر ایمان اور یقین رکھنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا بے محل ہوگا)

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ

اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین کے متعلق عیب جوئی کریں تو کفر کے رہبروں (سرداروں، لیڈروں ممتاز گولوں) سے جنگ کرو۔

اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ

ان کے وعدے (قسمیں) بے معنے ہیں

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

شاید وہ (اس طرح جنگ سے) باز آجائیں

۱۲ : ۹

وعدہ کے ایفار کو اسلام نے بہت بلند مقام دے رکھا ہے۔ وعدہ کا لفظ مختلف شکلوں میں ایک سو پچاس سے زائد مرتبہ قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے۔

اللہ کا ایک وعدہ قابلِ توجہ ہے۔ اگر اس میں درج کئے ہوئے حالات آج ہمیں نظر نہیں آتے تو ہمیں احساس ہو جانا چاہئے کہ ہم نے وہ شرائط پوری نہیں کیں جن کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالےٰ ان حالات کو وجود میں لاتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	اللہ نے تم میں سے اُن کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو ایمان لے آئے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	اور جنہوں نے نیک کام کئے
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	کہ ان کو دنیا میں حاکم بنائے گا
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	جس طرح اُن سے قبل والوں کو حاکم بنایا تھا
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	اور ان کیلئے مضبوط کر دے گا۔
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	ان کا وہ دین جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا تھا
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط ۲۴ : ۵۵	اور خوف کے بدلے ان کو امن دیگا

ہم آج دیکھتے ہیں کہ مسلمان من حیث الملت دنیا کے بیشتر حصوں میں حکومت سے محروم ہیں، ان کا دین کمزور حالت میں ہے، بلکہ اُن کے اپنے معاشروں میں ان کے

دین کو کم درجہ دیا جا رہا ہے اور اُن میں سے جو دین کا نام لیتے ہیں انہیں حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے اکثر حصّوں میں مسلمانوں کو امن امان نصیب نہیں اور خوف دہراس کا شکار ہیں۔ اگر ان کا ایمان اللہ پر مضبوط ہوتا اور وہ عملِ صالح کو اپنا شعار بنا لیتے تو ہمیں یقین ہے کہ اللہ اپنے وعدے کے مطابق اُن کی حالت کو بہتر بنا دیتا۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ	جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) حکومت ہے وہ بڑی برکت والا ہے۔
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ	اور وہ ہر شے کی قدرت رکھتا ہے

۶۷ : ۱

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ جہاد ہر مسلمان فرد پر فرض ہے۔ البتہ بیمار اور اپاہج اس سے مستثنیٰ ہیں :۔

لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ	اندھے پر کوئی الزام نہیں (البتہ اگر قوم کوئی ایسا منصوبہ تیار کرتی ہے کہ اندھوں کو محاذِ جنگ سے پیچھے ہتھیاروں کے کارخانے میں استعمال کیا جا سکے تو پھر ان کو جہاد کے اس کام میں حصّہ لینے سے انکار نہیں ہو سکتا۔)
وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ	اور نہ ہی لنگڑے پر الزام ہے
وَلَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ	اور نہ ہی مریض پر الزام ہے

۴۸ : ۱۷

مریضوں، اندھوں اور لنگڑوں کے لئے اجازت ہے کہ وہ جہاد سے معافی حاصل کرلیں البتہ کلی جنگ میں اگر ان میں سے کچھ لوگ استعمال ہو سکیں تو اس کا اختیار حکومت وقت کو ہوگا۔ اسی طرح عورتوں کے لئے اجازت ہے کہ وہ بھی محاذ سے دور رہیں البتہ محاذ سے پیچھے اگر ان کی شرکت کے لئے قوانینِ اسلام کے اندر رہ کر کوئی منصوبہ تیار کیا جا سکتا ہے جس میں اسلام کے عائد کردہ قوانینِ ستر اور حیا کی خلاف ورزی نہ ہو تو عورتوں کو جہاد میں شریک کیا جا سکتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں عورتوں کا شرکت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے لئے سنت رسول اللہ سے بڑھ کر قوانین الٰہی کی ترجمانی کوئی شے نہیں کر سکتی۔

جنگ کے دوران مالِ غنیمت کا ہاتھ آنا جنگ کی تاریخ کے ساتھ شروع سے متعلق ہے۔ اکثر کامیاب افواج میں بے انضباطی اس لئے شروع ہوئی کہ ان کے ہاں غنیمت سے متعلق احکام موجود نہ تھے اور اگر موجود تھے تو نامکمل تھے اور ان پر عمل بہت کم ہوا کرتا تھا۔ تاریخ جنگ میں پہلی بار مالِ غنیمت کے متعلق واضح احکام اسلام میں دے گئے۔ یہاں پر ایک بات واضح کر دینی چاہیئے کہ قرونِ اولٰی میں وہ وقت بھی تھا جب ہر شخص اپنا ہتھیار اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہتھیاروں کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری قرار دی گئی۔ احکام قرآنی ان دونوں حالات پر پوری طرح اُترتے ہیں۔

مالِ غنیمت کے علاوہ جنگ کے تاوان کا مسئلہ بھی ہمیشہ سے چلا آیا ہے حتیٰ کہ آج کل کی دنیا میں بھی مفتوح اقوام سے کسی نہ کسی صورت تاوان لیا جاتا ہے

پچھلی چند صدیوں میں تو تاوان کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی غلامی پر بھی مفتوح کو مجبور کیا جاتا تھا۔ البتہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے سیاسی غلامی کی زنجیروں کو فاتح ممالک نے کمزور کرنا شروع کر دیا ہے "تاکہ اقتصادی غلامی کے بندھن مضبوط سے مضبوط تر کیئے جا سکیں۔ اسلام نے "تاوان اور اقتصادی غلامی کی اجازت نہیں دی۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں نے مفتوح اقوام کو مکمل آزادی عطا کی حتّٰی کہ انہیں اپنے دینی احکامات اور قوانین کی پابندی کی کُھلی اجازت دی اور اپنی قوم اور اپنے ہی مذہب کے افراد کو قاضی مقرر کرنے کی اجازت دی۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ مسلمانوں کو حکم تھا:

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن	دین میں کسی طرح کا جبر (سیاسی، اقتصادی یا فوجی) جائز نہیں
۲ : ۲۵۶	

البتہ مالِ غنیمت کے حصول کو اس لئے روا رکھا گیا تاکہ میدانِ جنگ میں جو مال و اسباب اور اسلحہ (ہتھیار) دشمن کی صفوں سے ہاتھ آئیں اُن کے جمع کرنے اور پھر بانٹنے کے قوانین موجود ہوں اور یوں فتنہ و فساد سے مسلمان لشکر کے افراد کو بچائے رکھا جائے۔ ارشاد ہے:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ	اور جان لو کہ مالِ غنیمت میں جو کچھ تم لاؤ
فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ	اس میں سے پانچواں حصہ اللہ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی	اور رسول اور قرابت داروں
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ	اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے
السَّبِیْلِ	لئے ہے (یعنی قوم کے رفاہی کاموں کے لئے)
۸ : ۴۱	

مالِ غنیمت میں صرف وہی اشیاء شامل ہوں گی جو میدانِ جنگ میں حاصل ہوں۔ میدانِ جنگ سے ہٹ کر شہری آبادی کا مال و اسباب اور دولت کو مالِ غنیمت میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر مالِ غنیمت کی طرف توجہ دیتے ہوئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔ جو غنیمت میں حلال اور ستھرا مال ہاتھ آئے اسے اپنے تصرف میں لاؤ

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے

۸ : ۶۹

مالِ غنیمت لیتے وقت غلطی کا امکان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وقت سے پہلے ہی کسی نے مالِ غنیمت کی طرف توجہ کر دی ہو۔ اس لئے اللہ کے خوف اور اللہ کی بخشش کا طالب ہونے کے لئے کہا گیا ہے۔ مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہونے سے جیتا ہوا میدان ہارنے کا خدشہ رہتا ہے۔ آجکل کی فوجوں کے پاس میدانِ جنگ میں سوائے ہتھیاروں کے اور کچھ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اگر عسکری احکام میں یہ شامل کر لیا جائے کہ کوئی شخص مالِ غنیمت حاصل نہیں کرے گا تو یہ حکم قوانینِ اسلام کے مطابق ہوگا۔ یورپی ممالک کی بحریہ میں پہلی جنگِ عظیم تک یہ دستور تھا کہ جو جہاز پکڑے جاتے تھے۔ ان کی قیمت پکڑنے والے جہاز کے عملے کو ملا کرتی تھی۔ یہ حکم بھی عہدِ قدیم کے مالِ غنیمت کے دستور کے مطابق تھا اور اس میں حکومت کے لئے حصہ نہیں رکھا جاتا تھا۔

اسلام کے قوانین زماں و مکان کی حدود سے بالاتر ہیں۔ ایک حالت کے متعلق احکام کا مطالعہ اُوپر آ چکا ہے۔ اس میں ان حالات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے جہاں سپاہی کے ہتھیار اس کے اپنے خرچ سے تیار کئے گئے تھے۔ اگر اس کے پاس گھوڑا یا سواری کا کوئی جانور تھا تو وہ بھی اس کی اپنی مملکیت تھا۔ عصرِ حاضر کی طرح ایسی صورت بھی مدِ نظر رکھی گئی ہے جس میں ہتھیار، سواری، سپاہی کا کھانا دانہ اور اس کے تمام اخراجات ملک و ملّت کی ذمہ داری ہوتے ہیں۔ ایسے حالات کے لئے ہماری نگاہ میں یہ حکم عائد ہوتا ہے:۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ	تجھ سے (رسولُ اللہ سے) مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں
قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ	کہہ کہ مالِ غنیمت اللہ کا ہے، اور رسول کا
۸ : ۱	

یعنی جہاں سپاہی نے اپنے ہتھیاروں، سواری اور اپنے آپ پر کوئی خرچ نہ کیا ہو وہاں اُسے مالِ غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا اور مالِ غنیمت سارے کا سارا ملک و ملّت کی تحویل میں دے دیا جائے گا جس سے آئندہ کے جہاد میں مدد مِل سکے گی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ آج کل کے لشکروں میں سپاہیوں کے معمولی ذاتی سامان کے علاوہ صرف ہتھیار اور گولہ بارود ہوتا ہے۔ یہ سب سامان یعنی جہاز، ہوائی جہاز، ٹینک، توپیں، رفلیں اور کل رفلیں اور ان کا گولہ بارود یا وردی کے ذخیرے جنگ جاری رکھنے کے لئے استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ اسلام نے یورپی اقوام کی طرح لوٹ مار کی ہرگز اجازت نہیں دی۔

یورپ کی مختلف قوموں کے معسکروں میں باشگاہ افسران کے اندر جاکر اگر دیکھا جائے تو شاہی محلوں، شہری آبادی کے مکانوں اور مندروں وغیرہ سے لوٹے ہوئے سونے چاندی کے برتن موجود نظر آتے ہیں جن پر اکثر فخریہ الفاظ میں کندہ کئے گئے ہیں کہ یہ برتن فلاں لڑائی میں فلاں شہر کے فلاں بڑے مندر یا عبادت گاہ سے حاصل کیا گیا۔ آجکل جب ان یورپی ممالک کے تعلقات ان ہی ممالک کے ساتھ دوستانہ ہو گئے ہیں تو انہیں ان ممالک سے آئے ہوئے مقتدر اشخاص کو باشگاہ افسران میں لے جانے سے قبل یہ فکر دامنگیر ہوا کرتی ہے کہ کون کون سی جنگی ٹرافی چھپا لی جائے تاکہ دوستی کی بجائے مزید رنجش پیدا نہ ہو جائے۔

اس میں تو کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ میدانِ جنگ میں ہاتھ آئے ہوئے یا دشمن کے انبار شدہ ہتھیاروں کے متعلق یہی حکم عائد ہوتا کہ قُلِ الانفال لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ کہہ کہ مالِ غنیمت اللہ کا ہے، اور رسولؐ کا ۸ : ۱

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کو ملت کے اجتماعی مسائل کے حل کرنے یا آئندہ جہاد جاری رکھنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے البتہ میدانِ جنگ میں افرادِ فوج کو دشمن کے افراد کا ذاتی سامان جمع کرنے سے روکنے میں یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ انہیں چوری کی عادت نہ پڑ جائے۔ مثال کے طور پر مُردوں بلکہ بعض حالات میں قیدیوں سے گھڑیاں، قلم اور نقدی وغیرہ لینے کی مثالیں گزشتہ دو عالمی جنگوں میں اکثر دیکھی گئی تھیں۔ ان مواقع کے لئے اسلام نے اجازت دے رکھی ہے کہ مال غنیمت کو جمع کر لیا جائے اور پھر

اسے ایک اور چار کے تناسب سے حکومت اور افرادِ فوج میں تقسیم کر لیا جائے[۱]۔ راقم الحروف کو دوسری عالمی جنگ کا تجربہ ہے جب ایک محاذ پر اُسے اختتامِ جنگ پر تقریباً پچاس ہزار جنگی قیدیوں کی دیکھ بھال کرنی پڑی تھی۔ ان قیدیوں کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنے ملک واپس جاتے ہوئے فی کس ایک گھڑی، ایک قلم، ایک سوٹ کیس، اور فیصلہ شدہ فہرست کے مطابق دیگر ذاتی سامان اپنے ساتھ لے جائیں۔ البتہ مقرر شدہ مقدار سے زائد اشیاء کو جمع کر کے ہمارے سپرد کر دیں۔ اس طرح جمع شدہ گھڑیاں، قلم اور سوٹ کیس اس محاذ پر موجود فوج میں بانٹ دیئے گئے تھے۔ اگر اس طرح کے احکام نہ جاری کیئے جائیں تو فوج کا جو حصہ دشمن کے معسکر پہلے پہنچے گا وہ لوٹ کھسوٹ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور دشمن کا پیچھا نہیں کیا جا سکے گا۔ فوج کی صفوں میں انضباط قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کے عائد کردہ قوانین پر سختی سے عمل کیا جائے۔

جنگی قیدیوں کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ اس کے متعلق بھی اللہ تبارک و تعالےٰ نے واضح احکام دے رکھے ہیں تا کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک نہ کیا جائے۔ خیال رہے کہ جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد بھی جہاد کرنے والی قوم کو اپنا مقصد یعنی کلمۂ حق کی بزرگی و برتری اور عدل و انصاف کا قیام اپنے سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ مسلمان کو بالادست ہو جانے کے بعد اپنے اعمال کی

---

[۱] تقسیمِ غنیمت سے قبل کسی مجاہد کا مالِ غنیمت میں سے کچھ لینا یا استعمال کرنا غلط ہے۔ ملاحظہ ہو، ترمذی شریف اُردو۔ جلد اوّل۔ نور محمد اصح المطابع۔ کراچی۔ ص ۔ ۳۲۳

اور بھی زیادہ کڑی نگرانی رکھنی چاہیے۔ قیدیوں کے متعلق اللہ کا حکم ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ — اے نبی

قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ — تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو

إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا — کہ اگر اللہ نے دیکھا کہ تمہارے دلوں میں اچھائی ہے۔

يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ — تو جو کچھ تم نے گنوایا ہے اس سے زیادہ تم کو مل جائے گا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ — اور تم بخش دیئے جاؤ گے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ — اللہ بخشنے والا رحیم ہے

۸ : ۷۰

جنگی قیدیوں اور مفتوح قوم کو صرف اسی صورت میں یہ یقین ہو گا کہ جو کچھ انہوں نے گنوایا ہے اس سے زیادہ ان کو مل جائے گا" جب فاتح مسلمانوں کا ان کے ساتھ سلوک انسانی ہمدردی اور اسلامی مساوات کے مطابق ہو گا۔ یہی وہ سلوک تھا جس کی وجہ سے جہاں کہیں مسلمان گئے، پورے کے پورے ملک اسلام کو قبول کرتے گئے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ — نبی کے ہاں قیدی نہیں آنے چاہئیں

حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ — جب تک وہ زمین میں خونریزی (یعنی جنگ) نہ کر لے

۸ : ۶۷

یہ حکم نہایت دور رس ہے۔ تاریخ میں ایسے بہت سے دور گزرے ہیں

کہ بغیر جنگ کے لوگوں کو قیدی اور پھر غلام بنا لیا جاتا تھا۔ عصر حاضر بھی اس قبیح حرکت سے نہیں بچ سکا بلکہ اہل یورپ اور خصوصاً انگریزوں، فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کی تمام دولت افریقہ سے لائے ہوئے قیدیوں اور غلاموں پر موقوف رہی ہے یورپی اپنے جہازوں سے اُتر کر افریقہ کے جنگلوں میں سیاہ انسانوں کے شکار میں مصروف ہو جاتے۔ چند ایک کو گولی کا نشانہ بناتے، باقی ماندہ خوف سے لرزہ براندام ہو جاتے اور سفید جنات کی قید کو غنیمت جانتے۔ مہینوں کے غیر انسانی بلکہ غیر حیوانی قسم کے سمندری سفر کے بعد غلامی کے ایک لامتناہی سلسلہ میں داخل ہو جاتے۔ ان کی اولاد آج بھی زندگی کو کٹھن محسوس کر رہی ہے۔ بغیر جنگ اور وہ بھی عدل و انصاف اور حقوقِ انسانی کی خاطر لڑی گئی جنگ کے بغیر اللہ تبارک و تعالےٰ کو انسان انسان کے ہاتھوں قیدی اور پھر غلام بنانے کی حیثیت پسند نہ تھی اس لئے اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور پھر اُن کے ذریعہ اُن کی اُمت کو حکم بھیجا کہ آئندہ کوئی شخص قیدی نہ بنایا جائے گا جب تک باقاعدہ جہاد کی وجہ سے وہ قیدی نہ بنایا گیا ہو اور جنگی قیدیوں کے لئے علیحدہ احکامات دئے گئے تھے جن کے نتیجے میں انسانی دُنیا میں جنگی قید بھی ایک طرح سے ایک نئی اور خوشتر زندگی کا آغاز تھی۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ اسلام میں جنگ یعنی جہاد کا مقصد دنیا سے ظلم و ستم کو دور کرنا ہے اور کمزور اور بے بس انسانیت کے لئے پُرسکون اور آزاد زندگی ممکن بنانا ہے، اس لئے مسلمان افواج کے ہاتھوں کسی طرح کے ظلم و ستم کی توقع نہیں کی جا سکتی حتیٰ کہ اس معاملے میں بھول چوک سے کسی کو ضرر پہنچانے کے

خلاف بھی آگاہ رہنا ضروری ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	جب تم اللہ کی راہ میں (جنگ کے لئے) نکل کھڑے ہو
فَتَبَیَّنُوْا	تو تحقیق سے کام لیا کرو
وَلَا تَقُوْلُوْا	اور مت کہو (اس سے)
لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ	جو تمہاری طرف بڑھے اور سلام کرے (اپنے آپ کو مسلمان بتائے)
لَسْتَ مُؤْمِنًا	کہ تم مسلمان نہیں ہو

۴ : ۹۴

جنگ کے لئے نکل کھڑے ہونے کے بعد بھی مواقع پیش آسکتے ہیں کہ دشمن مسلمانوں کی فوجی طاقت سے مرعوب ہوکر یا اپنی غلطیوں سے آگاہ ہونے کی وجہ سے صلح اور امن و سکون سے رہنے اور اسلامی احکام کے مطابق زندگی گزارنے یعنی ظلم و ستم سے باز آنے کا اقرار کرے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ محض شک و شبہ کی بنا پر ایسے دشمن کے خلاف جنگ جاری رکھیں اور اس کا جواز یہ پیش کریں کہ دشمن محض فریب اور دھوکہ دینے کے لئے اسلام کا دعوےٰ پیش کر رہا ہے۔ البتہ اگر دشمن کے پرانے روّیے سے یہ ثابت ہو کہ وہ فریب دے کر محض وقتی طور پر جان بچانا چاہتا ہے تو اُس کے لئے واضح احکام موجود ہیں ایسے دشمن کے فریب میں آنا بھی غلط ہوگا۔

جنگ یا جنگ کے بعد دشمن کے علاقہ سے مسلمانوں کی ہجرت کر آنے کا امکان ہوتا ہے۔ ایسے موقع کے لئے ارشاد ہے:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
اِذَا جَاءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ	اگر تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں
فَامْتَحِنُوْھُنَّ	تو ان کا امتحان لے لو
اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ	اللہ تو ان کے ایمان سے واقف ہے
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ	البتہ اگر تم انہیں مسلمان جانو
فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ ط	تو پھر انہیں کفار کی طرف مت لوٹا دو

۶۰ : ۱۰

مردوں کا معاملہ اور ہے۔ کفّار کے ساتھ جو معاہدے کیئے گئے ہوں مسلمان مردوں کے معاملے میں اُن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکّہ کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تھا کہ اگر مسلمان مرد مکّہ چھوڑ کر مدینے آجائیں تو انہیں لوٹا دیا جائے۔ جب تک یہ معاہدہ رہا۔ اُس وقت تک اس پر سختی سے عمل کیا جاتا رہا۔ عورتوں کا معاملہ اور ہے۔ آج کل کے زمانے میں اس حکم کے یہ معنی ہوں گے کہ دارالحرب سے آئی ہوئی مہاجر عورتوں کو صرف اس لئے واپس نہیں کیا جاسکتا کہ ... قوانین وطنیت کے تحت وہ اس مسلمان ملک کی رہنے والی نہیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جو مسلمان عورت بھی دارالحرب سے ہجرت کر کے مسلمان ملک میں آجائے اُسے واپس لوٹانا احکام قرآنی کے خلاف ہے۔

نماز کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔ البتہ یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ عین جہاد کی مصروفیتوں میں بھی نماز سے غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ نماز کو مختصر کیا جا سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی کے الفاظ ہیں:-

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ — اور جب دنیا میں جہاد کے لئے نکلو
فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ — تو تم پر گناہ لازم نہیں آتا
اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ — اگر تم نماز کو قصر کر دو
اِنْ خِفْتُمْ — اگر تمہیں خوف ہو
اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا — کہ کافر تمہیں نقصان پہنچائیں گے
اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۴: ۱۰۱ — کافر تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں

نماز قصر کرنے کی تفصیل بعد کی آیت میں نہایت وضاحت سے دیدی گئی ہے۔ جو بات قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ نماز سے غفلت کسی حالت میں نہیں برتی جا سکتی۔ قرآنِ حکیم میں نماز قصر کی تفصیل حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یوں بتائی گئی ہے:-

وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ — اور (اے نبی) جب تم ان (مسلمانوں) کے درمیان (حالت جنگ میں[1]) موجود ہو

---

[1] یہاں حالتِ جنگ سے مراد میدانِ جنگ ہے۔ البتہ اگر نماز کے وقت قتال شدت سے جاری ہو اور نماز قصر کا موقع نہ ہو تو پھر اشاروں سے ہی نماز ادا کرنے کی اجازت ہے بلکہ بعض مفسرین کے نزدیک نماز قضا کرنے کی اجازت ہے۔ غزوۂ خندق کے وقت سنتِ رسول مقبولؐ (باقی اگلے صفحہ پر)

وَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ — اور انہیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو

طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ — تو ایک گروہ کو اپنے ساتھ کھڑا کر لو

وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ — اور وہ اپنا اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں

فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَائِكُمْ — جب وہ سجدہ کر لیں تو تمہارے عقب میں چلے جائیں

وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا — اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہ پڑھی ہو۔ وہ آجائے۔

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ — پھر وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھیں

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ — اور وہ بھی اپنی حفاظت کا خیال رکھیں
اور اپنا اسلحہ لئے رہیں

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا — اور کافر اس تاک میں رہتے ہیں

لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ — کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً — تو تم پر ایک ہی حملہ میں (اچانک) ٹوٹ پڑیں

۴ : ۱۰۲

اس آیہ کریمہ سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ نماز کی پابندی میدان

(بقیہ گذشتہ صفحہ) نماز قضا کرنے کے حق میں ہے۔ خیال رہے کہ صلوٰۃ خوف سے متعلق آیات غزوہ خندق سے قبل کی ہیں اس لئے حضور اقدس کا طریقہ صلوٰۃ خوف کا احسن ترین طریقہ ہے۔

جنگ میں بھی لازم ہے۔ دوم یہ کہ تحفظ افواج اور تحفظ اسلحہ و سامان نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اور اسلحہ کو نماز کے دوران بھی سپاہی سے دور نہیں رکھا جا سکتا۔ بلکہ اچانک حملے کے خلاف نمازِ قصر کے دوران بھی چوکنا رہنے کا حکم ہے۔ جہاں تک اسلحہ کا تعلق ہے آج کی جنگ کے ہتھیار اس قدر مختلف نوعیت کے ہو گئے ہیں کہ مختلف شعبوں میں نماز قصر کے متعلق مختلف احکام دیئے جانے ہوں گے۔ مثال کے طور پر ہوائی جہاز چلانے والے کی نماز کی صورت اور ہو گی اور اس کے جہاز کے دوسرے عملے کی صورت اور ہو گی ٹینک کمانڈار کے لئے شاید یہ ضروری ہو گا کہ وہ ٹینک کے اندر ہی ٹینک کے عملے کو باجماعت نماز پڑھائے۔ ضروری ہے کہ اس امر پر نہایت تفصیل سے غور کیا جائے اور پھر افواج کی صفوں میں مناسب احکام جاری کئے جائیں۔

ہتھیاروں کو سپاہی کے ساتھ رکھنے کا حکم اس قدر سخت ہے کہ اس آیت کے بعد کے الفاظ میں مزید وضاحت کر دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:-

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ	البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف
أَذًى مِنْ مَطَرٍ	محسوس کرو
أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ	یا اگر تم بیمار ہو
أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ	تو اسلحہ رکھ دینے کی اجازت ہے

۴ : ۱۰۲

مگر ان باتوں کے باوجود اللہ تبارک و تعالےٰ جنگ کے اصول کی دوبارہ یاد دہانی فرماتے ہیں۔ حکم ہے:-

وَخُذُوا حِذْرَكُمْ	البتہ اپنی حفاظت کرو

پھر ارشاد ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا	یقیناً اللہ نے کافروں کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے

۴ : ۱۰۲

ایسے مواقع بھی آسکتے ہیں کہ قصر نماز کا موقع بھی نہیں مِل سکتا۔ جب طرفین گولہ باری کر رہے ہوں۔ ایک فریق حملہ کر رہا ہو اور یہ حملہ طول پکڑ گیا ہو، اور ایک لمحہ بھر کے لئے نظر دشمن کی صفوں کی طرف سے نہ ہٹائی جا سکے تو ایسے موقعوں پر نماز قضا کی جا سکتی ہے۔ اور جونہی پہلا موقع ملے، قضا شدہ نمازوں کو ادا کر دیا جائے۔

رازِ حیاتِ ملّت

تاریخ عالم میں قوموں کے عروج و زوال اور بعض اوقات زوال کے بعد پھر عروج کے واقعات اس قدر ملتے ہیں کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود جب قومیں آسودہ حال ہوتی ہیں اور کامیابی سے اپنے گرد و پیش کو دیکھتی ہیں تو انہیں یہ گمان سا ہونے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ ان کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہے اور وہ ہمیشہ آسودہ حال اور بالا دست ہی رہیں گی۔ جس طرح افراد اپنی دولت اور طاقت کے نشے میں اللہ کو بھلا دیتے ہیں۔ اسی طرح قومیں بھی اللہ سے غافل ہو جاتی ہیں اور طاقت کے غرور میں انہیں زوال کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔ تاریخ دانوں اور فلسفیوں کی کوششوں کے باوجود ابھی کوئی ایسا نسخہ قوموں کے ہاتھ میں نہیں آیا جس کے ذریعہ وہ اپنے زوال کو روک سکیں۔ حیرت ہے تو اس بات کی کہ اللہ تبارک و تعالےٰ پر ایمان رکھنے والے بھی اللہ کے عطا کردہ رشد و ہدایت کی طرف توجہ نہیں دیتے ورنہ کبھی یہ بھی ممکن تھا کہ مسلمان قوم زوال پذیر ہوتی۔ اللہ کا فرمان ہے:۔

وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو کوئی اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کی رفاقت پکڑے

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝ — تو وہ اللہ کی جماعت ہوں گے وہی غالب رہیں گے۔

۵ : ۵۶

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ — یقیناً تمہارا مدد کرنے والا اللہ ہے اور اس کا رسول

۵ : ۵۵

ہم اللہ کی فوج جب ہی بن سکتے ہیں جب اللہ کے احکام کے تابع رہیں اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرتے رہیں اور جب تک ہم اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر عمل نہ کریں گے۔ اللہ اور اللہ کا رسولؐ ہمارے مددگار نہ بنیں گے اور جب تک وہ ہماری مدد نہ کریں گے ہم غالب نہیں رہ سکتے۔ تعجب ہے تو اس بات کا کہ یہ جانتے ہوئے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی مدد کے بغیر بے دست و پا ہیں، کچھ کر نہیں سکتے۔ اندھے ہیں کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ بہرے ہیں اور اپنے ضمیر کی آواز بھی نہیں سن سکتے اور پھر بھی "حزب اللہ" بننے کا طریقہ اور غالب آنے اور غالب رہنے کا طریقہ نہیں سیکھتے۔ ہم جسے "بیانٌ لِلنَّاسِ وَ ھُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ" مانتے ہیں اس کی طرف سے غافل رہے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ :-

وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ — اور اسی کا حکم اپنے بندوں پر غالب ہے

وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً — اور (وہی) تم پر اپنے نگہبان بھیجتا ہے

۶ : ۶۱

ہم اُس کے احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں۔ اگر فوج کے افراد فوج کے افسروں کے احکام سے روگردانی کریں۔ ان کا حکم ماننے سے انکار کریں یا کسی حکم کے ماننے میں ایک لمحہ کی عمداً تاخیر کریں تو انہیں سخت سزا اور بعض اوقات موت کی سزا دی جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت اور اللہ کی فوج کہتے ہوں اور اللہ کے احکام کی تعمیل نہ کریں تو اُن کے لئے بھی جماعتی موت یعنی من حیث القوم ہلاکت کی سزا مقرر کی جاسکتی ہے۔ جہاد سے بچنے کی کوشش کرنا اور جہاد کی تیاری کے لئے اخراجات کرنے سے کوتاہی کرنا اور دولت کو عزیز جاننے کی سزا کو خود کتاب اللہ میں ہلاکت بتایا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے :-

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو (جہاد کی تیاری کے لئے اپنی دولت خرچ کرو)
وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ	اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو

۲ : ۱۹۵

اس آگاہی کے بعد بھی جو قوم خوابِ گراں میں بے ہوش رہے۔ اغیار اُس کے مختلف حصّوں کو یکے بعد دیگرے ہلاک کرتے رہیں اور انہیں یہ خیال بھی پیدا نہ ہو کہ یہ ہلاکت اغیار کے ہاتھوں تو محض اک بہانہ ہے۔ اس ہلاکت کے اصل موجب تم ہم خود ہیں۔ اس لئے کہ ہم حسد، خود غرضی، لالچ اور تعیش پسندی کی وجہ سے نہ متحد ہو سکے اور نہ ہی متحد ہو کر اپنی دولت کو اپنی حفاظت اور اپنی

بقار کے لئے استعمال کر سکے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جب ہمارا تحفظ نہ ہو سکا تو وہ دولت جس کے لالچ میں ہم نے شمشیر و سنان کو خیرباد کہا تھا وہ دولت بھی ہم سے لے لی گئی۔ وہ زمانہ تھا کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کی تجارت اسلامی ممالک کے بیچ میں سے ہو کر گذرتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دنیا کی امیر ترین قوم بن گئے۔ مگر جب دولت کے نشے نے انہیں مدہوش کر دیا تو وہ آپس میں پھوٹ گئے۔ غیروں نے براہ راست مشرق بعید اور ہندوستان سے تجارت شروع کر دی۔ صرف ترک قوم اس چال کو سمجھ سکی۔ انہوں نے ایک بیڑہ بحیرۂ خضر اور ایک خلیج فارس میں تیار کیا اور بحیرۂ عرب میں پرتگالیوں کو للکارا۔ مگر مسلم ملت اپنا اتحاد کھو چکی تھی۔ گجرات کے مسلمان بادشاہ نے ترک جہازوں کو پانی اور خوراک دینے سے انکار کر دیا اور ترک بیڑا واپس بحیرۂ خضر میں چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت مسلمان ممالک کے ہاتھوں سے نکل گئی، دولت غیروں کے پاس چلی گئی۔ سیاست ہمارے لئے ایک افسانہ بن گئی اور جو دنیا پر حکمرانی کرتے تھے وہ محکوم بن گئے۔ یعنی اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا باعث بنے۔ افسوس کہ انہوں نے پھر بھی یہ نہ سوچا کہ جب ربُّ العزت نے یہ کہا تھا:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ	تم پر جنگ کو فرض کر دیا گیا ہے
وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ	اور وہ تمہیں ناپسند ہے
وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا	اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو
وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ	اور وہ تمہارے لئے فائدہ مند ہو

۲ : ۲۱۶

ہم میں سے کتنے ہیں جو کہنے کو تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اسلام پر کٹ

مریں گے اور اللہ کے نام پر جان دے دیں گے اور اسلام کا پرچم اونچا کئے رکھیں گے مگر اکثر و بیشتر سب کہنے کی باتیں ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بلقان سے مسلمانوں کو نکالا گیا اور ہمارے ہاں سے چند ڈاکٹروں کے سوا کوئی جہاد کے لئے نہ نکلا[1]۔ ہمارے ہی زمانے میں شمالی افریقہ میں یورپ نے مظالم ڈھائے اور ہم دل ہی دل میں افسوس کر کے خاموش ہو لئے۔ ہمارے علم میں ایران، عراق، شام، فلسطین اور نہ معلوم کون کون سے اسلامی ملکوں میں غیر مسلموں کی فوجوں نے ہماری عزت و آبرو اور ہماری عصمتوں کی دھجیاں اڑائیں اور ہمیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ ہم دنیا کی لذتوں کو خیرباد کہہ کے کوئی منصوبہ بناتے جس سے ہمارے سینوں میں لگی ہوئی یہ آگ سرد پڑ جاتی۔ بالآخر ارضِ مقدس بھی ہم سے چھن گیا اور ہر مسلمان ملک نے کہا کہ ہمارے مسائل مختلف ہیں۔ ارضِ مقدس کے لئے جہاد کرنا ہمارے مفاد کے خلاف ہے۔ ارضِ مقدس کے چلے جانے کے بعد ہمیں کہاں کہاں ضربیں لگیں گی یہ اللہ بہتر جانتا ہے مگر اللہ تو پہلے ہی ہمیں بتا چکا ہے کہ ایسے مسلمان بھی ہوں گے جو صرف زبان سے اللہ کے نام پر تلوار اٹھانے کا وعدہ کریں گے اور جب وقت آئے گا تو کچھ بھی نہ کریں گے قرآن حکیم کے الفاظ ہیں:۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ	وہ جو ایمان لائے وہ کہتے ہیں کہ ایک
سُورَةٌ	(واضح) سورت کیوں نہ اتری
فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَ	اور جب ایک محکم سورت اتری اور اس

---

[1] مشرقی یورپ میں مسلمانوں کی آبادی کے اعداد و شمار قابلِ غور اور سبق آموز ہیں بلغاریہ میں دوسری جنگِ عظیم سے قبل ۱۰ فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ آج اکا دکا مسلمان نظر آتا ہے۔ دوسرے مشرقی یورپی ممالک کا بھی یہی حال ہے۔

ذُکِرَ فِیهَا الْقِتَالُ	میں جنگ کا ذکر آیا
رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ	(تو) تو دیکھتا ہے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔
یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ	وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح (ان پر) موت سے قبل کی بیہوشی ہو۔
فَاَوْلٰی لَھُمْ	یہ اُن کے لئے باعثِ خرابی ہے (اور یہ خرابی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر علاج کی طرف توجہ نہیں دیتے)
۴۷: ۲۰	

کیا ہم میں اور اُن لوگوں میں کچھ فرق ہے جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے اور کیا موت کے ڈر سے جب ہم قومی و ملّی موت کو اپنے ہاتھوں اپنے لئے بُلا لائے تو کیا ہمارے لئے ہی ہمارے اعمال باعثِ خرابی نہ بن گئے۔ مگر انسان ظالم و جاہل ہے۔ وہ اپنے پیروں پر خود ہی کلہاڑی مارتا ہے اور پھر کہتا ہے۔ میری تقدیر ہی ایسی تھی۔ کیا ہمیں معلوم نہیں کہ اگر ہم اپنے تحفظ کے لئے لشکر تیار کرلیں گے اور پھر میدانِ جنگ میں جان دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو یہ ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ جب ہم فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہیں تو حقیقتاً ہم اپنے ہی لئے لڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ جب ہم اپنے اُوپر ظلم کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں تو وہ اس جنگ کو بھی اللہ کی راہ میں جنگ قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے ہمیں حقیقت

تبادی ہے کہ دراصل یہ جنگ ہم اپنے لئے کر رہے ہوتے ہیں - ارشادِ ربانی ہے :-

وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ — اور جس کسی نے جہاد کیا اس نے اپنے لئے جہاد کیا

إِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ — اس لئے کہ اللہ تو کائنات سے بے نیاز ہے

۲۹ : ۶

ہم کون ہوتے ہیں جو اللہ کی مدد کے لئے تلوار اُٹھائیں ہم تو صرف اللہ کے حکم کے تحت اللہ کی راہ میں اپنی حفاظت کے لئے تلوار اُٹھا سکتے ہیں - ہاں اس کی شرط ہے، ہمیں اس قابل ہونا چاہیئے کہ حزب اللہ کے افراد کہلا سکیں، اور جب ہم حزب اللہ کے افراد بننے کے قابل ہو جاتے ہیں تو وہ ہماری مدد کرتا ہے وہ ہمیں سب سے طاقتور اور بڑی تعداد کے لشکروں پر غالب لاتا ہے - جنگ بدر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہمیں یاد دلاتا ہے :-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ — جب بدر کے مقام پر تم کمزور تھے تو اللہ نے تمہاری مدد کی تھی

فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ — سو اللہ سے ڈرتے رہو۔ شاید تم احسانمند رہو

۳ : ۱۲۳

کیا اللہ تبارک و تعالیٰ کے احسان کو ہم بھول سکتے ہیں کہ اُس نے اپنے رحم و کرم سے ہماری محنتوں کو قبول فرمایا، بعد میں حزب اللہ میں شامل کرتے ہوئے ہمیں مونا باؤ، فاضلکا، کھیم کرن، چونڈہ، سیالکوٹ اور چھمب جوڑیاں کے میدانوں میں اپنے سے کہیں بڑے لشکروں پر غالب رکھا پس ہمیں بھی چاہیئے کہ

ہم اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کریں اور اس کے احسان مند رہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ہمیں دوبارہ اور شاید کئی بار ربّ العزّت کی مدد کی ضرورت پیش آئے تاکہ ہماری عزت اور ہماری ماؤں بہنوں کی عصمت برقرار رہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم — اور کوئی مدد نہیں سوائے اللہ کی طرف سے۔ جو طاقت اور حکمت والا ہے

۳ : ۱۲۶

اللہ تبارک و تعالےٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اگر اللہ نے ہمیں حکم جہاد دیا ہے تو اللہ کو معلوم ہوگا کہ اگر ہم ہمّت کر کے اور اُسے یاد کر کے میدانِ جنگ کا رُخ کریں تو ہم اس بوجھ کو سنبھال سکیں گے:۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا — اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ — جو اس نے کمایا ہو وہ اس کا ہوتا ہے اور جو اُس نے کیا ہو اُس کا بوجھ اُس پر پڑتا ہے

اور پھر اسی لئے ہمیں یہ دعا مانگنے کے لئے کہا کہ ہم اس سے گزارش کرتے رہیں کہ ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ ہم پر نہ ڈالے تاکہ جب ہم پر کوئی بوجھ پڑے تو ہمارے قلب و ذہن مطمئن ہوں کہ اللہ کی جانب سے یہ بوجھ آیا ہے اس لئے یہ ہماری طاقت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا:۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا — اے ہمارے رب۔ ہم سے ایسا بوجھ نہ

بٹھا — اٹھوا جس کی ہم ہیں طاقت نہ ہو۔

اور پھر جب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہی مددگار ہے۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ — تو ہمارا مالک ہے اس لیئے کافروں کے خلاف ہماری مدد کر

۲ : ۲۸۶

جب ہم نے دفاعِ پاکستان کے لیئے اس کے سامنے صف بہ صف ہو کر یہ آرزو پیش کی تو اس نے قبول کی، جب ترکوں نے سمرنا کے تحفظ اور سرزمین ترکیہ کی نجات کے لیئے صمیم قلب سے اور اپنا رنگین خون پیش کرتے ہوئے یہ دعا کی تو انہیں بھی قبولیت کا شرف بخشا گیا۔ البتہ جب یہ دعا محض الفاظ کے ذریعہ مانگی گئی تو پھر تاریخ اور جواب دیتی ہے۔ وہ اس لیئے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ اور گناہ بخش دیں تو درست مگر وہ اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنے دیتے۔ جب مسلمان بُزدلی دکھاتا ہے تو اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کے خوف سے زیادہ اور کسی شئے کا خوف کھاتا ہے اور یہ بہت بڑا شرک ہے۔ یہ گناہ کبھی نہیں بخشا جاتا۔ اور پھر بُزدلی کے خلاف تو اللہ کا صریح اور واضح حکم ہے کہ اس سے بچتے رہو۔

ارشاد ہے :-

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ — بزدلی نہ دکھاؤ اور صلح کے لیئے نہ پکارنے لگ جاؤ

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ — اور تم ہی بلند (فاتح) رہو گے

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ — اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

وَلَن یَّتِرَکُمْ اَعْمَالَکُمْ — وہ تمہارے اعمال کو زک نہیں پہنچائیگا

۴۷ : ۳۵

مگر اعمال کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اعمال ہی کا وجود نہ ہو تو پھر کامیابی کس بات کی ہو سکتی ہے۔ قوموں کا وجود اور ان کی قومی زندگی میں عزت واحترام کی موجودگی یا بین الاقوامی سطح پر اُن کا وقار ان کے قومی کردار اور قومی یکجہتی پر منحصر ہوتا ہے۔ قومی کردار اور قومی یکجہتی صرف میدانِ جہاد میں آزمائی جا سکتی ہیں۔ خداوند تعالےٰ اس آزمائش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ — اور ہم تمہیں ضرور جانچیں گے

حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِیْنَ مِنکُمْ — تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم میں سے

الصَّابِرِیْنَ — جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے کون ہیں

وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ — اور تمہارے متعلق حالات کی تحقیق ہو جائے

۴۷ : ۳۱

اگر ہم اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے یہ کہنا شروع کر دیں:۔

رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ — اے ہمارے رب! ہم پر جنگ کو کیوں فرض کیا

لَوْلَا اَخَّرْتَنَا اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ — کیوں نہ ہمیں کچھ عرصہ اور جینے دیا۔

۴ : ۷۷

تو پھر ہمارا بھی وہی حشر ہو گا جو کئی دوسری قوموں کا ہوا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ

صحیح ہو گا کہ جو عذاب مسلمان گذشتہ چند صدیوں سے جھیلتے رہے ہیں وہی عذاب اُن پر نازل ہوتا رہے گا اور ملّی و قومی طور پر ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے۔ اگر انھوں نے آئندہ بھی جنگ کے فرائض کما حقہٗ ادا نہ کیے اور خوف و ہراس سے ہر لمحہ موت سے شکار ہوتے رہے مگر مردانہ وار موت سے محروم رہنے کی تمنا کرتے رہے تو اُن کی حالت بہتر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔ موت تو ہر جگہ آ سکتی ہے اور کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ وہ مدام زندہ رہے گا اور اگر "موت کا ایک دن معین ہے" تو پھر کیوں نہ ایسی موت آئے جو عزت و آبرو کی موت ہو اور جس کے نتیجے میں "قوم کی حیات" کا یقین کیا جا سکے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا	ان لوگوں کی طرح مت بنو جو منکر ہوئے
وَقَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ	اور اپنے بھائیوں کے متعلق کہا
اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ	(جو بھائی) جب وہ دنیا میں عزم کر کے نکلے
اَوْ کَانُوْا غُزًّی	یا جنگ پر گئے
لَّوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا	کہ اگر وہ ہمارے ساتھ رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے
۳ : ۱۵۶	

ایک اور جگہ اسی موضوع کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا	اور جو آپ بیٹھے رہتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں
لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا	کہ اگر انھوں نے ہماری بات مانی ہوتی تو مارے نہ جاتے

قُل فَادْرَءُوا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥

ان سے کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے اوپر سے اپنی موت ہٹالو

۳ : ۱۶۸

مگر ایسی قوموں کا حشر کیا ہوا؟ آج اُن کا نام بھی موجود نہیں۔ قرآنِ حکیم ان کے متعلق نہایت واضح الفاظ میں کہتا ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ

اور ان سے قبل بھی ہم نے کتنے گروہوں کو تباہ کیا

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا

کیا تم اُن میں سے کسی ایک کو بھی محسوس کرتے ہو یا اُن کی آہٹ بھی سُن سکتے ہو

۱۹ : ۹۸

ہماری زندگی اور موت کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ہم اللہ تبارک و تعالےٰ کے احکام کہاں تک مانتے ہیں۔ کتاب اللہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کے احکام واضح ہیں۔ ملّی و قومی زندگی کا دار و مدار ہمارے قلب و ذہن کی بیداری پر ہے۔ اگر ہم اللہ کے احکام کو صمیم قلب سے مانیں گے تو یقیناً اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور ہمیں "اَنْتُمُ الاعلونَ" ہی رکھے گا۔ البتہ اگر ہم نے کتاب اللہ کے احکام سے روگردانی کی تو پھر ہمارے لئے اس کرۂ ارضی پر عزت و آبرو کی زندگی کے لئے کوئی جگہ نہیں اللہ نے تو رسول اللہ کو کہہ دیا تھا:۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ

ہم نے سچائی کے ساتھ یہ کتاب تم پر انسانیت کے لئے اُتاری

فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ	پھر جس کسی نے ہدایت حاصل کی سو اس کے اپنے لئے ہے
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا	اور جو کوئی گمراہ ہوا تو اس کا بھٹکنا اپنے نقصان کے لئے ہے
وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ	اور تجھ پر اُن کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی
۳۹ : ۴۱	

فرد کی طرح جماعت کی رہبری اور اُن کا گمراہ ہونا بھی اُن کے اپنے لئے ہوتا ہے۔ ہدایت و رہبری اسی وقت معنی رکھتی ہے جب وہ جماعت سے متعلق ہو۔ انسان کی اصل زندگی جماعتی زندگی ہے اور جماعتی زندگی کا دارومدار اس کے افراد کے قومی یا جماعتی کردار کی بلندی پر ہوتا ہے جن قوموں کا جماعتی کردار ان کے افراد کو عدل و انصاف اور سچائی کے لئے قربان ہونے کے قابل بناتا ہے وہی قومیں زندہ رہتی ہیں اور ایسی ہی قومیں دنیا میں سربلند و سرخرو رہتی ہیں۔

ہماری قومی و ملّی زندگی کا راز صرف ایک بات میں ہے اور وہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔ ارشادِ ربانی ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۳۳ : ۲۱	تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے

اور اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ حضورؐ کی زندگی سرتاپا جہاد تھی اور حضورؐ کا ارشاد ہے :-

لی حرفتین الفقر والجہاد

تو پھر ہمارے لئے جہاد کے سوا کوئی راستہ کھلا نہیں۔

جہاد اور امورِ خارجہ

جنگ اور اُمور خارجہ کا ہمیشہ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ جنگ فی سبیل اللہ سے قبل اور اس کے بعد بھی مسلمان ملت کے لئے ایسے مسائل کا پیش آنا بدیہی ہے جن کا تعلق دوسری قوموں سے ہو۔ ان مسائل کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ہدایات اصولی طور پر قرآن حکیم میں دے دی ہیں بعض احکام تو ایسے ہیں جنہیں مسلمان اقوام کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ ان کی تعمیل بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ احکام جہاد کی۔ ارشاد ہے:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ	میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست
اَوْلِیَاءَ	مت بناؤ

۶۰ : ۱

مسلمانوں کے دشمن اور اللہ کے دشمن وہ ہیں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اللہ کے قانون کو قبول نہیں کرتے۔ ظلم و ستم کو روا رکھتے ہیں اور جنہیں صداقت اور راستی سے زیادہ اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ ایسی قومیں اگر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی طاقت نہ بھی رکھتی ہوں اور وقتی طور پر اپنی کمزوری یا اور کسی وجہ سے پرامن رہنے پر مجبور ہوں تب بھی اُن کے ساتھ دوستی کرنا اصولاً غلط ہوگا اس لئے کہ

جن قوموں کو حق و صداقت کی قدر نہیں، جو اپنے وعدوں کا پاس نہیں کرتے اور جو اپنے مفاد پر راستی و صداقت کو قربان کر سکتے ہیں وہ کسی وقت بھی مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ممکن ہے اُن کی یہ صف آرائی مسلمانوں کے کسی ایک ملک کے خلاف ہو اور اگر اُن کے ساتھ دوسرے ملک کے مسلمانوں نے دوستی کا عہدنامہ کیا ہوا ہو تو امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ اس عہدنامہ کی وجہ سے ہمارے لئے اللہ پر ایمان لانے والی قوم کی مدد مشکل ہو جائے۔ بلکہ ہمارے عہدنامہ اور دوستی سے ایسی غیر مسلم قوم کو جو شہ ملے گی شاید وہ اسی کے بل بوتے پر کسی مسلمان ملک کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں اکثر ملیں گی کہ کافر اقوام نے مسلمان اقوام میں ایسے ہی عہدناموں کے ذریعہ شر و فساد اور خانہ جنگی پیدا کی۔

کفار چونکہ کسی اصول کے پابند نہیں ہوتے، اس لئے وہ اپنے عہدناموں کا پاس نہیں رکھتے اور انہیں جب بھی موقع ملتا ہے وہ ان ہی مسلمان ممالک کے خلاف جنگ شروع کر دیتے ہیں جن کے ساتھ کچھ ہی عرصہ قبل صلح کے عہدنامے کئے ہوں۔ بلکہ تاریخ میں ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں کہ وہ اس طرح مسلمانوں کے ساتھ مصلحت کی بنا پر صلح نہ کرتے تو تباہ ہو جاتے۔ اس طرح کے واقعات جن میں غیر مسلم قوموں نے مسلمان بادشاہوں کے ساتھ وعدے توڑے ان میں یورپ کے ممالک پیش پیش ہیں۔ یورپ کا ایک جرنیل ہونیڈی ہو گزرا ہے۔ اس نے کئی بار ترکوں پر حملے کئے اور شکست کھائی۔ صلح کا عہد کیا اور پھر دوسرے ہی سال لشکر جمع کر کے مسلمانوں کے خلاف بغاوت شروع کر دی۔ اُس کے پاس

پوپ کا فتویٰ موجود تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ کیئے ہوئے عہدناموں کو توڑنا جائز ہے۔

اسلام اور دوسرے ادیان کے ماننے والوں میں یہی سب سے بڑا فرق ہے مسلمان جنگ کے دوران بھی اپنے دین کے احکام کے خلاف عمل نہیں کر سکتا اور اپنے وعدوں پر قائم رہنا اپنا فرض سمجھتا ہے[1]۔ دوسرے ادیان کے پیرو اپنے آپ کو ان قدروں کے پابند نہیں سمجھتے۔ ہونیڈی اور اس عصر کے دوسرے بادشاہوں کو خود پاپائے روم عہدناموں کو توڑنے کے احکام جاری کیا کرتا تھا۔ اوڈیسی اس لکھتا ہے "پولینڈ اور ہنگری کے نوجوان بادشاہ کو پوپ کے نمائندے نے عہدنامہ توڑنے پر اکسایا[2]"۔ یہ سلوک ان ترکوں کے خلاف کیا جا رہا تھا جن کے حسنِ سلوک کی وجہ سے عیسائی ممالک کے باشندے بخوشی و رضا ترک مملکت میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ یہی مصنف آگے چل کر ہمارے اس دعوے کی تصدیق میں لکھتا ہے "جس طرح قسطنطنیہ میں ہوا، اسی طرح سروِیا میں بھی ہوا۔ لوگوں نے اعلان کر دیا کہ وہ ترکوں کو پوپ پر ترجیح دیتے تھے اور اپنے شہروں کے دروازے ترکوں کے لیئے کھول دیئے۔ . . . یہی کچھ بازنیا میں بھی ہوا[3]"

---

[1] جنگ بدر کے موقع پر دو مسلمانوں نے کفار سے اقرار کیا تھا کہ وہ جہاد میں شرکت نہیں کریں گے۔ جب حضور سرورِ کائنات کو معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں جہاد میں حصہ لینے سے روک دیا (سیرت نبوی۔ جلد اول۔ ص۔ ۳۲۱)

[2] ترکی یورپ میں از اوڈیسی ایس مطبوعہ ایڈورڈ آرنلڈ۔ لندن ۱۹۰۰ ص ۷۵

[3] ایضاً۔ ص۔ ۷۴

ہونیڈی کے عہدناموں کے توڑنے کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ یورپی مصنف جو اکثر اسے عیسائیت کا ہیرو تصوّر کرتے ہیں وہ اس کے وعدوں کو توڑنے کو کسی حد تک درست تسلیم کرتے ہیں[1]

مسلمان حکمرانوں نے بارہا اپنے ملازم غیر مسلم جرنیلوں کے ہاتھوں نقصان اُٹھایا مگر اس کے باوجود نہ معلوم کیوں وہ اپنی فطری فراخدلی سے کام لیتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ اُن کا یہ اقدام اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ برصغیر پاکستان وبھارت میں تو امی چند، نانک چند اور نند کمار لاتعداد تھے۔ البتہ ترک قوم بھی غیر مسلم جرنیلوں کے دھوکوں سے محفوظ نہیں رہی۔ "ترکی یورپ میں" کا مصنف لکھتا ہے "جان لیس ٹری آرٹس نے ترک فوج میں چالیس سال تک ملازمت کی وہ چوری چھپے ہنیڈی کے ساتھ خط وکتابت کیا کرتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ بسنہ ۱۴۴۳ء میں اس نے ترکوں کے خلاف بغاوت کی ۔ ۔ ۔ ۔"[2]

اس طرح کے تجربات کے باوجود مسلمان ممالک کفار کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم رکھتے رہے ہیں مگر اکثر وبیشتر نقصان اُٹھاتے رہے ہیں۔ قرآنِ حکیم ایک جگہ کافروں کی اس عادت کے متعلق کہتا ہے:۔

اِن یَّثْقَفُوْکُمْ	اگر وہ تمہیں پالیں گے
یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَاءً	تو تمہارے دشمن ہوں گے (موقع ملنے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا۔ طبع ۱۹۶۱ - ص - ۹۳۴

[2] ترکی یورپ میں - ص - ۴۹

تم پر حملہ آور ہوں گے)

وَیَبْسُطُوْا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ	اور اپنے ہاتھ تم پر چلائیں گے
وَاَلْسِنَتَھُمْ بِالسُّوْءِ	اور اپنی زبانیں نقصان کے لئے چلائیں گے
وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ	اور چاہیں گے کہ تم کسی طرح منکر ہو جاؤ

۶۰ : ۲

ماضی کے تجربات شاہد ہیں کہ مسلمان ممالک کے ساتھ کفار نے ہمیشہ یہی کچھ کیا۔ اور تعجب تو اس بات کا ہے کہ مسلمانوں نے اب تک یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ کیا وجہ ہے کہ کفار بار بار وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس سے پلٹ جاتے ہیں دراصل یہ حقیقت ہے کہ کفار اس وقت تک مسلمانوں کو ہر طرح سے نقصان دینے کی کوشش کرتے رہیں گے جب تک مسلمان اسلام کے نام کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔ اگر کفار مسلمانوں کو مادی نقصان نہ بھی پہنچا سکے تو اُن کے ذہنوں میں ان کے دین کے متعلق شکوک پیدا کرتے رہیں گے اور یوں جو کام وہ ہاتھوں سے نہ کر سکیں گے وہ قلم اور زبانوں سے تکمیل کرنے کی کوشش کریں گے کفار سے دوستی کے خلاف تو صریحاً احکام دئے گئے ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ	مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست
دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ	مت بناؤ
اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ	کیا تم اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام
سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا	لینا چاہتے ہو

۴ : ۱۴۴

ظاہر ہے کہ یہ حکم افراد کی نسبت مسلمانوں کے لئے من حیث الملت ہے اور مسلمانوں کی خارجہ پالیسی کا اساس اس آیہ کریمہ پر ہونا چاہیئے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا	وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انکی طرح کافر ہو جاؤ
فَتَكُونُونَ سَوَاءً	اور پھر تم اُن کے برابر ہو جاؤ
فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ	اس لئے اُن میں سے کسی کے ساتھ دوستی مت ڈالو
وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ٥	اور نہ اُن کو دوست بناؤ اور نہ مددگار

۴ : ۸۹

مشرقِ وسطیٰ کے ممالک نے اور خصوصاً جنوبی عرب کی ریاستوں نے بارہا یورپ کے غیر مسلم ممالک سے مدد لی اور پھر اسی مدد کی وجہ سے انہیں ان یورپی ممالک کے تابع ہونا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر ان کو صدیوں تک یورپی ممالک کی غلامی قبول کرنی پڑی۔ عرب ممالک نے پہلی عالمی جنگ میں عیسائیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی اور آج تک عیسائیوں کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکے۔ جہاں تک اس غلامی کے دور میں کافروں کے احکام ماننے کا تعلق ہے تو وہ تو سرے سے ہی اسلام میں اجازت نہیں۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ اسلام میں اگر جہاد کے دوران فتح ممکن نہ ہو تو پھر شکست تسلیم کرنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں۔ فتح ممکن نہ ہو تو آخری سپاہی تک قتل ہو جانا اور ختم ہو جانا لازم آتا ہے۔ ایسی قوم

کے لئے غلامی یا کمزوری میں کفار کے احکام ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بہرحال حکم صاف اور واضح ہے۔ الفاظ ہیں:۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ	پس کافروں کی اطاعت مت کرو
وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا	اور پوری طاقت سے اُن کے خلاف
۲۵ : ۵۲	جہاد (جنگ) کرو

ایک دفعہ پھر جہاد میں پوری طاقت استعمال کرنے کے حکم کے الفاظ پر غور کیجیے "اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" پر ہم پہلے غور کر چکے ہیں۔ وہ پوری ہکمل اور تا حدِ امکان تیاری تھی۔ اب جہاد کا ذکر ہے کہ اپنی کمزوری کو دیکھتے ہوئے کہیں کفار کے احکام ماننا نہ شروع کر دو۔ لڑو اور خوب لڑو۔ اپنی طاقت اور وجود کے حدِ امکان یعنی آخری آدمی کے آخری قطرۂ خون تک لڑو۔ مگر کافروں کا حکم نہ مانو، ورنہ ایک بار اگر اُن کی اطاعت قبول کر لی تو پھر دائرۂ اسلام میں آنا مشکل ہوگا۔ جو قوم اپنے اُمور خارجہ کو اس اصول کے تابع رکھتی ہے وہ بے انصاف اور صداقت سے ہٹی ہوئی قوموں کے ساتھ ہرگز دوستی نہیں رکھتی۔ چاہے وہ کافر قوم کتنی ہی مضبوط اور طاقتور کیوں نہ ہو۔ اس لئے اس دوستی کے معنی یہ ہوں گے کہ اسے بالآخر اس قوم کے احکام مان کر اس کی غلامی قبول کرنی پڑے گی۔ اس طرح جہاد جاری رکھنے والی اور ایسی پُرعزم اور دلیر قوم کو کوئی طاقت زیرِ نگیں نہیں کر سکتی۔ اس حکم کو ایک اور جگہ ان الفاظ میں دہرایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے نبی (اور اے نبی کی اُمت)

اِتَّقِ اللّٰہَ	اللہ سے ڈرو
وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ	اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت مت کرو
اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا	تحقیق اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے

۳۳ : ۱

۱۹۵۹ء کا واقعہ ہے۔ ایک مسلمان ملک کا سربراہ دوسرے مسلمان ملک کی پارلیمان میں خطاب کر رہا تھا۔ اس خطاب کے دوران اس نے کہا تھا "ہم نے اپنی خارجہ پالیسی آپ سے مختلف رکھی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مسائل دوسرے ہیں۔"

اللہ تبارک وتعالےٰ نے جب ہمیں کافروں اور منافقوں کی اطاعت سے روکھا تھا تو کیا نعوذ باللہ اس وقت ہماری ممکن مجبوریوں اور ہمارے مسائل کی دقتوں کا اُسے علم نہ تھا۔ ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کو ہماری مجبوریوں اور کمزوریاں معلوم نہ تھیں۔ حالانکہ یہ مجبوریاں خود ہماری ہی پیدا کردہ ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ہمیں یاد دہانی کی ہے کہ تم مسائل کی اہمیت سے مرعوب ہو کر اصول کو مت بھولنا۔ "ہم جاننے والے اور حکمت والے ہیں"۔ اگر تم اپنی مجبوریوں کے باوجود اصول پر قائم رہے تو یقیناً کامیاب وکامراں رہو گے اور اگر تم نے اصول چھوڑ دیئے اور کفار سے دوستی ڈالتے رہے تو طاقت رکھتے ہوئے بھی اُن ہی کافروں کے ہاتھوں نقصان اور ذلت اٹھاؤ گے۔

مسلمان حکمرانوں کی اس طرح کی غلطیوں کی فہرست یوں تو بہت طویل

ہے۔ مگر ہم اس جگہ صرف صلیبی جنگوں کے دور کی طرف اشارہ کریں گے جب ہزارہا میل کی مسافت طے کر کے یورپی اقوام کا متحدہ لشکر مسلمانوں کے گھروں کو تاراج کر رہا تھا اس وقت بھی ایسے مسلمان شہزادے موجود تھے جنہوں نے ان احکام کی خلاف ورزی کی اور عیسائی حملہ آوروں کے ساتھ دوستانہ معاہدے کئے۔ پہلی صلیبی جنگ کا ایک افسر اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے :-

"ہم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور ایک عرب قلعے کے قریب اپنا معسکر قائم کیا۔ اس قلعہ کا امیر باہر آیا اور کاؤنٹ (بوہیمانڈ) کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کر لیا۔"[1]

یہی مصنف چند دنوں کے بعد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"بادشاہ نے کاؤنٹ (بوہیمانڈ) کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور اقرار کیا کہ عیسائیوں کو تکلیف نہیں پہنچائے گا اور ان سے محبت کرے گا۔ ٹرپولی (طرابلس الشام) کے بادشاہ نے کاؤنٹ کو پیغام بھیجا کہ وہ معاہدہ کرنے کو تیار ہے اور دوستانہ تعلقات میں منسلک ہونا چاہتا ہے۔ اُس نے اُس کی طرف دس گھوڑے، چار خچر اور سونا روانہ کیا۔ مگر کاؤنٹ نے کہا کہ وہ صرف ایک شرط پر اُس سے معاہدہ کرے گا اور وہ یہ تھی کہ وہ عیسائی ہو جائے۔"[2]

یہ سب اُس حال میں ہو رہا تھا کہ کاؤنٹ بوہیمانڈ امان دے چکنے کے بعد

---

[1] ایک نامعلوم سپاہی۔ پہلی صلیبی جنگ۔ انگریزی ترجمہ سمرسیٹ ڈی چیر۔ دی گولڈن کاکریل پریس۔ لندن ۱۹۴۵ء (پہلی بار بیت المقدس میں ۱۱۰۱ء میں شائع ہوئی) ص۔ ۷۹

[2] ایضاً ص۔ ۷۹۔ ۸۰

بھی پورے پورے شہر کے زن و مرد اور بچوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہا تھا یہی صلیبی سپاہی جو عینی شاہد تھا، لکھتا ہے:۔

"بوہیمانڈ نے مترجم کے ذریعہ مسلمان امیروں کو بتایا کہ اگر وہ صدر دروازے کے اُوپر والے محل میں پناہ لے لیں تو اُن کو، اُن کی بیویوں اور اُن کے بچوں کو پناہ دے دی جائے گی اور اُن کا مال و اسباب نہیں لیا جائے گا... شہر کا ایک کونہ بھی مسلمانوں کی لاشوں سے خالی نہ تھا اور چلنا دشوار ہو گیا تھا... بوہیمانڈ نے جن کو امان دی تھی اُن کو پکڑوا کر اُن کا سونا چاندی اور زیورات اُن سے لے لئے اور اُن میں سے بعض کو مروا دیا اور باقی ماندہ کو انطاکیہ میں غلام بنا کر بیچ دیا۔"[1]

یہ تھا انجام کافروں کے ساتھ دوستی ڈالنے کا۔ ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	اگر تم نے کافروں کی اطاعت کی
یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ	تو وہ تمہیں پیچھے پھیر دیں گے (پیٹھ کے بل گرا دیں گے)
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ	اور تم خسارے میں رہو گے۔

۳ : ۱۴۹

اور مسلمان ہرگز یہ خیال اور اندیشہ نہ کریں کہ کافر متحد ہو جائیں گے۔ کافر جو

---

[1] ایک نامعلوم سپاہی پہلی صلیبی جنگ۔ ص ۔ ۷۷
ملاحظہ ہو تا دمِ آخر جہاد نہ کرنے کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے

اصول سے عاری ہیں اس لئے وہ متحد نہیں ہو سکیں گے اور اگر متحد ہوں گے تو محض وقتی طور پر۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ	وہ سب مل کر تم سے سوائے محصور بستیوں کے کبھی جنگ نہ کریں گے
أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ	یا پھر دیواروں کی اوٹ سے (مضبوط دفاعی خطوط کے پیچھے سے)
بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ	ان کی آپس کی لڑائی شدید ہے
تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ	تم سمجھتے ہو کہ وہ اکٹھے ہیں (ان میں اتحاد ہے) حالانکہ اُن کے دل پھوٹ رہے ہیں)
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ	یہ اس لئے کہ بے عقل قوم ہیں

۱۴ : ۵۹

یعنی اصول سے عاری ہیں اور جس طرح لالچ اور طمع کے لئے وہ تمہارے خلاف لڑتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں بھی لالچ، طمع اور وقتی مفاد کی بنا پر لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں[1]۔ اگر وہ اصول سے عاری نہ ہوتے تو وہ مسلمانوں کے خلاف بھی فتنہ وفساد بپا نہ کرتے رہتے۔

نسلِ انسانی کی اکثر مشکلات اس کے اپنے ہاتھوں کی پیدا کردہ ہوتی

---

[1] اٹھارویں صدی کے بعد سے یورپ کی تاریخ قابلِ مطالعہ ہے۔

ہیں۔ مسلمانوں کو بار بار آگاہ کیا گیا ہے کہ فساد سے بچتے رہیں تاکہ نوع انسانی میں امن قائم رہے۔ اور اللہ کی مخلوق امن و امان سے رہ سکے۔ اللہ تعالےٰ نے فتنہ و فساد کی ایک مثال یوں دی ہے:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	خشکی پر اور سمندروں پر فساد برپا ہو چکا ہے
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ	یہ لوگوں کے ہاتھوں کے کیئے ہوئے
۳۰ : ۴۱	اعمال کا نتیجہ ہے۔

مگر مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کہ وہ اپنے اُمور خارجہ کے ذریعہ دنیا میں فساد کا باعث بنیں جس قوم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری عاید کی گئی ہو اُس سے فتنہ و فساد کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ البتہ جو قوم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہ رکھتی ہو۔ ان کے لئے بے لگام ہونے اور انہیں فتنہ و فساد سے روکنے کے لئے کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی۔ اور اسی لئے ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر چونکہ وہ کسی اصول پر یقین نہیں رکھتے اس لئے ان کا معاشرہ بد اخلاقی اور عصیاں کا نمونہ ہوتا ہے۔ ایسے معاشرہ کے ان قبیح اعمال کی وجہ سے کسی وقت بھی بحر و بر پر جنگ و جدال شروع ہو سکتی ہے اور اس آیہ کریمہ میں اسی طرح کے شروع کیئے ہوئے فساد کی طرف اشارہ ہے اور جو فتنہ و فساد اور شران غیر مسلم اور غیر صالح معاشروں کی جانب سے دوستی کے پردے میں ہمارے نوجوانوں کے اخلاق کو برباد کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسے معاشرے والی قوموں سے دوستی نہ رکھی جائے تو یہ خطرہ پیدا نہیں ہوتا۔

ایسی قوموں کے عہد و پیماں بھی بے معنی ہوتے ہیں اور جوں ہی اُن کے اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان اُن کے مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں وہ اپنے ان پیمانوں کو توڑ دیتے ہیں۔ ایسی قوموں کی دوستی ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ البتہ جب وہ اپنے عہد توڑیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اُن کے ساتھ جنگ کریں تاکہ فتنہ و فساد پھیلنے سے قبل ہی اُن کا ازالہ ہو سکے۔ ان عہد توڑنے والوں کے متعلق مفصل احکام دیئے گئے ہیں:-

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:-

وَاِنْ نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ	اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں
عَهْدِهِمْ	توڑ دیں
وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ	اور تمہارے دین پر نکتہ چینی کریں
فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ	تو کفر کے سرداروں سے جنگ کرو
اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ	یقیناً اُن کے عہد بے معنی ہیں

اور پھر بعد کی آیت میں اسی حکم کو دوسرے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ	جو لوگ اپنی قسمیں توڑتے ہیں ان سے تم جنگ کیوں نہیں کرتے
اَتَخْشَوْنَهُمْ	کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟
فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ	حقیقت میں تمہیں صرف اللہ سے خوف کھانا چاہیئے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝	اگر تم مسلمان ہو تو

۹ : ۱۳

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

عہد توڑنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو مسلسل تیسری بار جنگ کا حکم دیتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ وہ یقیناً اُن کی مدد کرے گا اور وہ کامیاب رہیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

قَاتِلُوْهُمْ	ان سے جنگ کرو
يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ	اللہ اُن کو تمہارے ہاتھوں عذاب میں ڈالے گا۔
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ	اور ان کو رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غالب کرے گا
وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝	جس سے مومن قوموں کو خوشی ہوگی

۹ : ۱۴

انسان کا علم محدود ہے اور اللہ عالم الغیب ہے۔ اللہ کے بغیر کون جان سکتا ہے کہ ہمارے لئے کون سا عمل اچھا ہوگا اور کون سا نقصان دہ۔ اور پھر جب واضح طور پر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا ہے تو پھر وہ اللہ کے حکم پر کیوں نہ عمل کریں۔ اللہ مزید فرماتا ہے:۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَائِكُمْ	اور اللہ تمہارے دشمنوں کو (اچھی طرح) جانتا ہے۔
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ	اور اللہ ہی دوست اور مددگار کے طور

نَصِیرًا — پر کافی ہے۔

۴ : ۸۹

ایسے مواقع بھی ہو سکتے ہیں کہ دشمن اقوام میں سے ایک ملک یا قوم باقی کفار سے علیحدہ ہو کر صلح کرنا چاہیں اور امن سے رہنا چاہیں۔ ایسے موقع کے لئے حکم ہے کہ:-

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ	البتہ وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے ساتھ ہیں جس کے ساتھ تمہارا عہد ہے
اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ	یا تمہارے پاس اس لئے آئے ہوں کہ تمہارے ساتھ جنگ سے دلی طور پر تھک چکے ہوں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی نہ لڑنا چاہیں
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ	اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کو اتنی طاقت دیتا کہ وہ تم سے جنگ کرتے رہتے
فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ	اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور جنگ نہ کریں اور تمہیں صلح کا پیغام دیں
فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا	تو پھر اللہ تمہیں ان پر راہ نہیں دیتا

۴ : ۹۰

جب کفار جو ہمیشہ مسلمانوں کے دشمن رہیں گے فتنہ و فساد سے رُک جائیں اور صلح کے لئے دل سے تیار ہوں تو پھر مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ وہ جنگ جاری رکھیں۔ جب تک کفار زیادتی کر رہے تھے تو مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ بھی سختی کا جواب

سختی سے دیں۔

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ — جس نے تم پر زیادتی کی اس پر تم بھی زیادتی کرو۔

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ — جیسی اس نے تم پر کی تھی

مگر جب وہ تشدد سے ہاتھ روک لیں۔ تو پھر مسلمان تشدد اور سختی جاری نہیں رکھ سکتا۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ — اور اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں

فَاجْنَحْ لَھَا — تو تو بھی اسی طرف جھک جا

وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ — اور اللہ پر بھروسہ رکھو

اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ — بے شک وہی سننے اور جاننے والا ہے

۸ : ۶۱

تو پھر اگر کافر صدق دل سے صلح کے خواہش مند ہوں تو ایسے موقعوں پر یہ شک نہیں کرنا چاہئے کہ کہیں وہ دھوکہ نہ دے جائیں۔ دھوکہ تو شاید وہ دیں گے، مگر مسلمان صلح کے پیغام کو رد نہیں کر سکتا۔ حکم ربانی ہے۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ — اگر وہ چاہیں کہ تمہیں دھوکہ دے جائیں

فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُ ط — تو تمہارے لئے اللہ کافی ہے

۸ : ۶۲

صلح کا پیغام قبول کر لینا اور معنی رکھتا ہے اور دوستی کا معاہدہ کرنا اور بات ہے اسلام صلح کو قبول کرنے کا مشورہ دیتا ہے مگر کفار کی دوستی سے روکتا ہے۔

ایک اور جگہ حکم جہاد دینے کے بعد ارشاد ہے کہ جب صلح ہو جائے تو قیدیوں کے ساتھ:-

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً	یا تو احسان کا سلوک کرو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو

البتہ جب تک صلح نہ ہو اُس وقت تک دشمن کو ضربیں لگاتے رہنا چاہیے۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا	جب تک جنگ اپنے ہتھیاروں کو نہ رکھ دے

۴۷ : ۴

بین الاقوامی سطح پر عجیب و غریب قسم کی اقوام سے سامنا ہوتا رہتا ہے ایسے مواقع بھی آئیں گے کہ مسلمان کہلانے والی قوم کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو جائے گی۔ ایسی قوم کو مسلمان تصور کرنا غلط ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ	تمہیں ایسی قوم نہیں ملے گی جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو
يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	اور پھر دوستی رکھے ایسی قوم سے جو اللہ اور رسول کی مخالفت کرتی ہو
وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ	چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے رشتہ دار۔

۵۸ : ۲۲

بین الاقوامی سطح پر ایسی قومیں تو اکثر ملیں گی جو اپنے سے کمزور قوموں پر

ظلم ڈھاتی ہوں اور پھر مزید طاقت حاصل کرنے کے لئے دوسری قوموں کے ساتھ دوستی ڈالنا چاہیں۔ ایسی قوموں سے دوستی رکھنے کو منع کیا گیا ہے:۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا — اور ظالموں کی طرف مت جھکو

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ — ورنہ تم کو آگ جلاتی رہے گی

یہ کہہ چکنے کے بعد سخت تنبیہہ کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار حاصل نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ ظلم وستم کو انتہائی بُری طرح دیکھتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ دینے والوں کو بھی وہی درجہ دیتے ہیں اس آیت کے آخری الفاظ ہیں:۔

وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ — اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں (تو پھر تم ظالموں کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو)

ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ — تو پھر تمہیں کوئی مددگار نہیں ملے گا (اگر تم نے ظالموں کی طرف رجوع کیا اور ان سے دوستی کی یا اُن سے ڈر کر اُن کا ساتھ دیا)

۱۱ : ۱۱۳

البتہ جو قومیں ظلم وستم اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی گنہگار نہ ہوں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ — اللہ تمہیں منع نہیں کرتا

عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ — کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں

جنگ نہیں کی

وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ — اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا

أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ — ان کے ساتھ احسان کرو اور اُن کے ساتھ انصاف برتو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ — (اسی لئے کہ) اللہ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۸:۶۰

اسلامی جہاد جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ بے مقصد جنگ نہیں۔ جہاد کا مقصد بہبود انسانی اور بنی نوع انسان کی بستیوں میں عدل و انصاف کا قیام ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ انسانوں کی عبادت گذاری کے متمنی نہیں۔ الہ العالمین کی ربوبیت اور اس کی بزرگی انسانوں کی عبادت سے بڑھ نہیں سکتی۔ اس لئے کسی انسان یا کسی قوم کا اسلام لے آنا خود اُس کے فائدے کی بات ہے۔ البتہ اللہ تعالےٰ انسانی بستیوں میں عدل و انصاف کے فقدان کو غیظ و غضب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جہاں ظلم و ستم ہو رہا ہے وہاں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ جہاد کے ذریعے عدل و انصاف کا قیام عمل میں لائیں مگر جو قومیں عدل و انصاف پر قائم ہوں، مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرتی ہوں تو پھر اُن قوموں کے خلاف محض اسلام نہ لانے کی وجہ سے جہاد کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو ایسی قوموں کے ساتھ صلح کے عہد و پیماں قائم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

مسلمان ملّت کا رویہ واضح ہونا چاہیے۔ یہ رویہ جس طرح اندرونِ مملکت کے معاملات میں قرآن و سنت کا تابع رہنا چاہیے۔ اسی طرح مسلمانوں کے اُمور

خارجہ میں انہیں احکام الہٰی اور سنت نبوی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

مسلمان وحدتوں یعنی مسلمان ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اُمور خارجہ میں قوانین اسلام کی پابندی کرتے رہیں ورنہ اُن پر الزام آنے کے علاوہ وہ دینِ اسلام کو بدنام کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر جہاد میں انفرادی اور قومی سطح پر دورنگی کی اجازت نہیں مسلمانوں کے لئے ایسا رویہ غیر مناسب ہی نہیں بلکہ صریحاً غیر اسلامی اور قوانینِ قرآن کے خلاف ہے کہ ایک طرف تو کفّار سے جہاد کریں اور دوسری طرف ان کے ساتھ چھپے یا ظاہرا دوستانہ تعلقات قائم رکھیں۔ یہ منافقانہ رویہ اسلام میں جائز نہیں۔ قرآنِ حکیم کے الفاظ ہیں:۔

اِنْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِی سَبِیلِیْ	اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے نکلے ہو
وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِی	اور مجھے خوش کرنا چاہتے ہو
تُسِرُّونَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ	اور پھر ان کی طرف (دشمن) خفیہ پیغام بھیجو
وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَیْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ	حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو
وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ	اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِیلِ ۝	وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائیگا

۶۰ : ۱

مسلمان قوم یا دوستی رکھتی ہے یا دشمنی مسلمان قوم کے لئے منافقانہ رویہ جائز نہیں۔ جس قوم کو اللہ پر بھروسہ ہو اور جو اپنی ہر بات اللہ کی رضامندی کے لئے کرتی ہو اور جو میدانِ جنگ کا رُخ صرف اللہ کی راہ میں اور اُس کی خوشنودی کے لئے کرے اس کے لئے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ ایک طرف تو کسی ظالم اور کافر قوم کے ساتھ جنگ کرے اور دوسری طرف اعلانیہ یا خفیہ طریقے سے اس کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم رکھے۔ اس طرح مسلمان قوم یا ملک کے لئے اپنے عوام یا دوسرے اسلامی ممالک کو دھوکہ دینے یا غلط فہمی میں رکھنے کی اجازت نہیں۔

مسلمانوں کے لئے اپنے معاہدوں پر قائم رہنا بہت ضروری ہے۔ دنیا میں مسلمان اپنی اخلاقی، دینی اور دنیوی برتری کو اسی صورت میں ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کے اعمال غیر مسلمانوں سے بہتر ہوں۔ اگر مسلمان خود ہی اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے رہیں تو پھر وہ نہی عن المنکر کے فرائض کیسے انجام دے سکتے ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں پر قائم رہنے کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اگر ایسی قوم اپنے اندر رہنے والی مسلمان اقلیت کو تنگ کریں اور ناجائز تکلیف پہنچائیں تو اس صورت میں بھی جب تک ان کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ موجود رہے، مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد کو نہیں جا سکتے۔

ارشاد باری تعالےٰ ہے:-

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ	اور اگر وہ (دارالکفر میں رہنے والے مسلمان)، دین کے معاملے میں تمہاری مدد مانگیں

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ	تو تم پر فرض ہے کہ اُن کی مدد کرو
اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ	سوائے اس قوم کے خلاف
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ	جس کے درمیان اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ٥	اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے

۸ : ۷۲

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مظلوم چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلمان اس کی مدد کو جانا مسلمان کا فرض ہے مگر بایں ہمہ مسلمان قوم اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کی مدد کو بھی نہیں جا سکتی۔ اگر مسلمان یہ دیکھیں کہ جن کے ساتھ معاہدے کیے گئے ہیں۔ وہ ظلم وستم کر رہے ہیں تو پہلے متفقہ طور پر معاہدے کو ختم کیا جائے یا متفقہ مدت کے بعد اس معاہدے پر دوبارہ دستخط نہ کیے جائیں اور اس کے بعد ظالم قوم کو ظلم سے ہاتھ روکنے کا حکم دیا جائے۔ اگر وہ یہ حکم نہ مانے تو پھر اس کے ساتھ جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

ظالم قومیں کبھی مسلمان نہیں ہو سکتیں۔ ظلم وہی کرتا ہے جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان نہ ہو۔ اس طرح کی ظالم اور کافر قومیں ایمان والوں کی ہمیشہ مخالفت کرتی رہیں گی۔ کیونکہ انہیں مخالفت اور مقابلے کا خوف صرف مسلمانوں کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے اُن کی طرف سے آگاہ کر دیا ہے اس آگاہی کو مسلمانوں کے لیے ہمیشہ نگاہ کے سامنے رکھنا ضروری ہے

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ	اور وہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے

حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا — حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمہیں دین سے پھیر لیں۔

۲ : ۲۱۷

آج صلیبی جنگوں کو واقع ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں۔ مگر وہ ممالک جن کے باشندوں نے آج سے صدیوں قبل مسلمانوں کے خلاف جنگیں کی تھیں اور ناکامی کا منہ دیکھا تھا آج بھی مسلمانوں کے خلاف اسی طرح کی مخالفت لئے ہوئے ہیں۔ اس دوران میں وہ کئی جگہوں سے مسلمانوں کو نکال چکے ہیں اور ان میں سے بعض تو مسلمانوں پر نہایت ظالمانہ طور پر حکومت بھی کر چکے ہیں مگر اس کے باوجود ان کا وہ جذبہ سرد نہیں ہوا جو صدیوں قبل مسلمانوں کے خلاف بھڑک اٹھا تھا جب وہ کمزور تھے اور مسلمانوں نے ان پر عادلانہ اور منصفانہ حکومت کی تھی اور ان کے حقوقِ انسانی کو پامال نہیں کیا تھا۔ اگر مسلمان بھی وہی رویہ اختیار رکھتے جو بعد میں اُن کافر حکومتوں کے افراد نے کیا تو صدیوں قبل ان غیر مسلموں کا نام ہی مٹ چکا ہوتا۔ مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے۔ اگر کافر اقوام سے ایماندارانہ رویہ یا کردار کی توقع کی جاسکتی تو وہ ایمان ہی لے آتے یعنی اللہ اور قیامت پر محکم یقین رکھتے اور پھر ظلم و ستم اور بے انصافی سے ہاتھ روک لیتے۔

ایسی قوموں کے دل کبھی صاف نہیں ہوتے۔ وہ اپنے صحیح مقاصد کو چھپائے رکھتے ہیں۔ دراصل ان کے مقاصد بھی بدلتے رہتے ہیں۔ جو ذہنیت معمولی سی تبدیلی کی وجہ سے اپنی دینی کتابیں اور اپنی شریعت بدلنے پر راضی ہو جائے اُس کے مقاصد کی تبدیلی تو ہوا کے جھونکے سے بدل سکتی ہے۔ ایسی قوموں کے جب مقاصد ہی

بدل جاتے ہیں تو وہ گزشتہ مقاصد کے حصول کے لئے جن قوموں کے ساتھ مِل کر کام کر رہے ہوتے ہیں ان سے فوراً علیحدہ ہو جاتے ہیں اور کسی نئے اشتراکِ عمل کے درپے ہو جاتے ہیں اور جوں ہی اس تعاون میں انہیں فائدہ نظر نہیں آتا۔ اسے بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ دور نہ جائیے۔ یورپ کی دو عالمگیر جنگوں پر نظر ڈالئے اور دیکھئے ان جنگوں کے دوران اور ان کے درمیانی وقفہ میں کس قدر عہد و پیمان ٹوٹے اور کس کس طرح اپنے آپ کو متمدن اور مہذب کہنے والی اقوام نے نئے نئے الحاق قائم کئے۔ ایسی قومیں بے اعتبار اور ناقابل اعتماد ہوتی ہیں اور اُن کے ساتھ الحاق کر کے میدانِ جنگ کا رُخ کرنا صریحاً قرینِ مصلحت نہیں ہو سکتا۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے ایسی قوموں کے ساتھ مِل کر جنگ کرنا حتماً منع کر دیا ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ	جو لوگ خود اپنے نفس سے دھوکہ کرتے ہیں ان کی حمائت میں نہ لڑو۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًاۙ	اللہ نہیں پسند کرتا جو دغاباز اور بدکردار ہوں

۴ : ۱۰۷

اور جنہیں اللہ تعالےٰ پسند نہیں کرتا۔ ان کے ہمراہ میدانِ جنگ میں شامل ہونا اللہ کے بندوں کے لئے کس طرح مناسب یا موزوں ہو سکتا ہے؟

قوموں اور ملکوں کی زندگی میں بے شمار ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کا افشائے راز پوری قوم کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ قومی اور ملکی راز دو طرح کی غلط پالیسی کی وجہ سے افشا ہوا کرتے ہیں۔ اولاً تو ایسی قوموں کے ساتھ تعلقات قائم رکھ کر

اور اُن کے ساتھ دفاعی اور اقتصادی معاہدے کر کے مسلمان اپنے لئے الجھنیں پیدا کرنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ دوم، جن قوموں کا ذکر اُوپر آچکا ہے اور جو قومیں موقع ملنے پر معاہدوں کو توڑ دیتی ہیں وہ باہمی حاصل کردہ رازوں کو بھی اپنے پُرانے حلیفوں کے خلاف استعمال کر سکتی ہیں۔ ایسی قومیں بعض اوقات طاقتور بھی ہوتی ہیں۔ ترقی یافتہ بھی ہوتی ہیں اور امیر ہونے کی وجہ سے غیر ملکی قرضے دیتی ہیں۔ وہ اس طرح کی امداد دینے کے بہانے اپنے سے کمزور اور ترقی پذیر قوموں کو اپنے آدمی مشیر کے طور پر مہیا کرتی رہتی ہیں۔ یہ مشیران کمزور قوموں کو مشورہ کم دیتے ہیں اور اپنے ملک کی جانب سے استخبارات کا کام اور جاسوسی زیادہ کرتے ہیں۔ یہ ہمارے علم میں ہے کہ اس صدی میں چند طاقتور ممالک نے مشرق کے مسلمان ممالک کو غیر ملکی قرضوں، زرمبادلہ اور امداد کے بہانے ان کے فوجی ہیڈ کوارٹروں اور استخبارات کے مرکزوں میں اپنے مشیر رکھے اور پھر اُن مشیروں سے حاصل کی ہوئی اطلاعات پر ان ملکوں کی حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی۔ اگر انہیں اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تو یہ اللہ کا اپنے بندوں پر کرم تھا۔

ملکی و قومی اہمیت کے رازوں کے افشا ہونے کا دوسرا ذریعہ غیر مذہب کے یعنی کافر اور منافق باشندے ہوا کرتے ہیں جو ان رازوں کو غیر ملکی حکومتوں کے ہاتھوں میں بیچ دیا کرتے ہیں۔ دراصل ان کافر اور منافق افراد کو ملکی باشندے تصوّر کرنا ہی بنیادی غلطی ہے۔ آپ کسی کمزور ملک کو دیکھ لیجئے۔ اس طرح کے وہ باشندے جن کا تعلق کسی ایسے دین سے ہوگا جو اکثریت کے دین سے مختلف ہے تو یہ اقلیت کے باشندے ملک کی سرحدوں پر رہنا پسند کریں گے جہاں سے وہ غیر ملکی

مالکوں کے ساتھ روابط آسانی سے رکھ سکتے ہوں یا اشیاء سمگل کر کے اپنے ملک کو نقصان پہنچا سکتے ہوں اور دورانِ جنگ غیر ممالک کی جاسوسی کر سکیں۔ سمجھدار ممالک ایسی قلیتوں کو سرحدوں سے بہت دور لے جاتے ہیں اور اہم رازوں کے افشا ہونے سے بچے رہنے کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ مسلمان حکومتوں کو متنبہ ہی نہیں کرتے بلکہ حکم دیتے ہیں کہ :۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ	اپنوں کے علاوہ کسی کو رازدار مت بناؤ
لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا	وہ تمہارے نقصان میں کبھی کمی روا نہ رکھیں گے
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ	تمہارے نقصان میں ان کی خوشی ہے
قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ	ان کی زبان سے دشمنی ظاہر ہو رہی ہے
وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ	اور جو اُنکے دلوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی زیادہ
قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ	ہم نے تم پر حقیقت واضح کر دی اگر
تَعْقِلُوْنَ	تم عقلمند ہو

۳ : ۱۱۸

اپنے رازوں کو چھپائے رکھنا، اپنے دفاعی منصوبوں کو وقت اور مقام کے مطابق رکھنا اور اُن منصوبوں کے مطابق جنگ کی تیاری مکمل رکھنا ہر مسلمان حکومت بلکہ اجتماعی طور پر پورے عالمِ اسلامی پر فرض ہے۔ اسی کو قومی اور ملکی تحفظ کہا جاتا ہے۔ اس قومی اور ملکی تحفظ کے منصوبوں کی تشکیل کے بعد ہی خارجہ پالیسی کا تعین ہو سکتا ہے اور اس خارجہ پالیسی میں ان تمام ہدایات کو قائم رکھنا پڑتا ہے

جو اُوپر مذکور ہو چکی ہیں مسلمان حکومتوں اور مسلمان اصحابِ امر پر فرض ہوتا ہے کہ پہلے قومی تحفظ والے حکم پر عمل کریں اور اس سے اخذ کردہ نتیجہ کے مطابق ہی اپنے اُمور خارجہ کو ترتیب دیں۔ تحفظ کے متعلق حکم پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس کے الفاظ ایک بار پھر درج کئے جاتے ہیں:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو
خُذُوا حِذْرَكُمْ	اپنی خبرداری کر لو

یہ خبرداری جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ دفاعی معاملات سے لے کر امور خارجہ تک ہے۔

آخر میں ہم ایک بار پھر مسلمان کے وجود کے مقصد کی طرف اشارہ کریں گے مسلمان کے وجود کا مقصد عالمِ انسانی میں قیام عدل وانصاف اور دفاع ملک وملت ہے۔ اس لئے قوم کی ترقی اور خوش حالی اور قوم وملت کے اُمور خارجہ بلکہ قوم کے ہر شعبہ کی تفصیلات حل اور فیصلہ کرتے ہوئے مسلمان کے وجود کے مقصد کو پیشِ نظر رہنا چاہئے اور مسلمان کے وجود کا یہ مقصد ان چند آیات میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اسے ہر لمحہ سامنے رکھنا ضروری ہے:۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا	اور اس طرح ہم نے تمہیں عدل پسند امت بنایا
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ	تاکہ تم انسانیت پر شاہد رہو

۲ : ۱۴۳

اور

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ	تم اُن تمام اُمتوں سے بہترین اُمت

لِلنَّاسِ	ہو جو لوگوں کی راہنمائی کے لئے لگائی گئی ہے
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو
وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

۳ : ۱۱۰

جہاد اور عالمِ اسلامی

عرصہ ہوا کہ عالم اسلامی بہت سی وحدتوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور مستقبل قریب میں پورے عالم اسلامی کا ایک ہی سیاسی وحدت یا سیاسی وفاق میں منسلک ہونا دینی فریضہ ہوتے ہوئے بھی مشکل نظر آتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عالم اسلامی کی بقا کا مکمل یقین صرف اسی صورت ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے وفاق کو قبول کرے جس میں مسلمانوں کے لئے اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کی جا سکے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ انسانی اجتماعی زندگی کے اقتصادی معاشرتی اور دفاعی پہلو ایسے ہیں کہ مسلمان اگر حقیقتاً اللہ، اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں تو پھر وہ عالم اسلامی کے عملی اور پُر اثر اتحاد کے بغیر مسلمان بن کر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسلامی ممالک کا کوئی بھی اتحاد ہو وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بنیاد اسلام پر استوار نہ ہو اور اتحاد کرنے والے ممالک اور ان کے سربراہ خالصتہً لوجہ اللہ اس اتحاد کی طرف رجوع نہ کریں۔ اللہ تبارک و تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا — سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو۔
وَلَا تَفَرَّقُوا — اور پھوٹ نہ جاؤ۔

۳ : ۱۰۳

سب کا بل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا نہ صرف عربوں کے لئے ہے نہ صرف سفید فام مسلمانوں کے لئے اور نہ صرف سرخ یا سیاہ رنگ کے مسلمانوں کے لئے اور نہ ہی یہ حکم کسی خاص عہد کے لئے ہے۔ یہ حکم دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے ہے اور افراد کے لئے بھی اتنا ہی ہے جتنا سیاسی وحدتوں کے لئے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ صریح حکم ہے اور جو مسلمان کسی اسلامی سیاسی وحدت کے اندرونی معاملات میں عمداً پھوٹ ڈالتا ہے یا پھوٹ کا باعث بنتا ہے تو وہ وَلَا تَفَرَّقُوا (اور پھوٹ نہ جاؤ) کی نصِ قرآنی کی حکم عدولی کا مجرم بن جاتا ہے یہ ایسا گناہ ہے جس کی سزا صرف بعد مرگ ہی نہیں بلکہ اسی زندگی میں مل جاتی ہے بلکہ یہ سزا نسلاً بعد نسل جاری رہتی ہے اور دوبارہ آزادی و استقلال کے حصول کے لئے نہ معلوم کس قدر محنت کرنی پڑتی ہے۔

جہاں تک سیاسی وحدتوں کے اندر کے امن و امان کا تعلق ہے یہ اتنا مشکل کام نہیں۔ سیاسی وحدتوں کے اندر کی پھوٹ ان وحدتوں کے افراد کی خود غرضی، لالچ طمع، کوتاہ نظری بلکہ بعض اوقات صرف نظریاتی تعصب کی وجہ سے وجود میں آتی ہے اور جاری رہتی ہے۔ اور ان کمزوریوں کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مدتیں ہوئیں اسلامی قوانین کی پابندی چھوڑ دی ہے۔ اس کے باوجود ان سیاسی وحدتوں کے اندرونی اتحاد اور امن و امان کا قیام مشکل نظر نہیں آتا اور امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں اکثر اسلامی ممالک استحکام حاصل کر سکیں گے۔ بین الملکی اتحاد البتہ نسبتاً مشکل ہے اور سیاسی اور نیم سیاسی اتحاد یا وفاق بہت سی غیر سیاسی باتوں پر منحصر ہے۔ اولاً تو مسلمان ممالک کے سربراہوں اور مفکروں کو اسلامی طرزِ حیات کے

مطابق زندگی گذارنے کا ارادہ محکم ہونا چاہیئے۔ بدبختانہ اکثر اسلامی ممالک کے مفکر اور سربراہ طبقے کے افراد غلط تعلیم اور گمراہ کن تربیت کی وجہ سے غیر اسلامی افکار سے متأثر نظر آتے ہیں اور محض دکھاوے کے لئے بچوں کے اسلامی نام رکھتے ہیں ورنہ وہ اسلام کو دنیا کی بدلتی ہوئی اقدار کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اقدار بجائے خود نہایت مبہم اور غیر محکم سی ہیں۔ اس لئے کہ وہ وقت اور مقام کی ضروریات پر منحصر ہوتی ہیں اور اگر بدقتِ نظر دیکھا جائے تو وہ سرے سے اقدار ہی نہیں ہیں اور طرزِ زندگی سے زیادہ اہمیت کی حامل نہیں۔ اس وقت اکثر اسلامی ممالک کی باگ دوڑ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور بدبختانہ وہی مفکرین ملک و ملّت کے خود ساختہ رہبر بنے ہوئے ہیں۔ اس طرزِ فکر کے اشخاص اسلامی ممالک میں نہ اسلامی نظام قائم ہونے دیں گے نہ اسلام کی بنیاد پر ان کو کسی سیاسی الحاق یا وفاق میں کبھی منسلک ہونے دیں گے۔ ان کے طرزِ فکر کی رہنمائی کے لئے روشنی یورپ اور امریکہ اور یا پھر اشتراکی اور اشتمالی حلقوں سے پہنچتی ہے اور وہ اسلام کو صرف چودہ سو سال قبل کی بیماریوں کا علاج تصور کرتے ہیں۔ اگر "واعتصموا بحبل اللہ" حکم ہے اور اس کے مخاطب تمام مسلمان ہیں تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اتحادِ اسلامی کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے اور دنیائے اسلام کے اتحاد یا وفاق کے راستے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ڈالے۔ دنیائے اسلام کے اتحاد کا راستہ سیاسی سطح سے ہو کر نہیں اقتصادی سطح سے ہو کر گزرتا ہے۔

جب یورپ کے تاجر دنیائے اسلام سے پہلو بچا کر ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ پر پہنچے تو انہوں نے دو باتوں کا اہتمام کر لیا تھا۔ اولاً تو انہوں نے جس رہنما

کو عدن سے اپنے ساتھ لیا تھا اس کے متعلق یقین کر لیا تھا کہ وہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتا ہے[1] اور اس کی مسلمان دشمنی اتنی مضبوط ہے کہ واسکوڈی گاما کے بحری بیڑے کو کسی مسلمان ملک کی بندرگاہ پر نہ لے جائے گا۔ اگر پرتگالی کسی مسلمان ریاست کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے تو شاید دنیا کی تاریخ کسی اور ہی دھارے پر بہتی اور نہ معلوم اسلامی دنیا کے نقشے کی شکل آج کیا ہوتی[2]۔ پرتگالیوں کے اس سفر کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ مشرق و مغرب اور ایشیا و افریقہ کی تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر یورپی اقوام کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ہند اور چین سے لے کر دمشق تک اور پھر قیروان تک اوسطاً ہر دس بارہ میل پر سرائے اور اس سے متعلق آبادی ہوا کرتی تھی۔ کارواں مختلف سمتوں سے چل کر اسلامی دنیا کے کونے کونے میں پھیل جاتے تھے اور اس طرح اسلامی دنیا کے مختلف ممالک براہ راست ایک دوسرے کے ساتھ تجارت کے ذریعے منسلک تھے۔ جن ممالک کے ساتھ کسی ملک کے تجارتی تعلقات وابستہ ہوں۔ ان ممالک کا امن و امان اور اُن کی خوشحالی اس ملک کے مفادات میں شامل ہوتی ہے۔ جوں ہی مسلمان ممالک کے درمیان تجارت کے راستے بند ہوئے اُن کی خوشحالی پر اثر پڑنے کے علاوہ وہ ایک دوسرے کی خوش حالی میں شریکِ کار نہ رہے۔ اب ہر مسلمان ملک

---

[1] بحرِ ہند کے حکمراں (رولرز آف دی انڈین اوشن) از ایڈمرل بیلارڈ۔ بحوالہ "دفاعِ پاکستان کی لازوال داستان" از بریگیڈیئر گلزار احمد۔ ص۔ ۳۴

[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد۔ ۵۔ ص۔ ۲ بحوالہ "دفاعِ پاکستان کی لازوال داستان" ص۔ ۳۵

کی تجارت براہ راست مغرب سے ہو رہی تھی اس لئے اسلامی دنیا کے اندر کے کاروانی راستوں کی طرف کسی نے توجہ نہ دی مگر ان راستوں کی آبادیاں ختم ہو جانے سے جو نقصان پہنچا اس کا اندازہ اس وقت نہ کیا جا سکا۔ اقتصادی نقصانات کے علاوہ آج یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تجارت کے لئے جو کھڑکیاں ہم نے یورپ کی جانب کھولی تھیں ان میں سے تجارتی مال کے علاوہ افکار و نظریات بھی آنا شروع ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف اسلامی ممالک کے آپس میں تجارتی راہ و رسم ختم ہو جانے کی وجہ سے ایک دوسرے میں آنے جانے کی وجہ صرف زیارات اور خانقاہوں کو دیکھنا ہی رہ گیا اور مقصد زائرین کی لوٹ کھسوٹ تک محدود ہو گیا۔ تجارتی آمد و رفت بند ہو جانے سے افکار و نظریات سے متعلق تبادلۂ خیالات بند ہو گیا اور آج کون سا اسلامی ملک ہے جو نظریاتی لحاظ سے اپنے آپ کو پڑوس کے مسلمان ممالک کی نسبت یورپ اور امریکہ سے قریب تر محسوس نہیں کرتا۔ اگر یقین نہ آئے تو چند روز تہران، دمشق قاہرہ میں رہ کر پھر لندن جا کر رہیئے اور ان چاروں مقامات پر صرف اصحاب فکر و نظر سے بات کیجئے آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ پاکستان کا ادیب لندن کے ادیب سے قریب تر ہے۔ اور ایران و عرب کے ادیبوں کے خیالات کو اسی وقت سمجھ سکتا ہے جب اُن کی تشبیہات اور اصلاحات انگریزی ادب پر مبنی ہوں ورنہ پاکستانی ادیب ایرانی اور عرب اصحاب قلم کے مطالب انگریزی زبان میں بھی سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ گزشتہ چند صدیوں کے تجربے سے ہم اسلامی دنیا کے سربراہوں کو یہی مشورہ دے سکتے ہیں کہ ان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی تجارت کا رُخ یورپ اور امریکہ سے موڑ کر مسلمان ممالک کی جانب کریں اور چند سالوں تک اقتصادی تکالیف برداشت کرنے کے

لئے اپنی اپنی آبادی کو تیار کریں۔ جب تجارتی راہیں کھل جائیں گی تو تجارت کے ساتھ ساتھ افکار و نظریات بھی ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا شروع کر دیں گے اور جوں ہی افکار و نظریات کی سطح پر باہم گفت و شنید شروع ہو گی تو سیاسی و دفاعی دُوریاں بھی کم ہونا شروع ہو جائیں گی۔

جہاں تک خالقِ کائنات کا تعلق ہے۔ وہی خالقِ کائنات جس نے انسانیت کو پیدا کیا اور پھر ہماری ہدایت کے لئے رسول مقبول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن نازل کیا اس کے الفاظ ہیں:۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً	اور تحقیق یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے
وَّ اَنَا رَبُّكُمْ	اور میں تمہارا رب ہوں
فَاعْبُدُوْنِ ؁	اس لئے تم میری ہی بندگی کرو۔
۹۲ : ۲۱	(یعنی کسی انسان یا انسانی گروہ کی یا کسی اقتصادی یا نظریاتی غلامی قبول نہ کرو)

جہاں تک اللہ کی ربوبیت کا سوال ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ہمارا یہ ایمان نہ ہوتا تو ہم اپنے آپ کو مسلمان نہ کہتے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس کی ربوبیت اور اس کے علیم و خبیر ہونے پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے محکم ارشادات کی حکم عدولی کرتے ہیں اور اس کی پاداش میں ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ غلامی کی تمام لعنتوں سے دوچار ہوتے ہیں اور دنیا و آخرت دونوں میں رسوائی کو دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو واضح الفاظ میں ہمیں بتا دیا ہے کہ میں جو تمہارا خالق و مالک اور رب ہوں تمہیں بتاتا ہوں

کہ اگر محمد پر میرے رسول پر اور اس پر نازل کی ہوئی کتاب پر تمہارا ایمان محکم ہے تو جان لو کہ تم ایک ہی قوم و ملت ہو اور اگر ایک ہی امت کے سے اعمال نہ کئے اور اپنے اندر افتراق ڈال لیا تو پھر سزا کے موجب قرار دیئے جاؤ گے۔ اس آیہ کریمہ کا مفہوم اس قدر وسعت و گہرائی کا حامل ہے کہ تصور میں آسکتا ہے البتہ راقم الحروف کی طاقت بیان سے باہر ہے۔ اگر ہم اتنا ہی سوچ سمجھ لیں کہ ہم نے جغرافیائی حدود کو اپنی قومیت کی بنیاد بنا کر ایسے عظیم فتنے کو اپنی دوامی تباہی کا باعث بنا لیا ہے تو شاید ہم دوسری غلطیوں کے انجام کی طرف بھی نگاہ کر سکیں۔ جب تک ہم اسلامی ممالک کو کسی طرح کے وفاق میں منسلک نہ کریں گے ہم کلی اور صحیح جہاد کے فرائض سے سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔

جب کسی قوم کا معبود ایک ہو، اس کا پیغام لانے والا بھی ایک ہی ہو اور اس ایک پیغام کے متعلق قوم کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف بھی نہ ہو[۱]۔ بات صرف اس پیغام پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی ہو بلکہ سوال اس سے بھی کم ہو یعنی بعض افراد

---

[۱] ہم ان چند فتنہ گر مفکروں اور سیاست دانوں کو اہمیت نہیں دیتے، جن کا یہ خیال ہے کہ قرآن میں محض اخلاقی تعلیم ہے اور اجتماعی زندگی سے متعلق کوئی قوانین موجود نہیں یا یہ کہ قرآن کے اخلاقی پہلو تو دائمی ہیں البتہ اس کا قانونی پہلو غیر دائمی ہے۔ ایسے نظریات کو چند کوتاہ نظر سیاست داں اور غیر مسلموں کے افکار سے متاثر نام نہاد عالم دین پاکستان میں فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بحمد اللہ کہ ایسے شر انگیز خیالات کی ترویج اب تک کامیاب نہیں ہو سکی۔

جو دوسرے پیغاموں سے مرعوب ہو چکے ہوں وہ ان پیغاموں کو اس ایک پیغام کا نام دے کر پوری قوم کو گمراہ کرنا چاہتے ہوں اور یوں قوم کے اندر انتشار پھیل رہا ہو تو ظاہر ہے کہ اس قوم کے لئے بہترین اقدام یہ ہوگا کہ وہ جس پیغام پر ایمان رکھتی ہے اور جس پر اس کی اکثریت متفق الرائے ہے اس پیغام پر عمل شروع کر دے اور

لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ جو تم نہیں کرتے وہ کیوں کہتے ہو۔

کی مجرم نہ قرار دیدیجائے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس قوم نے خلوص نیت سے اس پیغام پر عمل کیا اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے جہاد کے فرض کو من حیث القوم ادا کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ عدل و انصاف کے قیام کے ساتھ ساتھ حقیقی معنوں میں اس دنیا میں خلافت الہیہ کی حامل بنجائے۔

قرآن کریم یوں تو بہت سے مقامات پر وحدتِ اسلامی پر زور دیتا ہے البتہ جہاد جس کے بغیر دنیائے اسلام کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہیں اس کے لئے تو وحدتِ ملت پر نہایت درجہ زور دیا گیا ہے اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کہہ کر مسلمانانِ عالم کو تنبیہہ کر دی گئی ہے کہ تمہاری کامیابی اور ناکامی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں اس لئے اپنی بقا کے لئے میری ہی عبادت کرو یعنی مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور میرے ہی احکام پر عمل کرو۔ مسلمان جب اللہ کے احکام پر عمل کریں گے تو متحد ہو کر جنگ کے بغیر وہ دنیا میں عدل و انصاف قائم نہ کر سکیں گے اور جب تک وہ عدل و انصاف قائم نہ کر سکیں گے۔ اُن کے وجود کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا۔

اور اللہ اُن سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ اس سے ڈرتے رہے اور اس کے احکام کے پابند رہے تو بحیثیت قوم و ملت وہ ان کو اس دنیا پر حاکم بنائیگا۔

لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کہ ان کو دنیا میں حاکم بنائے گا۔

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	جس طرح اس نے اوروں کو ان سے پہلے حاکم بنایا تھا
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	اور ان کے دین کو محکم کر دے گا
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	وہ دین جو اس نے (خود) اُن کے لئے چُنا تھا
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا	اور اُن کو اُن کے ڈر کے بدلے امن دے گا۔

۲۴ : ۵۵

اگر مسلمان اللہ کے ڈر کی وجہ سے بحیثیتِ امت آپس میں متحد رہے تو وہ انہیں اس ڈر کے بدلے دنیا کا وارث بنائے گا۔

اور اگر مسلمانوں نے اپنے آپ کو متحد نہ کیا اور اپنی حالت سنوارنے کی کوشش نہ کی تو پھر اُن کے لئے باوقار زندگی مشکل ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ محض زبانی ایمان کو قبول نہیں کرتا۔ وہ سچائی اور ایمان کا ثبوت چاہتا ہے۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ — اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو

فرد کے لئے ہی نہیں بلکہ قوموں کے لئے بھی یہ اصول عائد کیا گیا ہے:۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

انسان کے اعمال اور اس کا کردار انفرادی حیثیت سے اتنے اثر انداز نہیں ہوتے جتنے کہ اجتماعی حیثیت سے، جب قوموں کی اکثریت مائل بہ تنزل ہو تو پھر اچھے اعمال والے افراد جو اقلیت میں ہوں وہ بھی خسارے میں رہتے ہیں۔

قوموں کو وہی نصیب ہوتا ہے جس کی وہ اہل ہوتی ہیں۔ البتہ کامیاب قوموں کے نالائق افراد بھی اپنی اکثریت کے اعمال سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں، اگر جہاں تک پوری قوم کی آزادی یا غلامی اور خوشحالی یا تنگدستی کا تعلق ہے جب تک قوم کی اکثریت اللہ کا خوف نہ رکھے اور نیک اعمال نہ کرے اس وقت تک وہ کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ	یقیناً اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا
حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ	جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں
وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً	اور اگر اللہ ارادہ کرلے کہ کسی قوم کی شامت آئے
فَلَا مَرَدَّ لَہٗ	تو پھر (اسے) اس (فیصلے) سے ہٹانے والا کوئی نہیں
وَمَا لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ	اور اس کے سوا اُن کا کوئی مددگار نہیں

۱۳ : ۱۱

اگر دنیائے اسلام چاہتی ہے کہ اس کی حالت اچھی ہو اور وہ زیر دستی اور غلامی کی لعنت سے پاک ہو جائے اور کفار کے رحم وکرم اور ان کی عطا کردہ بھیک سے نجات حاصل کرلے تو دنیائے اسلام کے لئے ایک ہی راستہ کھلا ہے! اور وہ راستہ اتحاد اور جہاد کی دو کاوشوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ دنیائے اسلام کے پاس وہ سب کچھ ہے جو اُسے ظلم وستم روا رکھنے والی قوموں پر فاتح بنا سکتا ہے۔ ضرورت صرف اتحاد کی ہے۔ جو افراد اور جو جغرافیائی وحدتیں کفار سے مل جاتی ہیں

وہ منافق ہوتی ہیں اور اُن سے کنارہ کشی کے بغیر مسلمانوں کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔
مگر مسلمانوں کو جلد از جلد یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا وہ آزاد مرد مومن بن کر دنیا پہ اللہ
کی طرف سے حکمراں بنکر رہنا چاہتے ہیں یا نفاق اور بزدلی کے نتیجہ میں دوسروں کی
عطا کردہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنا چاہتے ہیں۔ جہاں وہ اُن کے خون
پسینے کی کمائی کو بھی بخشش کا مقام دیتے ہوں۔ اس سوال کا جواب مسلمان ملت
کو اپنے آپ کو دینا ہے اور پھر اس جواب کے عائد کردہ فرائض کو پورا کرنا ہے۔

مسلمان قوم اپنے وجود کا مقصد یہی اُس وقت پورا کر سکتی ہے جب وہ متحد
اور منتظم ہو کر جہاد کے عظیم فریضہ سے سبکدوش ہو ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تبارک و
تعالےٰ مسلمانوں کے وجود کے مقصد کو بھی ایک محکم حکم کی صورت میں بیان فرماتے
ہیں۔ الفاظ پر ایک نظر پھر ڈالیئے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ	اللہ کی راہ میں مضبوطی کے ساتھ قائم ہونے والے
شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ	انصاف کے گواہی دینے والے بنو

کتنا بڑا فرض مسلمان کے ذمہ ڈالا گیا ہے یعنی اللہ کی راہ میں حق و صداقت
پر مضبوطی سے قائم رہنا اور بڑے سے بڑے خطرے کے مقابلے پر جم جانا۔

کہیں یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ یہ حکم افراد کے لئے ہے کہ انفرادی حیثیت
میں، مسلمان سچی گواہی دے اور کسی کے جبر اور ظلم سے ڈر کر کہیں جھوٹی گواہی نہ دے
دے۔ بعد کے الفاظ اس غلط فہمی کو دور کر دیتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ	اور کسی قوم کی دشمنی کے ڈر سے (ایسا نہ کرنا کہ)
اَلَّا تَعْدِلُوْا	کہیں عدل سے نہ ہٹ جانا
اِعْدِلُوْا	عدل کرو
ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی	یہ اللہ کے خوف کے قریب ہے

۵ : ۸

"کسی قوم کی دشمنی کے ڈر" والے الفاظ قابلِ غور ہیں یعنی دنیا کی اقوام کے معاملات جب تم (مسلمان) لوگوں کے سامنے ہوں۔ ایک طرف جابر و ظالم مگر طاقتور قوم ہو اور دوسری طرف مظلوم قوم ہو تو "اے ایمان والو" تم پر فرض ہے کہ تم انصاف پر قائم رہو اور کسی کے ڈر کی وجہ سے عدل سے نہ ہٹو۔ یہ کام وہی قوم اور وہی ملت کر سکتی ہے جس میں دنیا کی امامت کی خصوصیتیں ہوں جس کے افراد نیک اور صالح ہوں، جو متحد ہوں اور جو جہاد کے فرائض ادا کرنے کے قابل ہوں۔ مسلمان قوم کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ دنیا میں عدل و انصاف کو قائم رکھے اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب اُس میں قومی اور بین قومی سطح پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے اور دوسروں سے اپنے احکام منوانے کی استعداد موجود ہو۔ یہ حالت مسلمان قوم کی اسی وقت ہو سکتی ہے، جب وہ عالمی سطح پر متحد اور منظم ہو کر میدانِ جہاد میں آنے کے قابل بن جائے، ورنہ وہ اپنے اس اہم فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتی، اور جب مسلمان قوم اس فرض کی ادائیگی کے قابل ہو جائے گی تو پھر اس پر:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

درست اُترے گا۔ اس کی جنگ ملی جہاد کی شکل اختیار کرے گی اور اس کی یہ جہاد بہ ہر معنی کلی جنگ ہو گی۔

مسلمان جب دنیا سے ظلم وستم کا وجود اٹھا دے گا، جب ہر طرف عدل و انصاف قائم ہو جائے گا تب وہ کہہ سکے گا کہ اس نے قرآن میں مذکورہ پیش گوئی کو ثابت کر دکھایا ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا — اور اس طرح ہم نے تمہیں عدل پسند اُمت بنایا

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ — تاکہ تم انسانیت پر شاہد رہو

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا — اور رسول تم پر شاہد رہے۔

۲ : ۱۴۳

تو پھر:۔

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ — زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

۲۱ : ۱۰۵

درست ثابت ہو گا۔

یہ بات بعید از قیاس نہیں۔ اوائل اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ غربی پاکستان کے پاس سے گزرتے ہوئے جہازوں پر ہند و قزاق حملہ آور ہوئے اور چند مسلمانوں کو بھی قید کر لیا۔ خلیفۂ اسلام نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کو حکم بھیجا کہ ان

قزاقوں کا قلع قمع کرے۔ اس خطہ کے ہندو حکمراں راجہ داہر نے ہندو قزاقوں کو پناہ دینے کی کوشش کی اور یوں محمد بن قاسم کی فتوحات کے ذریعہ سندھ اور پنجاب کا بیشتر حصّہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔

آج دنیائے اسلام کمزور ہوتے ہوئے بھی اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ اسے جہاد کے لئے متحد ہونے کے لئے کافی محنت اور کاوش کی ضرورت پڑے گی۔ اگر فلسطین میں مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہوں تو مراکش یا پاکستان کے مسلمان اسی صورت وہاں جہاد کے لئے پہنچ سکتے ہیں کہ ماقبل سے ایک منصوبہ تیار کیا جا چکا ہو۔ اسی طرح اگر کشمیر میں مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے تو اسلامی متحدہ کمان اسی صورت مصروفِ عمل ہو سکتی ہے کہ اُس کا وجود پہلے سے قائم کیا جا چکا ہو۔ اگر ماقبل سے یہ بات طے نہ پا چکی ہو تو جہاد فرض ہو جانے کی صورت رونما ہو جانے پر دنیائے اسلام کے بیشتر حصے کو یہ معلوم بھی نہ ہو گا کہ کس قدر اور کس طریقے سے کمک روانہ کی جائے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اس صورتِ حال کو مبہم اور غیر واضح نہیں رہنے دیا گیا۔ ارشادِ خداوندی کے الفاظ ہیں:۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا	اور یہ ضروری نہیں کہ سب مسلمان (بیک
كَافَّةً	وقت) کوچ کریں
فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ	کیوں نہ ہر فرقے (ملک) میں سے ایک
طَائِفَةٌ	ٹولی کوچ کرے
لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ	تاکہ دین کا مقصد سمجھ لیں
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا	اور جب قوم کی طرف لوٹیں تو انہیں

اِلَیھِمْ	آگاہ کریں
لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ	شاید وہ اس طرح بچتے رہیں

۱۲۲:۹

اس آیہ کریمہ پر پہلے بھی غور کیا جا چکا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار پھر اس کے احکام اور ہدایات پر نظر ڈالی جائے۔ جہاں تک آج کل کی دنیائے اسلام کی ذمہ داریاں جہاد کے میدان میں ہونی چاہئیں اُن کے متعلق اس آیت سے کافی سہولتیں بہم پہنچتی ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت کے الفاظ ہمیں اسلامی متحدہ کمان کی طرف رہبری کرتے ہیں۔ اگر یوں نہ کیا گیا تو یا تو سرے سے کوئی ملک جہاد کی غرض سے اپنی جغرافیائی حدود سے کوچ ہی نہیں کرے گا اور متاثرہ علاقے کے مسلمان مقامی طور پر ظلم و ستم سہتے سہتے یا تو نابود ہو جائیں گے اور یا پھر اسلام سے ہی پھر جائیں گے۔ یہ دونوں صورتیں تاریخ میں کئی بار پیش آ چکی ہیں[1]۔ اگر مسلمان ممالک نے اسلامی متحدہ کمان کے بغیر اپنے ملک سے کوچ بھی کیا تو ان کی تزویراتی کارروائیاں ایک دوسرے کے لشکروں کے منصوبوں سے نابلد ہونے کی وجہ سے خاطرخواہ اثر پیدا نہ کر سکیں گی۔ فلسطین میں دو بار قرب و جوار کے اسلامی ممالک جنگ کی جانب کوچ کر چکے ہیں اور صحیح معنوں میں اسلامی متحدہ کمان نہ ہونے کی وجہ سے

---

[1] اندلس آج مسلمانوں سے خالی ہے۔ کریمیا میں ایک مسلمان بھی نظر نہیں آتا۔ ماوراء النہر میں مسلمان اقلیت بن چکے ہیں۔ ہندوستان کا مسلمان محکوم زندگی گذار رہا ہے۔ اور ارضِ مقدس سے مسلمان کو نکالا جا چکا ہے۔

ان کی کارروائیوں اور منصوبوں میں تعاون اور تنظیم کے سے حالات پیدا نہیں کئے جا سکے اگر مسلمان ممالک اس آیت پر پہلے سے سوچ بچار کر رکھتے تو ایسی صورتِ حال کبھی پیدا نہ ہوتی۔ دوسرا ضروری اقدام جس کی طرف اس آیت کے الفاظ اشارہ کرتے ہیں وہ فنونِ جنگ کے متعلق تحقیق و تدوین کا کام ہے جو اسلامی ممالک کی متحدہ کمان کی رہبری کے تحت مسلسل جاری رہنا چاہیئے ورنہ چھوٹے چھوٹے غزوات اور لڑائیوں میں سیکھے ہوئے سبق اور سائنسی دنیا کی نئی نئی ایجادات سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے گا۔ متحدہ کمان کو وجود میں لانے کے خیال سے ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تک سیاسی سطح پر کوئی متحدہ تنظیم وجود میں نہ لائی جائے۔ اس وقت تک عسکری معاملات کے لئے متحدہ کمان کا قیام ناممکن نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن ایسا واضح صاف اور قابلِ عمل حکم دیتا ہے کہ مختلف سیاسی وحدتوں کی آزادی اور خود مختاری بھی قائم رہ سکتی ہے اور اسلامی دنیا کا اتحاد بھی وجود میں لایا جا سکتا ہے قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ	اور معاملہ (معاملاتِ جنگ) میں اُن سے مشورہ کر لو
فَاِذَا عَزَمْتَ	پھر جب تم فیصلہ کر لو
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ	اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس پر بھروسہ کرتے ہیں
۳ : ۱۵۹	

اور پھر

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۳ : ۱۶۰

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

یہ مشاورت جہاد فرض ہونے کے حالات سے قبل ہو جائے تو بہتر ورنہ جہاد فرض ہونے کے حالات جب پیدا ہو جائیں تو اس وقت تو نہایت ضروری ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کو آپس میں مشاورت کرنے کا حکم اتنا ہی واضح ہے جتنا ملک کے اندرونی معاملات کے لئے ہے چونکہ انتظامی اور سیاسی وحدتوں کی جغرافیائی حدود محض وقتی خطوط سے زیادہ کچھ نہیں ہوتیں اس لئے قرآن میں عرب یا غیر عرب کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی ملک و قوم کا ذکر ہے مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ہونے کا یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں مشورہ کر کے اپنے اُمور کی طرف عملی رجوع کریں۔ جہاں دوسری قوموں پر غالب آنے اور اللہ کی مدد کا ذکر ہے وہاں سوائے جہاد کے اور کون سا موقع پیشِ نظر ہو سکتا ہے۔ جہاد فرض عین ہے اور کرۂ ارضی کے تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ دوسری طرف چونکہ جنگ اجتماعی فعل ہے اس لئے یہ اجتماعی اداروں یعنی حکومتوں کی ذمہ داریوں اور فرائض میں شامل ہے۔ اس لئے جہاد سے متعلق مشورے مسلمان حکومتوں پر فرض ہیں اور اگر وہ جہاد سے متعلق اُمور پر مشاورت سے پہلوتہی یا کوتاہی برتتے ہیں تو یہ کار پردازانِ مملکت انفرادی طور پر اللہ کے سامنے جوابدہ ہونگے اور اجتماعی طور پر انکی قوم یا ملک اس دنیا میں ذلیل و خوار ہونگے۔ اب پھر ایک بار اس حکم کے الفاظ ملاحظہ ہوں تو معلوم ہو گا کہ بین الاقوامی سطح پر اتحادِ اسلامی پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے :۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا

سب مل کر (دنیائے جہاں کے مسلمان)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو

وَلَا تَفَرَّقُوْا — اور پھوٹ نہ جاؤ۔

۱۰۳:۳

اس طرح کی بین ملکی اسلامی تنظیم اور اسلامی متحدہ کمان کی ذمہ داریوں میں ایک اور کام بھی ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا — اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ (ملک) آپس میں لڑ پڑیں

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا — تو اُن میں صلح کرا دو

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى — پھر اگر ایک دوسرے پر چڑھائی کر دے

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ — تو سب (مل کر) جنگ کرو اس چڑھائی (حملہ) کرنے والے پر

حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ — حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی تعمیل شروع کر دے

فَاِنْ فَآءَتْ — پھر اگر وہ باز آجائے (جنگ بند کر دے)

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ — تو عدل کے ساتھ صلح کرا دو

وَاَقْسِطُوْا — اور انصاف کرو

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ — اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۹ : ۴۹

اس آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ جس طرح چھوٹے یا بڑے گروہوں کے متعلق ہے اسی طرح مختلف سیاسی وحدتوں یعنی ملکوں کے متعلق بھی ہے مزید برآں

اس سے چند باتیں مترشح ہوتیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالے مسلمانوں کے مختلف سیاسی وحدتوں میں بٹنے کو غیر اسلامی یا غلط فعل نہیں سمجھتے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کی کسی ایسی تنظیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے یہ ممکن ہو سکے کہ دنیائے اسلام میں افتراق ڈالنے والے ملک یا ممالک کے خلاف مسلمانوں کی کوئی بین الاقوامی عدالت جھگڑے چکائے اور اُس سے بھی کام نہ چلے تو اسلامی اقوام متحدہ کی مجلس عاملہ متحدہ جنگی اقدام کا فیصلہ دے سکے۔ اور یہ جنگی اقدام فتنہ فرو ہونے تک جاری رہے مگر اس کے بعد انصاف اور عدل سے کام لیا جائے۔ اگر مسلمان بین الاقوامی سطح پر مشاورت نہ کریں گے تو اس طرح کی اسلامی اقوام متحدہ کا وجود ناممکن ہو جائے گا۔ اگر اب تک مسلمان ممالک نے اس طرف توجہ نہیں دی تو یہ اُن کی غلطی ہے بلکہ گناہِ عظیم ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ گناہ و عصیاں کی زندگی دوامی بنا دیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی تنظیم کے قیام کی کوششیں شروع کر دی جائیں ورنہ مسلمان جہاد جیسے اہم اور زندگی بخش فرض سے ہرگز سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔

اُمور خارجہ کو سیاسی سطح پر بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اور ساتھ ہی مملکت کی خارجہ پالیسی ملک کی جنگوں پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے مسلمانوں کو صرف ان ممالک اور قوموں کے ساتھ جہاد کا حکم ہے جو بنی نوعِ انسان پر مظالم کے مجرم ہوں۔ جو ملک اپنی حدود کے اندر عدل و انصاف قائم رکھتے ہیں اور اپنی سرحدوں کے پار دوسرے ممالک کے ساتھ صلح و امن کے ساتھ رہتے ہوں ان کے خلاف جہاد کا اعلان اصول و آئین اسلام کے خلاف ہوگا۔ ایسی قوموں کے ساتھ مسلمانوں کو دوستی کے معاہدے کرنے کی ترغیب دی گئی

ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ارد گرد کے قبائل کے ساتھ دوستی اور امن کے تعلقات استوار رکھے اور ہمیشہ ان عہد ناموں کی شرائط پر قائم رہے۔

جس دین میں غیر مسلموں کے ساتھ بے وجہ جنگ کی ممانعت ہو اس دین میں اپنے ہی دین کے نام لیواؤں کے ساتھ جنگ کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ ملک کسی دوسرے مسلمان ملک پر حملہ نہ کر چکا ہو۔ اور سمجھوتے کی کوششوں کو ناکام بنا چکا ہو یا متحدہ اسلامی وفاق کی عاملہ کے فیصلے کو رد کر چکا ہو[1]۔ جیسا کہ پہلے ہم دیکھ چکے ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے تو مسلمانوں کو ایک ہی قوم و ملت بتایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً — اور تحقیق یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے

۲۱ : ۹۲

ہم کس قدر کوتاہ نظر واقع ہوئے ہیں۔ انسانی قومیت کا اساس آج سے چودہ سو سال قبل خالق و مالکِ انسان نے نظریات اور نظریۂ حیات بنایا تھا جب تک ہم اس نظریئے کو اپناتے رہے۔ ہم دنیا میں غالب بن کر رہے۔ جوں ہی ہم نے مغرب کے عطا کردہ جغرافیائی قومیت کو قبول کیا، ہمارا تنزل شروع ہو گیا۔

خیال رہے کہ اسلامی دور میں اندرونی خلفشار کے باوجود اساسِ ملت دینِ اسلام پر ہوا کرتا تھا۔ اور مرکزِ ملت ان مقامات پر ہوا کرتے تھے جن کے قلمرو اس دور میں زیادہ طاقتور ہوتے تھے۔ جب بغداد مرکزِ ملت قرار پایا تو مسلمان مفکر، عالم فیلسوف اور دیگر باہنر و باکمال افراد نے بلاتمیز رنگ و خون بغداد کا رخ کیا اور

---

[1] تفصیل صفحہ (۳۱۲) پر ملاحظہ کیجئے۔

وہاں یکساں سی قبولیت لے اُن کا خیر مقدم کیا۔ جب قرطبہ نے یہی حیثیت اختیار کی، تو اصحاب فکرو فن نے اسی جانب کا رُخ کیا۔ علیٰ ہذا القیاس دمشق، قیروان، قسطنطنیہ، بخارا، غزنی اور دلی نے اپنے اپنے دور میں یہ امتیازی مقام حاصل کیا مگر وہاں ہندی و چینی، ترک و افغان اور عربی و ایرانی ہونے کی بنا پر کسی کے لئے داخلہ ممنوع قرار نہ پایا۔ آج جب ہم اپنے تمدن، اپنی تہذیب اور اپنے فکر کو خیر باد کہہ کر مغربی افکار کا شکار ہو چکے ہیں اور اقتصادیات وسیاسیات تک کے اصول مغرب سے مستعار لے رہے ہیں تو مسلمان کے لئے ایک ملک کی سرحد کو عبور کر کے دوسرے ملک میں داخل ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ یعنی ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی مسلمان نہیں بن سکتے۔ عجیب ترین بات یہ ہے کہ جب ہم نے ذہنی شکست تسلیم کر لی ہے اور ہم نظریاتی اساس پر قومیت کی تشکیل کو غیر ضروری قرار دے چکے ہیں تو مغرب کے مفکروں نے اشتمالیت اور اشتراکیت کے پیازی پردے میں سے جھانک کر جغرافیائی قومیت کو دقیانوسی قرار دے دیا ہے اور انسانی عالمی برادری کے امکانات کو نظریاتی قومیت کی بنا پر ممکن بتانا شروع کر دیا ہے۔ مگر ہم اب بھی حقیقت کو اپنے دامن میں چھپائے بیٹھے ہیں دوسروں پر اس حقیقت کو واضح کرنا تو بڑی بات تھی خود اس پر عمل کرنے کی جانب توجہ ہی نہیں کر سکے۔

ایک لمحہ کے لئے دنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالئے۔ دنیائے اسلام تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اسلامی دنیا تین براعظموں میں پھیلی ہوئی ہے بلکہ ارضی تزویرات کے لحاظ سے اسلامی دنیا کا مقام مرکزی مقام ہے۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ کی بین براعظمی تجارت اور بری، بحری اور فضائی مواصلاتی خطوط عین اسلامی دنیا کے

وسط سے ہو کر گزرتے ہیں۔ یہ بے وجہ نہیں کہ یورپ اور امریکہ نے باہمی سمجھوتہ کے بعد اسرائیل کی حدود اس طرح قائم کی ہیں کہ اسلامی دنیا کا بری رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ اگر اسرائیل کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد درمیان میں نہ ہو اور دنیائے اسلام میں اتحاد قائم ہو تو یورپ اور امریکہ ایشیا کے اکثر ممالک پر بیجا جماعتی کارروائی کرنے کے ناقابل بن جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں ایک طرف مغربی ممالک ہیں جو جمہوری طاقتوں کے نام سے موسوم ہیں اور دوسری طرف اشتمالی، اشتراکی طاقتیں ہیں۔ ان دونوں قوتوں کے درمیان اگر امن عالم کی ضامن کوئی طاقت ہو سکتی ہے تو وہ اسلامی دنیا کا وفاق ہے حیف صد حیف! کہ ابھی تک کرۂ ارضی کی آبادی کے پانچویں حصّے کو اپنے صحیح مقام کا احساس تک نہیں ہوا۔ اشتمالی اور جمہوری طاقتیں تینوں براعظموں کے چھوٹے اور ترقی پذیر ممالک کو اپنی اپنی جانب کھینچنے میں مصروف ہیں۔ اسلامی ممالک کبھی ایک جانب جھکتے ہیں اور کبھی دوسری جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر انہیں کسی بات کا احساس نہیں ہوتا تو اس بات کا کہ مسلمان بجائے خود ایک دنیا ہیں بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں اور جب وہ مسلمان ہو جائیں گے تو پھر اُن میں اعتماد بھی ہو جائے گا۔ ان کا ایک وفاق بھی ترتیب پا لے گا اور وہ ایک علیٰحدہ طاقت تصوّر ہوں گے جس کی دنیا میں قدر ہو گی اور جس کے فیصلے دنیا کی اقوام قدر و منزلت سے سنیں گی اور پھر مسلمان یہ کہہ سکیں گے کہ وہ ایک آزاد قوم ہیں اور "شہداء علی الناس" کے لقب کے حقدار ہیں۔

جہاد اور تائیدِ ایزدی

جہاد وہ جنگ ہے جو اللہ کی راہ میں لڑی جاتی ہے۔ حالانکہ مسلمان اپنے دفاع و تحفظ، اپنی آزادی و استقلال اور اپنی عزت و حرمت کی خاطر جنگ کرتا ہے مگر یہ جنگ اللہ کی راہ میں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے حکم سے ہوتی ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق دنیا میں عدل و انصاف کے قیام کے لئے لڑی جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالےٰ مسلمانوں کو ہر طرح کی مدد کا وعدہ کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ	اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اور مدد کا طریقہ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ:۔

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ	اور تمہارے پاؤں جما دے گا

۴۷ : ۴

چونکہ مسلمان میدانِ جنگ میں اپنے یا قومی و ملکی مفاد کے لئے نہیں آیا ہوتا اور وہ سود و زیاں کے مخمصے سے آزاد ہوتا ہے اور اس کی نگاہیں

موت وزیست ہم پلہ ہوتی ہیں بلکہ بعض حالات میں تو وہ جہاد کی موت یعنی شہادت کو زیادہ عزیز کہتے ہوئے فرشتۂ اجل کو لبیک کہنا چاہتا ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ اس سے دُور بھاگتا ہے۔ مجاہد کے شوقِ شہادت کو دیکھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مجاہد کے نعرۂ تکبیر کی صدا سے خود فرشتہ اجل کے پَر جلنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اللہ اپنے مجاہد کے پاؤں کو اس مضبوطی سے جما دیتا ہے تو پھر کون ہے جو اُسے میدانِ جنگ سے ہلا سکے۔ خود قرآن بھی یہی کہتا ہے :-

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ	اگر اللہ تمہاری مدد کرے
فَلَا غَالِبَ لَكُمْ	تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا

۳ : ۱۶۰

اور اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو وہ دن یاد دلاتے ہیں جب تائیدِ ایزدی کے ذریعہ مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی تھی :-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ	بدر میں اللہ اس وقت تمہاری مدد کر چکا ہے
وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ	جبکہ تم بہت کمزور تھے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ	سو اللہ سے ڈرتے رہو
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	شاید تم احسان مند ہو جاؤ

۳ : ۱۲۳

اس لئے سوائے اللہ کی مدد کے اور کوئی مدد کارگر نہیں ہو سکتی۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ○ — اور اللہ کی مدد کے سوا کوئی مدد نہیں (اللہ) جو طاقت اور حکمت والا ہے۔

۳ : ۱۲۶

اللہ کی مدد ہی عین موقع پر پہنچ سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہی عالم الغیب ہے اور وہی جان سکتا ہے کہ کب اس کے بندوں کو اس کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے بھی واقف ہے اور ان کے سینوں کے راز جانتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَائِکُمْ — اور اللہ تمہارے دشمنوں کو (اچھی طرح) جانتا ہے

وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا — اور اللہ بطور دوست کے کافی ہے

وَکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا — اور اللہ ہی بطور مددگار کے کافی ہے

۴ : ۴۵

اللہ تعالےٰ مسلمانوں کے ان دشمنوں کو بھی جانتا تھا جو بدر کے دن اس کے تکمیل کردہ دین کے مٹھی بھر افراد کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے اور اُسے قدرت حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کو آئندہ بھی اپنے علم میں رکھے۔ اور انہیں مناسب سزا دے۔

صرف بدر پر ہی کیا منحصر ہے جب تک عالم انسانی اپنی معراج کو نہیں پہنچتا اور صحیح معنوں میں "کامل دین" کی کما حقہٗ پیروی نہیں کرتا اُس وقت تک خیر کے مقابلے میں شر کا وجود قائم رہے گا اور خیر کے چاہنے والوں کو اپنی

عبودیت اور وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کے مواقع میسر آتے رہیں گے اور ہر ایسے موقع پر اللہ اپنے نام کی شہادت دینے والوں کی مدد کرتا رہے گا۔ اسی چودھویں صدی کا ذکر ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان کی سرحدوں کو عبور کر کے باطل کی پرستش کرنے والے نہایت ہی زبردست اور طاقتور دشمن نے اس نوزائیدہ مگر اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے نام پر قائم کی ہوئی مملکت کا وجود ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ اس دشمن کی افواج کا تناسب مسلمان فوج سے کہیں زیادہ تھا۔ ہم نے مانا کہ ہم ابھی اپنے ایمان پر عمل کرنے کے معاملے میں اتنے محکم نہ سہی جتنا کہ ہمارے قلب چاہتے ہیں۔ یہ بھی درست کہ ہم میں سے ایسے بھی ہیں جو ایمان وایقان کی برتری کی بجائے مادی وسائل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور شاید یہ بھی ہمیں باور کرنا پڑے کہ ہم میں سے بعض کے نزدیک باطل کے پیش کردہ اصول اور نظریۂ حیات اسلام کی نسبت زیادہ دلکش ہیں مگر کون نہیں جانتا کہ اس عجوبۂ روزگار مملکت کا سوادِ اعظم اللہ کے رسولؐ اور اس کے لائے ہوئے پیغام پر دل وجان سے فدا ہے اور ہمارے ظاہرا جاہل اور (بزعم خود پڑھے لکھے افراد کی نظروں میں) اسلام سے نابلد عوام الناس اسلام کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ صد شکر کہ اس رزمِ حق وباطل میں لڑنے والی ہماری افواج ان ہی عوام الناس کے افراد پر مشتمل تھیں اور انہوں نے صبر واستقلال سے اللہ کے نام پر اپنی جانوں کی قربانی پیش کی۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ پاکستان کے سادہ لوح مسلمانوں کی یہ ادا اللہ تبارک وتعالےٰ کو اتنی پسند آئی کہ اس نے ان کی اس طرح مدد کی جس طرح

بدر کے مجاہدین کی مدد کی تھی جن کا سپہ سالار خود کملی والا تھا۔

خدا مسلمانوں کو بار بار یاد دلاتا ہے کہ اُن کا صحیح دوست اور مدد گار صرف وہی ہے اور پھر اس کا رسول۔ باقی سب ہیچ ہیں اور ناقابلِ اعتماد۔ ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ — تمہارا دوست اللہ اور اس کا رسول ہے

۵ : ۵۵

جس کا دوست اور مدد گار اللہ ہو وہ جب اپنے دوست کے حکم کے مطابق میدانِ جنگ کا رُخ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا دوست اُس کی مدد کو نہ پہنچے اور کامیابی و کامرانی اس کا منہ نہ چومے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ مسلمانوں کے قدم جمائے رکھتا ہے۔ وہ اللہ جس سے بہتر مدد گار کا وجود کائنات میں نہیں۔

بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ — بلکہ اللہ تمہارا مدد گار ہے

وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ — اور اس سے بہتر کوئی مدد گار نہیں

۳ : ۱۵۰

کون سا مسلمان ہے جو یہ کہے کہ اللہ کی مدد اس کے لئے کافی نہیں۔ اللہ خود کہتا ہے:۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ — کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں

۳۹ : ۳۶

اس کے باوجود جب مسلمان اپنی طاقت پر گھمنڈ کرنے لگے تو تلخ تجربے کے بعد انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کی طاقت لاحاصل ہے۔ اوائل اسلام میں ہی

نہیں بلکہ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے کہ جب کبھی مسلمانوں نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اپنی کمزوری کے باوجود اللہ نے انہیں کامیابی سے نوازا مگر جب کبھی انہیں اپنی طاقت کا زعم ہوا تو ان کی سرزنش کی گئی اور بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ مادی طاقت بے معنی اور لاحاصل ہوتی ہے اور تعداد بے اثر۔ جو شے میدانِ جنگ میں فتح بخشتی ہے وہ مجاہدوں کا جذبۂ ایمانی ہے جسے اللہ پائے ثبات سے اور بھی مضبوط کر دیتا ہے۔ طاقت اور تعداد کے غرور سے اللہ نے نہایت سختی سے منع کیا ہے:۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ	اللہ نے تمہیں کئی مقامات پر کامیابی بخشی
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ	اور حنین کے دن
إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	جب تم اپنی کثرت پر اترائے
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا	تو کوئی شے تمہارے کام نہ آئی
وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ	اور دنیا اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی
ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ	اور تم پیٹھ پھیر گئے۔

۹ : ۲۵

یہ تو واقعہ تھا بہترین دورِ انسانیت کا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یومِ حنین کی طرح جب بھی مسلمانوں نے اپنی طاقت کو فتح کا وسیلہ سمجھا تو انہیں ندامت اٹھانی پڑی مگر جب مسلمان توبہ کر لیتے ہیں اور پھر اپنے اللہ سے فتح و نصرت کے طالب ہو جاتے ہیں تو انہیں اپنی حکمت و قدرت سے مدد بھیجتا ہے۔ ایسی مدد جسے وہ دیکھ بھی نہیں سکتے مگر جو انہیں فاتح و کامراں بنا کر میدانِ جنگ سے لوٹاتی

ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔

ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلٰى رَسُولِهٖ	پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں
وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ	کو تسکین بخشی
وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا	اور وہ فوجیں اُتار دیں جو تم نے نہ دیکھیں
وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا	اور کافروں کو عذاب دیا
۹ : ۲۶	

امداد غیبی کی نوعیت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ قرآنِ حکیم کے الفاظ ہیں:۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ	اور تمہارے رب کے لشکروں کو سوائے
۷۴ : ۳۱	اس کے کوئی نہیں جانتا

یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ مسلمانوں کے دل بڑھانے کے لئے اِس امدادِ غیبی کی صورت انہیں دکھادے۔ اللہ کی قدرت اور اس کی مشیت کو وہی جانتا ہے۔ انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اپنی محدود عقل سے اللہ کی محدود قدرت و قوت کا اندازہ کر سکے۔ اس طرح کی غیبی امداد کے ظاہر ہونے کے متعلق ارشاد ہے:۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ	اور جب ایمان والوں نے فوجوں کو دیکھا
قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ	تو وہ بولے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور
	اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا
وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ	اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا
وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَّتَسْلِيمًا	(اس سے) ان کے ایمان اور ان کی
۳۳ : ۲۲	اطاعت میں مزید اضافہ ہوا

کون کہہ سکتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ جب مسلمانوں کے پائے ثبات کو میدانِ جنگ میں تقویت بخشتا ہے اور امدادِ غیبی سے نوازتا ہے تو اُن کے ایمان میں کس قدر اضافہ ہوجاتا ہے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد پاکستانی فوج کے ایک دلیر میجر نے لاہور کے ایک عام جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ شاید اس جنگ سے قبل اس کا اللہ پر ایمان محکم نہ تھا اور اس جنگ کے مشاہدات کے بعد ہی معلوم ہوا ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے سے کیا مراد ہوتا ہے اور پھر کہا کہ اب انہیں اتنا سکونِ قلب میسر آچکا ہے کہ جنگ سے قبل اس کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔

دوسری طرف اللہ کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیتا ہے اور ان کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں: تائیدِ ایزدی کا ایک پہلو یہ بھی ہے اور اس سے دوررس نتائج ظہور میں آتے دیکھے گئے ہیں۔

سَنُلْقِی فِی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ — ہم منکروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیتے ہیں۔

۳ : ۱۵۱

اور یہ ہیبت انہیں میدانِ جنگ سے فرار پر مجبور کرتی ہے ایک اور جگہ ارشاد ہے:-

وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوا بِغَیْظِہِمْ — اور اللہ نے کافروں کو غصہ بھری ہوئی حالت میں اُلٹا پھیر دیا

لَمْ یَنَالُوا خَیْرًا — اور انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا

اس سے بہتر جنگ کا بیمہ کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ مسلمانوں کی جنگ خود اپنے

ذمہ لے لے۔ فرماتا ہے:۔

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ	اور اللہ نے مسلمانوں کی جنگ اپنے ذمہ لے لی
وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا	اور اللہ طاقت ور اور زبردست ہے

۳۳ : ۲۵

جہاد میں شامل ہونے والی فوج کی جنگ جب اللہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو ان کی ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کی محنت رائیگاں نہیں جا سکتی کیونکہ یہ اللہ کی راہ میں ہوتی ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں
فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ	اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں کرتا

۴۷ : ۴

اُن کی قوم اور اُن کی اولاد بلکہ وہ نسلاً بعد نسل آزادی واستقلال اور خود مختاری کی فضا میں سانس لینے کے قابل ہو جاتے ہیں اور اللہ کے احکام کے مطابق بنی نوع انسان میں عدل وانصاف قائم کر کے دوسروں کے لئے بھی آرام وسکون کا باعث بنتے ہیں اور اپنے لئے بھی ثوابِ دارین حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالےٰ مسلمانوں کو ہمت دلاتے ہیں اور کہتے ہیں:۔

وَلَا تَهِنُوْا	اور ہمت نہ ہارو
وَلَا تَحْزَنُوْا	اور فکر نہ کرو
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ	تم ہی غالب رہو گے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥	اگر تم مسلمان بن کر رہے

۳ : ۱۳۹

ختمِ کلام

بحمد اللہ ہم جہاد سے متعلق اکثر آیاتِ قرآن کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ جہاد میں شرکت کرنا انفرادی اور اجتماعی فرض سے سبکدوش ہونے کے علاوہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ یہ وہ سنتِ نبوی ہے جس کے نتیجے میں دنیا کی کمزور ترین قوم مشرق و مغرب کی متمدن اور آباد دنیا پر چند سال کے قلیل عرصہ میں چھا گئی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق مدینہ منورہ کی غیر معروف بستی جب مملکتِ اسلامیہ اور رسول مقبول کا صدر مقام قرار پائی تو پھر اس کی مملکت نے ۲۷۴ مربع میل یومیہ کے حساب سے وسعت حاصل کرنا شروع کر دی اور دس سال کے اندر اس کا رقبہ پورے یورپ (اگر روس شامل نہ کیا جائے) کے برابر ہو گیا۔[1]

جہاد کا مفہوم سمجھنا از حد ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کو پوری طرح سمجھ ہونی چاہیے کہ جہاد کب فرض ہو جاتا ہے اور جب جہاد فرض ہو جائے تو افراد اور جماعتوں یعنی مسلمان ممالک اور ان کے باشندوں پر اس فرض سے سبکدوش

---

[1] محمد حمید اللہ۔ رسول اللہ کے میدانِ جنگ (انگریزی) ووکنگ۔ انگلستان۔ ۱۹۵۳ء ص ۵۰

ہونے کا کون سا بہترین طریقہ ہوگا۔ جہاد وہ جنگ ہے جو اللہ کی راہ میں لڑی جائے۔ اس جنگ کا اعلان، اس کے ہر ہر لمحہ میں مسلمانوں کا عمل اور اس کے ختم ہونے کا طور طریقہ اور متارکۂ جنگ کے اعلان کے بعد کے بین قومی مسائل کو سلجھانا غرضیکہ شروع سے آخر تک ہر بات اور ہر کام کو اللہ کے احکام کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ عام جنگ تو ہوسکتی ہے۔ اس پر جہاد کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ دنیا صلیبی جنگوں کو دینی جنگوں میں شمار کرتی ہیں ہمیں اس سے اختلاف ہے۔ صلیبی جنگوں کا آغاز عیسائی دنیا کی طرف سے ہوا تھا اور انہوں نے تلوار دین عیسیٰ کے نام پر اٹھائی تھی مگر ہمیں بصد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ عیسائی لشکروں میں جو بے حرمتی قوانینِ دین عیسیٰ کی ہوئی تھی وہ اور کسی جگہ نہ ہوئی تھی۔ ان لشکروں کے افراد اپنے آپ کو عیسائی کہنے میں حق بجانب نہ تھے۔ ان نام نہاد دینی جنگوں کا مقصد گبن کے الفاظ میں یہ تھا" انہیں امید تھی کہ ترک امیروں سے ہاتھ آئی ہوئی لوٹ کھسوٹ ہر ایک شریک لشکری کو امیر بنادے گی غیروں کی بیویوں کی خواہش اور یونان کی دوشیزاؤں کی تمنا صلیب کے ان علمبرداروں کے قلب سے اتنی ہی قریب تھی جتنا کہ اُن کی زبانوں سے دور تھی"[۱] ۔ ایسی جنگ کو ہرگز دینی جنگ کا مقام نہیں دیا جاسکتا۔

اگر کسی موقع پر اسلامی عساکر جہاد کے دوران احکامِ قرانی سے روگردانی کریں تو گنہگار ہونے کے علاوہ وہ اپنے جہاد کو معمولی جنگ میں تبدیل کردینگے خیال رہے کہ جہاد یعنی اللہ کی راہ میں جنگ اس دین کا باعزت فریضہ ہے جس

---

[۱] ایڈورڈ گبن ۔ رومی سلطنت کا زوال اور تباہی ص ۔ ۲۷۲

میں کافر کو قتل کرنا تو کجا اُسے بجبر مسلمان بھی نہیں بنایا جا سکتا۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ — دین میں کسی طرح کی سختی جائز نہیں

۲ : ۲۵۶

جب دین میں سختی یعنی جسمانی، معاشرتی اور اقتصادی دباؤ کی اجازت تک نہیں تو پھر کفار کو مسلمان کرنے کے لئے جنگ کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔ دوسروں کی ناجائز جان لینے کے متعلق تو ارشاد ہے:۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ — اس جان کو نہ مارو

حَرَّمَ اللّٰہُ — جس کو مارنا اللہ نے منع کیا ہے

اِلَّا بِالْحَقِّ — سوائے حق و انصاف کے تحت

۶ : ۱۵۶

مگر دوسری طرف جب عدل و انصاف کا تقاضا ہو اور جب معصوموں بے گناہوں، یتیموں اور بے نواؤں کو ظالموں کے ظلم و ستم سے نجات دلانی ہو تو پھر نہ صرف یہ کہ ظالموں کی لاتعداد جانیں جہاد کے ذریعے لینے کا حکم ہے بلکہ اللہ کے نام پر انصاف قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو آخری جان کے آخری قطرۂ خون تک قربان کر دینے کا حکم ہے:۔

وَ قَاتِلُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ — اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو

مگر خیال رکھنا کہ یہ جنگ جوع ارض اور دولت کی طمع یا نام و نمود کے لئے نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑی جا سکتی ہے کہیں بھول کر بھی اپنی خواہشات کی جنگ کو جہاد کا نام نہ دے بیٹھنا۔ خالقِ کائنات سب کچھ

جانتا ہے:۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ　　اور جان لو کہ اللہ سنتا ہے جانتا ہے

۲ : ۲۴۴

ہم جہاد فرض ہونے کے مواقع یا وہ حالات جن میں جہاد مسلمانانِ عالم پر فرض ہے ان کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک بار پھر یہ اشارہ کافی ہوگا کہ جہاد دنیائے اسلام کے ہر بالغ پر فرض ہوتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا　　اے ایمان والو
خُذُوا حِذْرَكُمْ　　اپنی خبرداری کرو

۴ : ۷۱

کے خطاب میں تمام مسلمان عالم شامل ہوتے ہیں۔

دوسری بات جس میں کلیّت کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ مسلمانوں کی دولت اور اسباب دنیا ہے۔ جس طرح مسلمانانِ جہاں کو اپنی تمام جانوں کو شہادت کے لئے پیش کرنے کا حکم ہے اسی طرح مال و اسباب کی کلیّت پر جہاد فرض ہوتا ہے۔

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا　　اگر تم کوچ نہ کرو گے تو تم پر بہت بڑا عذاب ڈالا جائے گا

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ　　اور تمہاری جگہ تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو دی جائے گی
(اور غلامی سے بڑھ کر عذاب کون سا ہوسکتا ہے)

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا — اور تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

کو عملی طور پر ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب ہم نے جہاد سے بحیثیت ملت منہ موڑا اور جہاد فی سبیل اللہ کو صرف اپنے بادشاہوں کی تنخواہ دار فوج کی ذمہ داری قرار دیا تو پھر ہمیں کفار کی غلامی پر مجبور رہنا پڑا تو ہم یہ بھی تجربہ کر چکے ہیں کہ جب ہم نے،

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ — اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو

پر صدیوں تک عمل نہ کیا تو اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق ہمیں سزا دی۔ وہ روز اوّل سے یہ کہہ چکا تھا کہ جو اپنا مال اور اپنی دولت جہاد کی تیاری پر خرچ نہیں کرتے وہ تباہ ہو جاتے ہیں:۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ — اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

۲ : ۱۹۵

کیا ہماری تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ ہم صرف اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے یعنی اپنے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے۔

کلیّت جنگ کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ جب جہاد شروع ہو جائے تو پھر آخر دم تک لڑا جائے اور جنگ پوری شدت سے کی جائے اور

اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ — وہ کافروں پر بھاری ہیں

کا نقشہ دکھایا جایا اور یوں اللہ کی خوشنودی حاصل کی جائے۔ ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ — اللہ اُن سے محبت کرتا ہے

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ صَفًّا — جو اللہ کی راہ میں صفیں باندھ کر جنگ

کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ — جیسے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں

کرتے ہیں

۶۱ : ۴

کلیت جہاد کے یہ تینوں پہلو ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے ہونے چاہئیں۔ اولاً یہ کہ جہاد پورے عالم اسلامی کے ہر بالغ فرد پر فرض ہے۔ یہ اسلامی ممالک کی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ ایام صلح میں حسب ضرورت منصوبے تیار رکھیں تاکہ اگر دنیا کے کسی کونے میں جہاد فرض ہو جائے تو فتنہ و فساد کے استیصال کے ساتھ ساتھ اللہ کے احکام کے مطابق ہر مسلمان ملک کی افواج اس میں مناسب حصہ لے سکیں دوسرا پہلو مسلمانانِ عالم کی دولت اور ان کی مادی قوت کے استعمال کا ہے۔ جب تک مسلمان اپنی پوری قوت کو یکجا کر کے جہاد کے لئے استعمال کرنے کے قابل نہ ہو جائیں گے وہ حکم قرآنی مَا اسْتَطَعْتُمْ پر عمل نہ کر سکیں گے۔ کلیت جنگ کا تیسرا اہم ترین پہلو یہ ہے جب جہاد میں قدم رکھ لیا جائے اور تلواریں نیاموں سے نکل آئیں تو دنیا کے تمام مسلمان شہادت حاصل کرنے کے لئے تیار رہیں اور آخری مسلمان کے آخری قطرۂ خون کے بہانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔

وَقَاتِلُوْا حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ — اور جب تک فتنہ دور نہ ہو جائے لڑتے رہو

کلی جنگ کی اصطلاح آجکل مغرب میں بہت مستعمل ہے شاید انہیں معلوم نہیں کہ مسلمانوں کے لئے کلی جنگ کوئی نئی بات نہیں۔ جہاد یعنی جنگ فی سبیل اللہ فی نفسہٖ کلیت کی حامل ہے اور اسلامی جنگ کی کلیت کے یہ تین پہلو ایسے ہیں جن کے

بغیر کامیابی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ خیال رہے کہ مسلمان کے لئے کامیابی کے معنی دشمن کی فوجوں کو شکست دینا نہیں بلکہ عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ مسلمانوں کو بار بار کامیابی کی بشارت دیتا ہے

وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا	جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان لانے والوں سے دوستی کرے گا
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ	تو اللہ کی جماعت والے ہی غالب رہیں گے
۵ : ۵۶	

اور

وَاَنَّ اللّٰهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ	اور یقیناً اللہ کافروں کی تدبیروں کو کمزور کرے گا
۸ : ۱۸	

اور یہ بشارت بار بار درست ثابت ہوئی۔ حقیقت میں ظالموں کا حشر ہمیشہ سے یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ اپنے مظالم کے بوجھ کے نیچے دب کر ختم ہو گئے اور ان کی دنیوی طاقت ان کے کسی کام نہ آئی:۔

وَكَاَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً	اور کئی بستیاں تھیں جو طاقت میں بہت زیادہ تھیں

اور شاید اسی طاقت کے گھمنڈ کی وجہ سے انہوں نے بے گناہوں کو ان بستیوں سے نکال دیا۔

مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي اَخْرَجَتْكَ	تمہاری اس بستی سے جس نے تجھے نکال باہر کیا

گذشتہ چند برسوں میں ہمارے ایک پڑوسی ملک نے نہ معلوم کتنے بے گناہوں کو اپنے گھروں سے نکالا اور پھر ظالموں کی رسم کے مطابق اس نے انہیں اس نوزائیدہ مملکت میں بھی آرام وچین نہ لینے دیا اور اس نہایت ہی کم عمر بستی پر حملہ کر دیا مگر اللہ نے اسے ناکام رکھا۔

اَھْلَکْنٰھُمْ	ہم نے اُن کو ختم کر دیا
فَلَا نَاصِرَ لَھُمْ	پھر اُن کا کوئی مددگار نہ تھا

۴۷ : ۱۳

ہمیں البتہ اپنے خالق و مالک اور اپنے رب کا شکر گزار رہنا چاہیئے کہ اللہ نے ہمیں ظالموں سے نجات دلائی جس طرح وہ پہلے بھی مسلمانوں کو نجات دلا چکا تھا:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو
اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ	اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو
اِذْ جَاءَتْکُمْ جُنُوْدٌ	جب تم پر فوجیں چڑھ کر آ گئی تھیں
فَاَرْسَلْنَا رِیْحًا	پھر ہم نے اُن کے خلاف ہوا بھی بھیجی
وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا	اور فوجیں جو تم نہیں دیکھ سکتے تھے

دنیا جانتی ہے کہ وہ ہم سے زیادہ طاقتور تھے۔ ان کی تعداد بھی ہم سے زیادہ تھی وہ تیاری بھی کر کے آئے تھے۔ ان کے منصوبے بھی اُن کے خیال میں بے داغ تھے۔ اُن کے ماہروں نے اور مشیروں نے انہیں کامیابی کا یقین بھی دلایا تھا اللہ تعالےٰ ایسے ہی موقعوں کے متعلق فرماتا ہے:-

كَانُوا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ	وہ اُن کی نسبت طاقت اور دنیوی آثاروں میں زیادہ تھے۔
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ	مگر اللہ نے اُن کے گناہوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا تھا
وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ	اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا

۴۰ : ۲۱

مسلمانانِ عالم اگر جہاد کی تیاریاں مکمل رکھیں۔ اپنی دولت جہاد کے سازوسامان کے لئے فراخدلی سے خرچ کریں اور آخر دم تک جہاد میں لڑیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایریٹریا، ہو یا قبرص، فلسطین ہو یا کشمیر، اردن ہو یا نائیجیریا فتح اُن کو حاصل نہ ہو صرف یہی نہیں کہ وہ کفار کے استبداد اور جور وستم سے پناہ حاصل کرلیں گے بلکہ بنی نوع انسان میں اپنا صحیح کردار یعنی شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کی ذمہ داریاں پوری کرسکیں گے۔

اسلام کے یورپی نکتہ چینیوں کے غلط استدلال سے مرعوب ہوکر مسلمانوں نے جہاد کے فلسفہ سے انکار کرنا شروع کر دیا بلکہ اسے حرام تک قرار دے دیا۔

ہم اس بات کے ہرگز قائل نہیں ہوسکتے کہ جہاد غیر متمدن فعل ہے وہ جنگ جس کا مقصد انسانیت کا مقام بلند کرنا ہو کبھی غیر متمدن نہیں ہوسکتی۔ وہ ادوار یا وہ مقامات جہاں مسلمانوں نے جہاد سے کنارہ کشی اختیار کی ہے وہ ہماری تاریخ کے سیاہ ترین ادوار ہیں اور امن وسلامتی یا سکون چاہنے والے جنہوں نے مردانہ وار

میدانِ جنگ کی جانب کوچ کرنے کو غیر متمدن فعل سمجھا اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کے جگر کے ٹکڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ ان کی عصمتوں کو پامال کیا گیا اور انہیں غلام بنا کر دیس پردیس کے بازاروں میں بیچا گیا۔ یہ محض اس لئے کہ وہ اپنا خون بہانے سے خوف کھاتے تھے "رسول میدانِ جنگ میں" کے مصنف نے لکھا ہے "لیکن امن سلامتی ہی کے لئے اُسے (مسلمان) تلوار کا استعمال کرنا پڑا۔ خونریزی کو محو کرنے کے لئے خونریز فتنہ کا خون بہانا پڑا، کیونکہ خون کے دھبے اشکوں سے نہیں، خون ہی سے دھوئے جا سکتے ہیں، وحشت و بربریت کا انسداد بے کسی اور کمزوری سے نہیں، طاقت اور قوت ہی سے ہو سکتا ہے، توپوں کی گرج کو درماندگی کی چیخوں سے نہیں، شیرانِ خدا کی گرج ہی سے خاموش کیا جا سکتا ہے۔"[۱] اور جب قومیں منظم و منضبط طریقے سے خون بہانے سے کترانا شروع کرتی ہیں تو اُن کے خون کی ندیاں بے قابو ہو کر بہتی ہیں[۲]۔ اور پھر جب اُن کے افراد غلامی کے عادی ہو جاتے ہیں تو اُن کو یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ ہمت و استقلال کے ساتھ ساتھ انہوں نے تمام بلند انسانی خصائل کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اور جب یہ حالت پہنچ جاتی ہے تو وہ ہر روز ایک نیا خدا قبول کرنے سے نہیں شرماتے اور ہر چڑھتے سورج کی پرستش کو حکمت عملی اور روشن خیالی کا نام دیتے ہیں۔

مسلمانانِ عالم سیاسی طور پر آج پہلی بار ہی کمزوری محسوس نہیں کر رہے بلکہ وہ

۱؎ سید واجد رضوی۔ رسول میدان جنگ میں۔ پنجاب بک ڈپو لاہور۔ دوسری بار ۱۹۶۶ء
ص - ۱۸ ۲؎ ملاحظہ ہو ص ۵۵ تا ۶۵

ماضی میں بھی کمزور رہ چکے ہیں۔ اللہ تبارک تعالےٰ انہیں ان ایام کی کمزوری یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے:۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ	اور یاد کرو کہ تم تعداد میں کم تھے
مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ	اور دنیا میں کمزور زندگی بسر کر رہے تھے
تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ	اور ڈرتے پھرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں
فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ	پھر اس نے تمہیں پناہ دی اور اپنی مدد سے طاقت بخشی
وَرَزَقَكُم	اور تمہیں رزق دیا

۸ : ۲۶

اللہ کس بات پر قادر نہیں:۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ	اور اپنے بندوں پر اسی کا حکم غالب ہے
وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً	اور وہی تم پر اپنے نگہبان بھیجتا ہے

۶ : ۶۱

ہم جانتے ہیں کہ جب بھی ہم اس کے حکم کے مطابق اس پر یقین رکھتے ہوئے میدانِ جنگ میں اُتر آئے ہیں اُس نے ہماری پوری پوری حفاظت کی ہے اور

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ	اور اللہ اپنے کام پر پوری طرح حاوی ہے
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ	مگر اکثر لوگ یہ نہیں جانتے

۱۲ : ۲۱

جنگ میں خون کی ندیاں بہتی ہیں، انسانوں کو مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں مگر عدل وانصاف کے قیام کے لئے جو جنگ لڑی جائے اور جس کے آغاز سے انجام تک اللہ کے احکام پر عمل کیا جائے وہ جنگ انسانی معاشرے کو بُرائیوں سے پاک کرتی ہے یوں تو اللہ اگر چاہتا تو جنگ کا وجود ہی ختم کر سکتا تھا:۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوا	اور اگر اللہ چاہتا تو وہ جنگ نہ کرتے۔

۲ : ۲۵۳

مگر وہ جنگ جو اللہ کی راہ میں لڑی جاتی ہے اور جسے جہاد کہتے ہیں وہ نہ فتح وکامرانی کے لئے ہوتی ہے نہ وسعتِ مملکت کے لئے اور نہ ہی دولت کے انبار جمع کرنے کے لئے، جہاد کی غرض وغایت ہی دُکھی انسانوں کی نجات ہے اور اگر اللہ تبارک وتعالےٰ جہاد کا حکم نہ دیتے تو ظالم انسان اس دنیا کے کمزور انسانوں کے لئے اسے دوزخ سے بدتر بنا ڈالتے، ایسے ہی حالات کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے:۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ	اور اللہ (جہاد کے ذریعہ) انسانوں کو ایک
بِبَعْضٍ	دوسرے کے ذریعے دفع نہ کروائے
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضِ	تو دنیا میں مستقل فساد برپا رہے
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْفَضْلٍ عَلَی	مگر اللہ جہاں (کے لوگوں) پر فضل
الْعٰلَمِیْنَ	رکھتا ہے۔

۲ : ۲۵۱

طوائف الملوکی اور لاقانونیت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی لعنت نہیں جہاد

ہی اس لعنت سے انسانوں کو نجات دلا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر جہاد کو فرض کیا ہے تاکہ وہ اپنی جان اور اپنے مال کی قربانی دے کر اللہ کی مخلوق کو مظالم سے بچائیں اور یوں زندگی جاوید سے سرفراز ہوں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۳ : ۱۶۹

اور اللہ کی راہ میں (جنگ کرتے ہوئے) مارے جانے والوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں وہ اپنی روزی اپنے رب کے پاس سے حاصل کرتے ہیں

جو اللہ کی دی ہوئی امانت کو اللہ کی سرزمین میں اللہ کے "قانون کے مطابق عدل و انصاف کے لئے پیش کر دیتے ہیں وہ زندگی جاوید کے صحیح حقدار بن جاتے ہیں۔

زندگی جاوید کا یہ راستہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن حکیم میں نہایت وضاحت سے سمجھا دیا ہے اور امت کے لئے حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نے بطورِ احسن اس کی راہنمائی فرمادی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس فریضہ کو (یعنی جہاد کو) اللہ نے مسلمان قوم کا متاع حیات اور منتہی مقصود قرار دیا ہو اس کی تیاری کا راستہ بھی واضح کر دیا ہوگا۔ اور روزمرہ کی زندگی یعنی ایام امن کے لئے (اور پھر دورانِ جہاد بھی یعنی مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے) ایسے فرائض مقرر کر دیئے ہوں گے جن پر عمل کرنے سے مسلمان اس قابل بن سکے گا۔ کہ وہ اس آخری فریضہ کو بطریق احسن

پورا کر سکے اور یوں دنیا میں اپنے مقصدِ تخلیق یعنی قیام امن و انصاف اور حق و صداقت کو پورا کر سکے۔ ہم ان فرائض کو ملتِ اسلامیہ کی زندگی کے انضباط کا لفظ دینے کی جرأت کریں گے۔ جب مسلمان ملت کا ہر فرد اور ہر معاشرہ ان فرائض شدہ انضباطوں پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کی تربیت کی تکمیل ان خطوط پر ہو جاتی ہے جن پر قائم رہ کر وہ فریضۂ جہاد سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ ان انضباطوں کو اسلام میں ارکانِ دین کہا گیا ہے۔ یعنی اگر یہ نہ ہوں یا ان پر عمل نہ کیا جائے تو ملت اسلامیہ کی ملی زندگی کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ارکانِ دین جنہیں ہم نے اسلام کے انضباط کہنے کی جرأت کی ہے وہ ملت کے ہر فرد اور ملت کی ہر وحدت (ملک یا قوم) کو جہاد کے لئے تربیت دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ملت اسلامیہ گزشتہ چند صدیوں میں جہاد سے گریز کرتی رہی ہے تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمانانِ عالم ارکانِ دین کے انجام دہی سے غافل رہے ہیں اور ان فرائض کو اگر پورا بھی کیا ہے تو رسم کے طور پر۔ چونکہ رسوم زندگی کی روح سے عاری ہوتی ہے اس لئے رسم کے طور پر ادا کئے ہوئے فرائض ملت کے جسم میں زندگی کی روح نہیں پھونک سکتے۔ "شہادت گہ الفت میں قدم" رکھتے وقت جو رکن اوّلیت کا مقام رکھتا ہے اور جس اقرار کے بغیر دائرہ اسلام میں داخلہ نہیں مل سکتا وہ کلمۂ طیبہ ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:۔

لَا اِلٰہَ

کوئی الٰہ نہیں

(کسی طاقت کو مقام الٰہیت حاصل

نہیں۔ مقام الٰہیت سے وہ درجہ اور

وہ مقام مراد ہے جس کی وجہ سے انسان
کسی طاقت کو جذبۂ ستائش سے دیکھے
اس کی محبت میں گرفتار ہو یا اُس سے
خائف رہے)

اِلَّا اللّٰهُ

سوائے اللّٰہ کے
(اگر کسی شے، کسی طاقت یا کسی ہستی
کو مقام الٰہیت حاصل ہے تو وہ اللّٰہ
ہے۔ وہ اللّٰہ جو خالقِ کائنات ہے۔ جو
کائنات کی ہر شے، ہر طاقت اور ہر
ہستی کا خالق و مالک ہے۔ اس لئے
اگر کسی سے خوف زدہ رہنا ہے یا کسی
شے کی محبت میں مبتلا رہنا ہے تو وہ وہی
ہستی ہو سکتی ہے جو باقی تمام ہستیوں کو
پیدا کرنے والی ہے اور ان پر حاوی
ہے اور اُن کو ختم کر سکتی ہے۔)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

محمدؐ اللّٰہ کا رسولؐ ہے
(محمدؐ اللّٰہ کے رسول کی حیثیت سے اس
اس کا پیغام لانے والے ہیں۔ یہ پیغام
دنیا میں رہنے کے لئے ایک مکمل نظام

ہے۔ چونکہ نظامِ حیات کو عملی زندگی سے
تعلق ہے اس لئے جو بات قابل غور
ہے وہ یہ ہے کہ اس پیغام کی عملی
صورت وہی ہو سکتی ہے جو پیغام بر یعنی
اللہ کے رسول کی زندگی سے مترشح ہوتی ہو۔)

بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے اللہ تبارک و تعالےٰ یہ کہنے کے بعد کہ میری نعمتوں کو یاد کرو، فرماتے ہیں:۔

وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْن — اور مجھ ہی سے ڈرو

۲ : ۴۰

جس شے یا جس طاقت سے انسان ڈرتے ہیں اس کی خواہشات کے اشاروں پر وہ چلا کرتے ہیں اور اس کا حکم مانا کرتے ہیں۔ جب انسان صدق دل سے کلمہ طیّبہ کا ورد کرتا ہے تو وہ کائنات کی ہر شے سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ اُسے بھوک پیاس دنیا کے نامساعد حالات، جابر حاکم کے مظالم اور موت غرضیکہ کسی شے کا خوف نہیں نہیں رہتا۔ کلمہ طیّبہ کو پہلا رکن ہی اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد غیر اللہ کا خوف دل سے مٹ جاتا ہے۔ موت بے معنی ہو جاتی ہے۔ غربت و افلاس یا دولت و ثروت یعنی سود و زیاں کی وقعت ختم ہو جاتی ہے اور انسان حق و صداقت سے سرِ مو فرق نہیں کرتا۔ جب اس بنیادی انضباطِ اسلام یعنی کلمہ طیّبہ کے پڑھنے والے اللہ کے حکم کے مطابق حق و انصاف کے قیام، یا غریبوں، بے نواؤں اور یتیموں کی پکار سن کر اور یا پھر اپنے تحفظ کے لئے تلوار بدست ہو کر میدانِ کارزار کا رُخ کرتے

ہیں تو اُن کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ ہم جہاد یعنی جنگ فی سبیل اللہ کے اصولوں پر غور کر چکے ہیں۔ ان اصولوں پر وہی انسان صحیح طور پر عمل کر سکتے ہیں جو کسی دنیوی کشش کی زنجیروں میں نہ جکڑے ہوئے ہوں ورنہ جو مادی زنجیروں اور جالوں کے تانے بانے میں پھنسے ہوئے ہوں وہ ہتھیلی پر جان رکھ کر اللہ کے حضور مُسکراتے ہوئے جانے کی تمنا نہیں کر سکتے۔

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے نماز پر بہت زور دیا ہے۔ مسلمانوں کی تعریف میں کہا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو دنیا میں غلبہ عطا کر دیں
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	اور نیکی کا حکم دیں گے اور بُرائیوں سے منع کریں گے

نماز کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان جب ظالم قوموں سے دنیا کو پاک کر چکتے ہیں تو جو پہلا کام وہ کرتے ہیں وہ نمازوں کا قائم کرنا ہے نماز یعنی صلوٰۃ کا ذکر قرآن حکیم میں تقریباً سو بار آیا ہے۔ نماز کی خوبیاں اور اس سے اخذ شدہ فائدے بیان کرنا کسی ایک انسان اور پھر مجھ جیسے نیم خواندہ سپاہی کے بس کی بات نہیں۔ سپاہیانہ زندگی میں عمر گذار چکنے کی وجہ سے یہ محسوس کرتا ہوں اور سمجھ سکتا ہوں کہ نماز جیسے انضباط کا فرد اور ملت کی زندگی میں کتنا اہم حصہ

ہے۔ البتہ اس احساس کو الفاظ کے صحیح اور مناسب جامہ پہنانے اور دوسروں کو سمجھانے کی کمی محسوس کرتا ہوں۔

نماز کا آغاز صدائے اذان سے ہوتا ہے۔ یہ صدا مسلمان کے کانوں میں ہر روز پانچ بار آتی ہے اور اس کا ایک ایک لفظا سے اپنے خالق و مالک کے قریب آنے میں مدد دیتا ہے۔ اذان کے الفاظ غور طلب ہیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر — اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے (یعنی اس کے مقابلے میں کسی کو بڑائی حاصل نہیں۔ اگر کوئی شئے' کوئی ذات کوئی طاقت بزرگ کہلا سکتی ہے تو وہ ذات خداوندی ہے۔ اللہ کی بزرگی کا باواز بلند اعتراف اپنے اندر یہ معنی مضمر رکھتا ہے کہ ایک طرح سے تمام عالم کو مخاطب کر کے اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم اللہ کی بزرگی و برتری کا اعلان کرتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کو مطلع کیا جا رہا ہے کہ کائنات کی بزرگ ترین ہستی کے سامنے سربسجود ہونے کا وقت آگیا ہے۔ فریضۂ نمازِ صبح کی اذان اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ دنیوی کام جو بجائے خود ایک عبادت ہیں ان کو شروع کرنے سے پہلے بارگاہ رب العلمین میں بصد عجز و نیاز اس بات کے لئے دعا کرو کہ وہ آج کے دن ہم سب کو نیکی کی توفیق دے اور ہمارے نیک کاموں میں برکت دے تاکہ ہم دنیا کی پیداوار میں آج کے دن اضافہ کر کے ملک و ملت کی دولت میں اضافہ کریں اور یوں مملکت و ملت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی کے قابل بنائیں' اس لئے کہ جہاد کے لئے وسائل دنیوی بھی ہوتے ہیں اور وہ انسانوں کے دست بازو کے پیدا کردہ رزقِ حلال سے

مہیا ہوتے ہیں اور صبح کی اذان میں جب اللہ کی بزرگی و برتری کا اعلان ہوتا ہے تو جہاد کی تمنا کرنے والے قلب و ذہن میں اللہ کے کلام کے یہ الفاظ گونج جاتے ہیں :-

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا — اور جو لوگ ایمان لے آئے (جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور اس کے سامنے مقررہ اوقات پر سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ جو اس سے خوف کھاتے ہیں۔ اسی کی محبت کو لائق اعتنا سمجھتے ہیں اور اسی کے احکام بجالاتے ہیں)

وَهَاجَرُوۡا — اور انہوں نے ہجرت کی (جب اللہ کی اس سرزمین میں جسے وہ اپنا وطن کہتے تھے وہ اللہ کے احکام کے متعلق نیک و پاک اور عدل و انصاف کی زندگی بسر نہ کر سکے تو انہوں نے اس سرزمین کو ترک کر دیا اور اللہ کی وسیع دنیا میں نیا مسکن ڈھونڈ لیا۔ وطن چھوڑنے کے ساتھ انہوں نے وہ تمام یادیں اور محبت بھرے واقعات کو بھی

تج دیا جو وطن کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں)

وَجَاهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ — اور اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ — اللہ کی راہ میں

وہی صحیح مسلمان ہیں

صبح کی اذان کی صدائے اللہ اکبر سے مسلمان کا ذہن اللہ تبارک وتعالےٰ کے کلام پاک کے ان الفاظ کی طرف جاتا ہے جو سحر کے وقت حملہ کرنے والے مجاہدوں کے متعلق ہیں جن میں رب العزت سحر حملہ کرنے والے مجاہدوں کی قسم کھاتے ہیں:۔

فَالْمُغِیْرَاتِ صُبْحًا — اور قسم ہے ان کی جو علی الصبح حملہ کرتے ہیں

اور حملے کے دوران نعرۂ تکبیر کی صدا بلند کرتے ہیں۔

آزاد کشمیر میں ٹیٹوال کے علاقہ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام چیخ ہے ۱۹۴۸ء میں لفٹنٹ کرنل (بعد میں بریگیڈیر) نوشیرواں خان نے دشمن کی ایک پلٹن پر سحر حملہ کیا اور حملہ کے دوران نعرۂ تکبیر بلند ہوتا رہا۔ دشمن کی یہ پوری پلٹن تباہ کر دی گئی یا قید کر لی گئی۔ دشمن کے قیدیوں کا کہنا ہے کہ جب پاکستانی مجاہد نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے تو پورا پہاڑ کانپ جاتا تھا۔ ہم آج کی سائنسی دنیا کے سامنے معجزنما باتوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتے۔

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ — وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں

اور جنہیں اللہ پر ایمان نہیں ہوتا انہیں ان وسوسوں اور عفریتوں کی پیدا کردہ وہموں کے خوفناک اور دہشت ناک تصورات سے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ شیطان جو کفار کو مسلمانوں کے خلاف بہکاتا رہتا ہے وہ بھی معرکۂ حق و باطل کے وقت ان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے:۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ	اور شیطان جو اُن کے اعمال کی تعریف کیا کرتا تھا
وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ	اور اُس نے کہا تھا آج کے دن انسانوں میں سے تم پر کوئی غالب نہ ہوگا
وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ	اور میں یقیناً تمہارا ساتھی ہوں
فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ	پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں (میدانِ جنگ میں)
نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ	(شیطان) اپنی ایڑیوں پر الٹا پھر ا(بھاگ کھڑا ہوا)
وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ	اور کہا میں تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھاتا
اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ	میں جو کچھ دیکھتا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آتا
اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ	میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں
وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ	اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

۸ : ۴۸

اور جب ساتھی اور خصوصاً وہ ساتھی جس نے قلب و ذہن پر قابو پا رکھا ہو وہ

عین میدانِ جنگ میں ساتھ چھوڑ جائے اور میدانِ جنگ کی تنہائی میں نعرۂ تکبیر کی صدا بلند ہوا ور ارد گرد کے پہاڑوں کی چوٹیاں اس دل دہلانے والے نعرہ کی گونج کو چہار اطراف سے مکبر الصوت کی طرح بڑھاتی ہی جائیں تو پھر ایمان سے عاری قوم کے سپاہیوں کو پہاڑ لرزتا ہوا کیوں نہ معلوم ہوا اور ان کو گمراہ کرنے والے شیطان کی آنکھیں سفید و سبز لبادے پہنے ہوئے فوجوں کے پرے کے پرے کس طرح نہ دیکھ سکیں:

اللہ کی بزرگی و برتری کا اعادہ کر لینے کے بعد موذن اللہ کی الہٰیت کی گواہی دیتا ہے:۔

اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا الہٰیت کا مالک کوئی نہیں۔

یہ گواہی وہی ہے جو مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتے وقت دن میں لاتعداد بار دیتا ہے مگر اذان میں یہ گواہی مزید تائید ہی نہیں بلکہ ایک اعلان کا مقام رکھتی ہے جو چہار دانگ عالم کو مخاطب کر کے دی جاتی ہے اور پھر معًا اس کے بعد:۔

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ — میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں

رسول، فرستادہ، پیغام بر۔ اللہ تبارک و تعالےٰ، خالقِ کائنات، رب العالمین کی طرف سے بنی نوع انسان کے لئے اس زندگی میں اس کائنات کے اندر زندگی گزار لینے کے راستے کے متعلق مکمل رشد و ہدایت لانے والا۔ چونکہ یہ پیغام انسانی ذہن و بدن کے لئے عملی زندگی سے متعلق ہے اس لئے یہ پیغام اسی وقت سمجھا جا سکتا

ہے اور اس پر صرف اسی صورت عمل کیا جا سکتا ہے جب اس پیغام کو لانے والے کی اپنی عملی زندگی کا مطالعہ کیا جائے اور اسے مشعلِ ہدایت کا مقام دیا جائے۔ اگر کائنات میں کوئی معجزہ ہے تو وہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم جو اللہ کا کلام ہے اور جو نازل ہونے سے لے کر قیامت تک کے لئے اور ہر مقام کے لئے بنی نوع انسان کے لئے رشد وہدایت اور قانونِ محکم کا مقام رکھتا ہے اور جو زماں ومقام سے بلند ہے اس پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوبی سے عمل کیا اور اپنی زندگی کو اس کامیابی سے قرآن کے مطابق ڈھالا کہ تا قیامت ہر زماں اور ہر مقام پر آپ کی زندگی ہر مسلمان کے لئے نمونہ بنی رہے گی یعنی اگر حضور فخرِ دو عالم کی زندگی آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے بادیہ نشینوں، مکہ کے متمول قریش، ایران کے متمدن امرا، شام وفلسطین کے باثروت رومیوں اور حبشہ کے پاک طینت حبشیوں کے لئے بیک وقت مشعلِ راہ تھی تو ان چودہ سو سال کے درمیان بھی ہر ملک اور ہر مقام کے طبقہ کے لئے یکساں طور پر نمونہ بنی رہی ہے۔ اگر ایک طرف آپ کے لائے ہوئے دین کے طفیل "محمود وایاز" ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ بھی درست ہے کہ حضور فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت امیر وغریب، شاہ وگدا، آقا وملازم، سپاہی وسیاست داں، منتظم ودہقان غرضیکہ ہر ایک کے لئے منتہیٰ مقصود ہے اور انتہائی کوششوں کے باوجود ان میں سے ہر ایک صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"۔ ہماری نظر میں اللہ کی پیدا کردہ کائنات میں اگر کوئی شے اور کوئی بات سب سے بڑھ کر معجزہ کہلانے کی حقدار ہے تو وہ حضور سرورِ دو عالم کی زندگی ہے اور جب مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے تو ہر مسلمان کے ذہن

کے سامنے آپ کی مثالی زندگی کا خیال آجاتا ہے اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے۔

"قربان جاؤں یا رسول اللہ"

یوں شہادت کے اعلان کے بعد مؤذن مسلمانوں کو مخاطب کرتا ہے

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ — آؤ نماز کی طرف

یہ دعوت صرف فرد ہی کو نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کو دعوت ہے۔ نماز کی طرف جو دعوت دی جارہی ہے وہ ملتِ اسلامیہ کو اجتماعی طور پر بہتری اور بھلائی کی دعوت ہے۔ وہ نماز کی حاضری کے ذریعہ ہی حزب اللہ میں حاضری لگوا سکتے ہیں۔ ہر فوج کی پریڈ کے اوقات مقرر ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس پریڈ اور دورانِ جنگ کے عمل اور طریقِ کار میں بُعد مشرقین ہوا کرتا ہے مگر اس کے باوجود اس پریڈ سے مستقل غیر حاضری فرد کو اس فوج کی صفوں سے خارج کروا سکتی ہے۔ پھر مستقل طور پر نماز سے غیر حاضر رہنے والوں کو حزب اللہ میں شمولیت کی اُمید کرتے رہنا کتنا غلط ہوگا۔ نماز اسلام کا دوسرا مگر اہم ترین انضباط ہے۔ بلکہ خود اُس کے اندر ایک مکمل نظامِ انضباط موجود ہے۔ نماز کے نظامِ انضباط کا آغاز اُسی وقت ہو جاتا ہے۔ جب مؤذن اللہ اکبر کی صدا بلند کرتا ہے۔ اس انضباط میں جو اہم اصول مضمر ہیں ہم انہیں کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

پہلا اصول جو نماز کے ذریعہ مسلمان کے لئے فطرتِ ثانیہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے وہ وقت کی پابندی ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور دنوں کے گھٹنے بڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کے اوقات میں تھوڑی بہت تبدیلی ہوتی رہتی ہے جس سے مسلمان کو آگاہ رہنا پڑتا ہے اور یوں ہمہ وقت ایک نظر گھڑی یا سورج کی جانب رکھنی پڑتی

ہے مسلمان جسے ان انضباطوں کے ذریعہ جہاد کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ اس پر جہاد کے دوران وقت کی پابندی کی اہمیت کو فطرتِ ثانیہ بنایا جا رہا ہے۔ اگر حکم ملتا ہے کہ اس نے اپنی فوجی وحدت کو فلاں مقام پر آٹھ بج کر دس دقیقہ پر پہنچانا ہے تو وہ نہ اس سے قبل اور نہ اس کے بعد وہاں اپنی وحدت کی قیادت کرتے ہوئے پہنچے گا جس طرح نماز نہ وقت سے قبل ادا ہو سکتی ہے اور نہ وقت کے بعد، اسی طرح فوجی احکام بھی عین وقت پر ہی تعمیل ہو سکتے ہیں۔

اذان بلند مقام سے اور بلند آواز میں دی جاتی ہے تاکہ نماز کا وقت ہو جانے کا اعلان تمام متعلقہ مسلمانوں تک پہنچ جائے۔ مجاہد کماندار اپنے احکام کو اس بلند آواز سے کہنے کا عادی ہو جاتا ہے کہ اس کے تمام ماتحت مجاہد جنگ کے شوروغل اور بموں اور گولوں کے پھٹنے کی آواز کے باوجود اس کی رعدوبرق سی آواز کو سن سکیں اور جہاد کو عین اس کی مرضی کے مطابق جاری رکھ سکیں۔

اِدھر ایک اور اہم اصول قابلِ ملاحظہ ہے۔ جوں ہی اذان کی آواز آتی ہے انسان اپنے خالق و مالک اور اس کے ساتھ اپنے تعلق کو اپنے ذہن کے سامنے لے آتا ہے۔ یوں کہئے کہ اذان شروع ہوتے ہوئے مسلمان اللہ اور اس کی کائنات کو اپنے باطن کی آنکھ کے سامنے مرکوز کر لیتا ہے۔ اس وقت اُس کے دل میں اگر اہمیت ہوتی ہے تو خالقِ کائنات کی یا اس کی اپنی جلیل القدر طالبِ شہادت شخصیت کی۔ اسی طرح جہاد کے دوران اور خصوصاً دشمن پر حملہ کرتے وقت مجاہد کو صرف دو ہی ہستیوں کا احساس ہوتا ہے۔ اولاً خداوند ذوالجلال کا اور پھر اسے خود اپنا احساس جو کائنات میں اس لئے اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ وہ خالقِ کائنات کی شہادت دینے کے لئے اپنی عزیز ترین

متاع پیش کر رہا ہوتا ہے یہی احساس طالب شہادت مسلمان کو اس وقت ہوتا ہے جب مؤذن کی زبان سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی ہے۔

اِدھر جب اللہ اکبر کی صدا سُن کر مسلمان کا ذہن ذاتِ باری تعالےٰ کی طرف جاتا ہے تو معاً اسے اپنی طہارت و پاکیزگی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ قلب پاک، جسم پاک لباس پاک، مقام سجدہ و تسبیح پاک اور اس طہارت و پاکیزگی کے بعد باجماعت حضورِ دوست، جب مسلمانوں کی جماعت سربسجدہ ہوتی ہے اور دستِ دعا بلند کر کے

اَنْتَ مولانا فانْصُرْنَا عَلَى القوم الکافِرِیْن	تو ہمارا مالک ہے اس لئے کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما

۲ : ۲۸۶

کی آرزو کرتی ہے تو قادر مطلق انہیں شرکت جہاد کا اور عین دوران رزم حق و باطل صدائے اللہ اکبر بلند کرنے کا موقع بھی عطا فرماتا ہے۔

اس پاکیزگی کا عادی مجاہد جب میدانِ جنگ میں پہنچتا ہے تو اُس کا قلب ریاکاری و فریب سے کلیتاً پاک ہوتا ہے۔ اس کا بدن پاک ہوتا ہے، اس کی وردی پاک اور اُجلی ہوتی ہے اور جب اُس کا خون اس کی ملّت کی سرزمین کی آبیاری کرتا ہے تو اس ریت اور مٹی کا ایک ایک ذرہ جنّت بن جاتا ہے۔

فَاَثَرْنَ بِہٖ جَمْعًا	اور جب وہ دھول اُڑاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں
۱۰۰ : ۴	

ان کے قدموں کی دھول یوں بھی پاک و نظیف ہوتی ہے مگر جب اس دھول میں اُن کے خون اور پسینے کی آمیزش ہو تو اس سرزمین کا چپہ چپہ کیوں نہ

گلستان بن جائے۔ اور یہ پاکی وطہارت اور یہ نظافت مجاہد نماز کے دوران کی پاکیزگی سے حاصل کرتا ہے۔ وہ مجاہد جو جاگتی زندگی کا بیشتر حصہ پاکیزگی وطہارت کے حاصل کرنے میں گزارتا ہے جب وہ مفتوح ممالک کے نظم ونسق کو ہاتھ میں لیتا ہے تو اس کا ہر فعل از خود پاکیزگی وطہارت کا حامل ہوتا ہے۔

نماز باجماعت پر زور دیا گیا ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تنہا نماز سے اُسے ستائیس گنا بہتر بتایا گیا ہے[1]۔ جس دین کے پیروؤں نے دنیا میں امن وانصاف قائم کرنا تھا اور جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذمہ دار تھے اور جنہوں نے ان فرائض کی انجام دہی صف جنگاہ میں شامل رہ کر کرنی تھی۔ ان کی عبادت اور وہ بھی روزانہ پانچ مرتبہ کی عبادت کس طرح جماعت کے بغیر اعلےٰ ترین درجات کی حقدار ہوسکتی تھی۔ قلب وذہن حاضر، ظاہر وباطن پاک وصاف، باجماعت صف بہ صف اور معاشرے یعنی گاؤں، محلے یا شہر کے بہترین فرد کی قیادت اور امامت میں جو قوم آندھی ہو یا بارش، ایام امن ہوں یا میدانِ کارزار اپنے خالق کے حضور میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے عادی ہو، اس کے افراد جب کیل کانٹے سے لیس ہو کر اسی خالق ومالک کی برتری وبزرگی کی شہادت اپنے پاک خون سے دینے کے لئے جاتے ہیں تو وہ آداب جماعت سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں اور حق وباطل کے معرکے کے بعد اگر وہ زندہ رہتے ہیں تو جماعت کی صورت میں، ورنہ انہیں انفرادی اور غلامی کی زندگی منظور نہیں ہوتی۔

---

[1] ترمذی شریف۔ اُردو ح۔ س۔ ص۔ ۴۷

نماز باجماعت کے ذریعہ جو ذہنی وروحانی تسکین حاصل ہوتی ہے اس کے فوائد بیان سے باہر ہیں۔ ملی اعتبار سے نماز باجماعت فرد میں قوت اور طاقت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ یوں بھی اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو تکالیف اور خصوصاً دورانِ جہاد کی تکالیف اور نماز کے ذریعہ طاقت اور مضبوطی حاصل کرنے کا حکم دیتے ہیں:۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ — اور صبر اور نماز کے ذریعہ قوت حاصل کرو

۲ : ۴۵

جنگ کی کامیابی دو عوامل پر مبنی ہوتی ہے۔ اولاً خود مجاہد پر اور دوم اُس کے اسلحہ اور ساز و سامان پر۔ کلمہ طیبہ کے ذریعہ مالک کون ومکاں کی بزرگی و برتری کے اقرار کے بعد اور مجاہد کو آدابِ صف کا عادی نماز کے ذریعہ بنا چکنے کے بعد اس میں صبر و استقلال، تکلیف برداشت کرنے کا مادہ اور بھوک پیاس جھیلنے کی تربیت روزے کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ میدانِ جنگ میں بارہا ایسے ہوتا ہے کہ صفِ اوّل کے مجاہدوں پر دشمن اس شدت سے گولہ باری کر رہا ہوتا ہے یا ان کی پیش قدمی کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ اُن کے لئے کھانا پچھلی صفوں سے آگے نہیں پہنچایا جا سکتا۔ ایسے حالات میں بھوک پیاس کی عادی افواج ہی اپنے فرائض کو کماحقہ انجام دے سکتی ہیں۔ ایسے موقعوں کی تربیت مجاہد کو روزے کے ذریعہ ملتی ہے۔

مجاہد کی ذہنی (کلمۂ طیبہ کے ذریعہ) معاشرتی (نماز کے ذریعہ) اور جسمانی (روزے کے ذریعہ) تیاری اور تربیت مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ مجاہد کے اسلحہ اور ساز و سامانِ جنگ کی تیاری اور فراہمی کو ہاتھ میں لے لیا جاتا ہے۔ دیگر

ذرائع کے علاوہ اس ذمہ داری کو زکوٰۃ کے ذریعہ پورا کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ عالم انسانی میں توازن قائم رکھنا، بنی نوع انسان کے درمیان عدل وانصاف کا ذمہ دار ہونا اور نسلِ انسانی کو اللہ تبارک وتعالےٰ کے عائد کردہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے ذرائع مہیا کرنے کے لئے جب کسی ملت کو تیار کیا جاتا ہے تو اس کو اس جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ذہنی، روحانی اور مادی غرضیکہ ہر طرح کے وسائل کو مہیا کرنے کا انتظام ضروری ہوتا ہے۔

یہ کچھ یوں ہی نہیں کہ قرآن حکیم میں نماز کا ذکر ۷۰ بار آیا ہے اور ان میں سے ۲۳ مقامات ایسے ہیں جہاں ساتھ ہی ساتھ زکوٰۃ کا ذکر یا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کی توبہ کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ الفاظ ہیں:۔

فَاِنْ تَابُوْا	اور پھر اگر توبہ کریں
وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ	اور نماز قائم کریں
وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ	اور زکوٰۃ ادا کریں
فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ	تو اُن کی راہ کھول دو (اُن سے جنگ بند کر دو)
۹ : ۵	

یعنی اللہ تبارک وتعالےٰ مشرکین سے جہاد بند کرنے کی شرائط میں ان کا ظلم وستم سے توبہ کرنے کا ثبوت قیام نماز اور ادائے زکوٰۃ کو بتاتے ہیں۔

ایمان بالغیب کے ذریعہ روحانی ضرورت پوری ہوتی ہے، کلمہ طیبہ، نماز اور روزے کے ذریعہ ایک طرف ذہنی وبدنی اور دوسری طرف انفرادی اور جماعتی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور پھر زکوٰۃ کے ذریعہ مادی وسائل کی فراہمی

ممکن ہو جاتی ہے۔ اب ملت مسلمہ کے مجاہد میدانِ کارزار کا رُخ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اب اگر ضرورت رہ جاتی ہے تو یہ کہ دنیا کے کونے کونے سے یکجا ہو کر اظہارِ اتحاد اور کرۂ ارضی کے پیمانے پر جماعتی یکجہتی کا ثبوت بہم پہنچایا جائے اور یہ فریضۂ حج یعنی دینِ اسلام کے پانچویں انضباط یا رکن کے پورا کرنے سے مکمل ہوتا ہے۔

حج بیت اللہ یوں تو لاتعداد فوائد ہیں۔ بین ملکی تجارت اور دنیائے اسلام کے مختلف ممالک کے افراد کی عادات و اطوار سے واقفیت اور ملت اسلامیہ کی افرادی قوت کا جائزہ لگانے کے علاوہ جو راز انضباط حج میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ سالِ رواں کے دوران جو مسائل ملتِ اسلامیہ کو درپیش ہو چکے ہوں ان کے حل کرنے کی تجاویز باہمی صلاح و مشورے سے طے پا سکتی ہیں اور اگر یہ فیصلہ ہو کہ بعض سیاسی مسائل کا حل جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے ہی مہیا ہو سکتا ہے تو پھر عالمی سطح پر ملتِ اسلامیہ کے لئے جہاد کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کرنے کا بہترین موقع ایامِ حج کی بین ملکی مشاورت ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان فریضۂ حج کے لئے حاضر ہوتا ہے تو وہ من حیث الجماعت علی الاعلان پکار اٹھتا ہے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَ الصَّلٰوۃَ لَکَ وَالْمُلْکُ لَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ○

تمت

بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ○